بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

# دیباچہ

حاجی مظہر علیم انصاری ردولوی مرحوم - میرے بھائی اور مجھ سے عمر میں صرف پانچ سال خورد تھے۔ قدرت الہیہ کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ دو لائق او ر ہونہار چھوٹے بھائی یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوگئے اور مجھکو اپنا ماتم دار اور اپنی امانتوں کا حامل چھوڑ گئے۔ لیکن اس معاملہ میں کسی بشر کا اختیار نہیں اور یہ مرضی کردگار ہے۔ جس پر بجز صبر کوئی چارہ کار نہیں۔ مظہر مرحوم سے بھی خورد سال بھائی ابومسعود انصاری مرحوم علیگڈہ کالج کے ایف - اے کلاس میں تعلیم پا رہے تھے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں تپ دق کی شکایت شروع ہوئی۔ خنازیری غدود میں مبتلا تھے۔ قابل ڈاکٹروں کی صلاح سے تعلیم ترک کرادیگئی۔ الموڑہ پہاڑ پر بھیجا۔ وہاں کی آب وہوا سے تین سال تک صحتیاب ہوتے رہے۔ جاڑے ملک میں اور گرمی و بارش کا زمانہ پہاڑ پر بسر کیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۷ء کے ماہ دسمبر میں فوجی لیبر کور کے کلرک ہوکر فرانس چلے گئے۔ ایک سال بعد دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں وہاں سے واپس آئے اور ہندوستان میں آتے ہی مرض کی شکایت بڑھ چلی۔ علاج بے سود ثابت ہوا۔ الموڑہ پر بھیجا گیا۔ تین مرتبہ صحتیاب ہو چکے تھے۔ چوتھی مرتبہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر حق تسلیم کرکے صحت و مرض کے جھگڑوں سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئے۔ الموڑہ پر اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء کی ۲۰ تاریخ کو ۲۲ سال کی عمر میں سفر آخرت کیا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے سب سے عزیز ہستی چشم زدن میں فنا ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ ناقابل برداشت صدمہ میری کمر توڑ گیا۔ مظہر مرحوم کو بھی ناکارہ بنا گیا۔ لیکن مر رہنا اپنے بس میں نہ تھا۔ ہاں زندگی بے لطف ہوگئی تھی۔ میرے واسطے ایک بھائی کا دم غنیمت تھا۔ مظہر مرحوم میری زندگی کا سہارا تھے۔ کسب

معاش کے سلسلہ میں ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا اور دور دراز فاصلہ پر رہتے تھے ہر ایک اہل و عیال کے بارے گرانبار تھا۔ صرف خط و کتابت سے روحانی ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ کیونکہ سنہ ۱۹۱۸ء کے وسط سے مرحوم نے ردولی کا قیام ترک کر کے مع اہل و عیال بھلسہ (ریاست گوالیار) میں رہنا اختیار کر لیا تھا۔

بھلسہ ریاست گوالیار میں ایک ضلع اور کمشنری مالوہ میں شامل ہے۔ کمشنری مالوہ (ریاست گوالیار) کا صدر مقام اُجّین ہے۔ بھلسہ میں میرے ماموں صاحب شیخ عبدالشکور انصاری مرحوم نے عرصہ تیس سال سے قیام اختیار کر لیا تھا اور انکے بڑے بیٹے میرے بھائی عبدالرؤف صاحب انصاری سلمہ وہاں ایک کامیاب وکیل تھے۔ مظہر مرحوم دورانِ سفر حیدرآباد دکن میں۔ اکثر بھلسہ جاتے رہتے تھے۔ مالوہ کی آب و ہوا انکو پسند آئی۔ وہیں رہنے لگے۔ اور اہل و عیال کو بھی ردولی سے بلوا لیا۔ اسطرح ہم دونوں ایک دوسرے بہت دور ہو گئے۔

ابو مسعود مرحوم کی وفات کے بعد سے مظہر مرحوم کو میرا خیال بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ جانتے تھے کہ بھائی بوڑھا ہو گیا ہے۔ عیال کیوجہ سے گرانبار ہے۔ آمدنی کم رکھتا ہے۔ اسلئے مجھپر کسی قسم کا بار نہیں پڑنے دیتے تھے۔ اور میرے بڑے لڑکے کو مع والدہ ماجدہ مرحومہ کے اپنے ہی پاس رکھا تھا۔

دو سال سے کئی برس کی جدائی کے بعد میں وقت پا کر بھلسہ جاتا اور اُن سے ملتا میری حالت دیکھکر کہتے تھے کہ بھائی اب یہیں آ رہو۔ اور کچھ شغل کاشتکاری کا کرو۔ خدا سے بسر اوقات کا ذریعہ نکال دیگا۔ ملکر کوئی کام کرینگے اور انشاءاللہ اسمیں برکت ہوگی۔ میں ٹال رہا تھا اور اپنی موجودہ ملازمت پر قانع تھا۔

کہ یکایک ۲۷۔ فروری سنہ ۱۹۲۴ء کو مظہر میاں بھی رہگرائے عالم آخرت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔ ایک بیوہ۔ اور تین لڑکیاں۔ اپنے بعد چھوڑی ہیں۔

جنکا خدائے پاک کفیل ہے۔ اور اُسی کی رحمت کا آسرا ہے۔ ورنہ میرا ایسا ضعیف و ناتواں انسان کیا کر سکتا ہے۔ ہاں مرحوم بھائی کی یاد میں اسکی یتیمہ بچیوں کی کفالت ایک خوشگوار شغلہ ہے اور یہ تمنا دامنگیر ہے کہ اپنی حیات مستعار ختم ہونے سے پہلے رب کریم کی مرضی ہو تو کوئی ایسا انتظام کر دوں کہ ان بچیوں کے رزق کا کچھ ظاہری سہارا ہو جائے۔

مظہر مرحوم کے کاغذات کی جستجو میں انکے احباب خاص کے نام معلوم ہوئے اور میں نے اُن سے خط و کتابت کی تو تین صاحب کمال مرحمت پرور پائے گئے۔ ایک جناب سہراب علی خاں صاحب رئیس چھپرپور ضلع گونڈہ۔ دوسرے جناب مولوی سید معصوم علی صاحب وارثی تحصیلدار گورنمنٹ نظام۔ اور تیسرے جناب مولوی سید محمد حیات الحسن صاحب رضوی موہانی ناظم عدالت (جج) گورنمنٹ نظام۔ ان صاحبوں نے میری تحریروں کے جواب عطا فرمائے۔ ہمدردی اور سچی ہمدردی کی نیک مشورہ دیا۔ اور مرحوم کے لئے یادگاری کام کرنے میں میری حوصلہ افزائی کا وعدہ فرمایا۔ اسلئے سب سے پہلے میں اپنی عرصہ کی دماغی بیکاری اور قلمی خدمات سے کنارہ کشی کو ترک کر کے مظہر مرحوم کے روزنامچہ جات سفر سے ایک سفرنامہ مرتب کرنے اور اسکی اشاعت کے دریے ہوا ہوں۔

مقصد اس تالیف کا یہ ہے کہ مظہر مرحوم کے ہزاروں جاننے والے سعد انسان اُنکی اس یادگار کے خریدار بنیں۔ اور جن لوگوں کا اسمیں ذکر کر کے مرحوم نے انکو زندہ جاوید بنایا ہے وہ خاص طور پر اسکے گاہک ہوں۔ تاکہ اس کتاب کی اشاعت سے مرحوم کی یاد باقی رہے اور اسکا نفع اُنکی یتیمہ بچیوں کے کام آئے۔

مرحوم مظہر علیم کے سوانح حیات کا مختصر بیان بھی فائدہ سے خالی نہو گا۔ کیونکہ ایک کام کرنے والی ہستی کے خصائص اور حالات دوسروں کی سبق آموزی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اسلئے ناظرین کا کچھ وقت اسپر صرف کرنا چاہتا ہوں۔

نام و نسب: مظہر علیم۔ ابن محمد سلیم۔ ابن فضل الرحمن۔ انصاری ایوبی۔

خزرجی۔ مخدوم شیخ سلیمان انصاری قدس سرہٗ، ردولوی خلیفہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ العزیز کی اولاد میں ہیں۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

## شجرہ نسب حاجی مظہر علیم مرحوم

- مخدوم شیخ سلیمان انصاری
  - شیخ زکریا
    - شیخ طٰہٰ
      - شیخ شاہ
        - شیخ کمال
          - ابوالفتح
          - شیخ فیروز
        - شیخ احمد
          - غلام نصیر الدین
            - محمود عرف بساون
        - شیخ مصطفےٰ
          - عنایت اللہ
            - محمد اسد اللہ
              - محمد قیمت
                - غلام میر
                  - غلام حسن
                    - پیغمبر بخش
                    - علی بخش
                  - غلام شرف
                    - دختر
                    - دختر
                - غلام کبیر
                  - مراد بخش
                    - علی رضا
                      - فضل الرحمٰن
                        - محمد سلیم
                          - محمد حلیم
                            - محمد ابراہیم
                            - طلعت مسعود
                            - دختر
                            - دختر
                          - مظہر علیم
                            - دختر
                            - دختر
                            - دختر
                          - ابو مسعود لاولد
                        - محمد سعید
                          - محمد کریم
                            - عبد الحمید
                          - دختر
                      - عبد الرحمٰن عرف محمد ظہور
                        - عبد الشکور
                          - عبد الرؤف
                            - محمد اسلم
                            - محمد اکرم
                            - منظر عالم
                            - سرور عالم
                            - بشیر عالم
                            - دختر
                          - ابوایوب
                            - دختر
                            - دختر
                - غلام حیدر
        - شیخ مظہر لاولد

مخدوم شیخ سلیمان کے متعلق صاحب بحر ذخار لکھتے ہیں کہ خالد بن سلیمان یعنی حضرت ابوایوب انصاری صاحب رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہیں۔ مگر سلسلہ نسب نہیں مل سکا غالباً شجرہ کسی وقت ضائع ہوگیا۔

ولادت:۔ نام تاریخی ہے۔ اسکے اعداد بحساب ابجد نکالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مظہر علیم کی ولادت ۱۲۹۵ھ میں ہوئی مظہر علیم بمقام شہر اعظم گڈھ پیدا ہوئے۔ والد مرحوم مولوی محمد سلیم صاحب اُس وقت شہر اعظم گڈھ میں مہتمم پولیس اسٹیشن تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ ۴ سال کی عمر تک والد مرحوم کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اسکے بعد والد مرحوم ملازمت پولیس ترک کرکے بارادہ حج بیت اللہ بلکہ ہجرت کے خیال سے مع اہل وعیال عازم حجاز ہوئے۔ خاکسار مؤلف کو اسوقت ماموں صاحب مرحوم اپنے پاس ضلع گورکھپور میں لے گئے تھے انہوں نے روک لیا۔ والد مرحوم والدہ اور مظہر کو لیکر قنوج گئے۔ وہاں اونکی خالہ صاحبہ تھیں۔ والدہ اور مظہر کو انہوں نے روک لیا۔ اور والد مرحوم تنہا حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ مظہر کا دو سال کا زمانہ قنوج میں بسر ہوا۔ وہیں ختنہ اور بسم اللہ خوانی ہوئی۔ تیسرے سال ماموں صاحب (مرحوم) ہم دونو بھائیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور تعلیم و تربیت کا معقول انتظام فرمایا۔ سید ولایت حسین صاحب متخلص بہ حقیر ردولی کے ایک شریف الخاندان اور ذی علم بھائی کو ہم دونوں کی تربیت اور تعلیم کا کام تفویض کیا۔ اور سید صاحب نے کمال محبت و دلسوزی کے ساتھ پڑھایا لکھایا اور اخلاق کی نگرانی فرمائی۔ ایک سال یوں بھی گذرا تین سال کے بعد چوتھے سال نانا صاحب مرحوم والدہ کو اور مجھکو لیکر حج کرنے گئے حج و زیارت حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فراغت کرکے میں نانا صاحب کے ساتھ وطن کو واپس آیا۔ اور والدہ مدینہ منورہ میں قبلہ گاہی کے پاس رہ گئیں۔ مظہر اس زمانہ میں ماموں صاحب کے پاس رہے۔ اسکے ڈیڑھ سال بعد والد مرحوم بھی مع والدہ کے سرزمین حجاز سے وطن واپس آگئے۔ اب انھوں نے اولاد کی تعلیم و تربیت اپنے ہاتھ میں لی۔ انگریزی تعلیم کا چرچا ملازمت پیشہ مسلمانوں میں ہوچلا تھا۔ علی گڈھ میں مدرستہ العلوم کی بنیاد پڑگئی تھی۔ مگر والد کو اس سے قطعی اختلاف تھا۔ ہرچند عزیزوں نے زور دیا۔

والد کسی طرح ہم لوگوں کو انگریزی تعلیم دینے پر راضی نہیں ہوئے۔ کہنے والے چپ ہو رہے۔ مجھکو ابتدائی دینیات و مکمل فارسی ادب کی تعلیم کے بعد عربی علوم پڑہائے گئے۔ اور مظہر علیم فارسی درسیات پڑہتے رہے۔ طبیعت میں تیزی اور ذہانت کے ساتھ حصول علم کی طرف کم توجہی تھی۔ مگر استاد کی شفقت نے کچھ استعداد پیدا کر دی۔ اور فطری ذکاوت نے جلا دی۔ عمر کے ساتھ مدارک کھلتے گئے۔

۱۸۹۶ء میں مظہر علیم میرے ساتھ گورکھپور گئے۔ میں اسوقت گورکھپور میں جنت آرامگاہ مولوی محمد خلیل صاحب رئیس و پنشنر ڈپٹی کلکٹر کی سرپرستی میں علوم عربیہ حاصل کر رہا تھا۔ مظہر علیم کو وہاں میں نے انگریزی کی ابتدائی تعلیم میں مشغول کیا اور وہ اپنی فطری استعداد سے ایک سال کے اندر پانچویں جماعت تک انگریزی زباندانی اور حساب میں ماہر ہو کر ۱۸۹۷ء میں ماموں صاحب کے پاس بھلسہ (ریاست گوالیار) میں چلے گئے اور وہاں دو سال مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھا۔ لیکن مڈل کی جماعت تک پہنچ کے آگے پڑھنے سے باز رہے اور ریاست بلرام پور ضلع گونڈہ میں ایک سرپرست کی عنایت سے ملازمت کر لی۔ یہ ملازمت دیرپا نہیں رہی۔ ایسے اسباب پیش آئے کہ مظہر علیم کو ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا اور منشی تیغ بہادر مرحوم مالک مطبع انوار احمدی و روزانہ اخبار لکھنؤ کے فیض صحبت سے تجارت کی طرف میلان پیدا ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں مظہر علیم گھڑی اور ولائتی زیورات کی تجارت کرنے نکلے۔ سفر میں پھر کر مال بیچنا شروع کیا۔ اور معقول آمدنی ہونے لگی تھی کہ چھپرہ ضلع سارن سے مونگیر جاتے ہوئے رات کو ٹرین کا تصادم ہوا اور اسمیں بہت چوٹ آئی۔ رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ جس درجہ میں مظہر علیم تھے اُسی میں ایک ہندو زمیندار صاحب مع اپنی بیوی اور بچہ کے سفر کر رہے تھے۔ ریل گاڑی کی ابھی ایک ہی ٹکر ہوئی تھی کہ مظہر علیم نے سنبھل کر بغیر اسکے کہ اپنی چوٹ کا خیال کریں اپنے ہم سفر کی بیوی کو سنبھالا اور بچے کو گود میں لیا۔ کسی طرح انکو بحفاظت ٹرین سے اتار لے گئے اور زمیندار

صاحب بھی انکے ساتھ اُتر گئے۔ اسباب وغیرہ سب ٹرین پر چھوڑا اور جلد جلد بھاگ کر لائن سے بہت دور نکل گئے۔ جب یہ اطمینان ہو گیا کہ اب یہاں کوئی انکی جستجو کریگا آپسمیں بات چیت ہوئی۔ زمیندار صاحب کا مکان کسی قریب ہی کے موضع میں تھا وہ ہم کو اپنے ساتھ لے گئے۔ زخم کی مرہم پٹی ہوئی۔ تا صحت وہیں رہے۔ صحتیاب ہونے پر رخصت کے خواستگار ہوئے۔ احسان شناس رئیس نے روکا نہیں رُکے کچھ پیش کرنا چاہا۔ انکار کیا۔ بمشکل تمام ایک جوڑا کپڑا اور گھر تک آنے کا خرچ لیا اور ایک ہزار روپیہ کا نقد وجنس ضائع ہو کر خود زندہ بچ نکلے۔

ضرب کا صدمہ دماغ پر آیا تھا۔ کئی ماہ دماغ ماؤف رہا۔ آخر طبیعت سنبھل گئی۔ پھر کسب معاش کی فکر ہوئی۔ بنارس کے ریشمی کپڑے۔ لکھنؤ کے لحاف اور فرد۔ عطر تیل اور کچھ سادہ کاری کے چھوٹے زیور لیکر سفر میں نکلے۔ اور رزّاق مطلق روزی رسانی فرمانے لگا۔ دو سال تک یہی مشغلہ رہا۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں خاکسار مؤلف ندوۃ العلما لکھنؤ میں آگیا۔ مظہر علیم نے آل انڈیا ٹریولنگ ایجنسی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ایک پرچہ ذکر مولود شریف "ذکر خیر" کے نام سے شائع کیا گیا۔ میں اسکا مہتمم تھا اور مظہر علیم اشاعت کرتے پھرتے تھے۔ ٹریولنگ ایجنسی کا کام ملکی تاجروں کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اسقدر کم چلا کہ اس سے طبیعت اُکتا گئی۔ "ذکر خیر" سے بھی صرف خرچ کی خانہ پُری ہوئی۔ اسلئے دونوں کام بند کرنیکے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ تاہم ایک کام کی آزمائش ہو گئی اور اس سے دوسرے کاموں کے کرنے کا راستہ معلوم ہو گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ء تک اسی طرح کے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں مظہر علیم میرے پاس لاہور پہونچے۔ اسوقت ایک سال سے میں لاہور میں عربی سے ترجمہ کرنے کا کام کر رہا تھا۔ شیخ محمد اکرام صاحب منیجر رسالہ

مخزن کے لیے ایک آدمی مجھ سے مانگا تھا۔ میں نے مظہر علیم کو پیش کر دیا۔ اور شیخ صاحب نے مظہر علیم کو ملازم رکھ لیا۔ دو سال سے زائد "مخزن" کی خدمت میں بسر کیے اور اُن کی زمانہ ملازمت میں یہ رسالہ بام ترقی کے انتہائے عروج تک پہونچا۔

سنہ ۱۹۰۸ء کے اخیر میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے مظہر علیم [illegible] مقرر کیا۔ اور انھوں نے اس کام کو ایسی خوش اسلوبی سے کیا کہ تمام ہمتاش صحاب پر کارگذاری میں سبقت لے گئے۔ اس ملازمت کا سلسلہ سنہ ۱۹۱۱ء تک قائم رہا۔

سنہ ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۱۵ء تک تین سال کام سے کنارہ کش رہے۔ یہ زمانہ کچھ انجمن خُدام کعبہ کی شیدائیت میں کسی قدر رفاہ المسلمین ردولی کی تنظیم و ترتیب میں۔ اور زیادہ تر لکھنؤ میں ایک خیاطی کی دوکان کر لینے میں بسر کیا۔ آخر میں انجمن رفاہ المسلمین ردولی کے کام کی نگرانی اختیار کی اور ہمہ اُن کی کدّ و کاوش اس بھی الگ کرا کے رہی۔ مظہر علیم کی علیحدگی نے انجمن کو بٹھا دیا۔ اور وہ اب تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔

سنہ ۱۹۱۶ء سے مظہر علیم پھر کانفرنس کی سفارت پر آگئے۔ اور دو سال یہی کام کرتے رہے۔ حیدرآباد دکن میں مامور تھے اور اپنا کام کر رہے تھے۔ کہ سنہ ۱۹۱۷ء کے آخر میں اس سے دل برداشتہ ہو کر انجمن ترقی اردو کی سفارت لے لی۔ اور یکم جنوری سنہ ۱۹۱۸ء سے اسکا باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ سنہ ۱۹۲۲ء کی اخیر حصہ تک اسی کام کو کرتے رہے۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء میں اُن کے دوست اور کلکتہ کے تاجر حافظ محمد رفیع باڑی اینڈ سن نے کچھ اپنا کام دیا اور پیرز کمار ڈیہی کولیری کمپنی لمیٹیڈ کے حصص فروخت کرنے اور اسکی ایجنسیاں قائم کرنے پر مامور کیا۔ ایک سال یہ کام کچھ چلا تھا کہ صحت کی خرابی نے کام سے روک دیا علالت کا سلسلہ ممتد ہوتا گیا اور ۲۷۔ فروری سنہ ۱۹۲۴ء کو بھوپال میں بوقت آٹھ بجے شب

اچانک سفر آخرت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ خاکسار مؤلف اسوقت الہ آباد میں اپنی ملازمت پر تھا اور اس فاجعہ سے بیخبر۔ کہ ۲۸۔ فروری کو صبح کے آٹھ بجے ٹیلیگرام نے مرحوم کی وفات کا ہوش ربا سانحہ سنایا۔ افسوس!

بہ صرف ۴۹ سال عمر کے بھائی کا دنیا سے کوچ کرنا۔ ایک بیوہ اور تین لڑکیاں اپنے بعد چھوڑ جانا۔ اسکا قومی خدمات کے جوش میں تمام زندگی محض بقدر کفاف آمدنی پر بسر کرنا جسکی وجہ سے پسماندگان کی بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ چھوڑنا۔ یہ سب باتیں ایک ضعیف اور ناتوان بھائی کے غم و الم کو جسقدر بڑھا سکتی ہیں اسکا اندازہ اہل دل ہی خوب کر سکیں گے۔ خاص کر یہ بات اور بھی روح فرسا ہے کہ مرحوم کی بالغہ اور بڑی لڑکی پیدائشی گونگی بہری اور ناکتخدا ہے۔ مرحوم اسکے فرض سے ادا ہونے کی فکر میں تھے۔ لیکن مشیت الہیہ نہ ہوئی اور یہ کام باقی رہگیا۔

مظہر علیم مرحوم کو بھوپال ہی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اور انکے ہزاروں عزیز اور احباب داغ جگر ہیں کیونکہ مرحوم کے خصائص اور اخلاق کی یاد انکے دلوں سے بمشکل محو ہوگی۔

مظہر مرحوم کو ابتداے سن شعور سے سیاحت اور تجارت کا شوق تھا۔ مزاج نہایت سگفتہ پایا تھا۔ طبیعت میں ہمدردی اور محبت اسقدر رکھی کہ جس سے ایکبار مل لئے ہمیشہ اسکے خیر سگال اور محب رہے۔ خوش خلقی۔ ملنساری۔ خدمت خلق کا جذبہ ایسا کہ کسی آدمی کو ان اوصاف سے خالی دیکھتے تو سخت کبیدہ ہوتے تھے۔ انکی خواہش یہ رہتی تھی کہ جس طرح خود دوسروں سے پیش آنا چاہتے ہیں اسی طرح دوسرے بھی انکے اور دیگر آدمیوں کے ساتھ پیش آئیں۔

صاف گوئی اور حق کوشی میں بےمثل۔ اور کسی کا کام نکال دینے یا کسی کی سفارش اور امداد کرنے میں کسی مشکل سے نہیں ڈرتے تھے۔ قوم اور ملت کی محبت دل میں تھی۔ اور شرافت

و مروت آپ وکیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں معززین اور ہر قوم وکیش کے ذی اثر اصحاب سے ملے اور جس سے ملے وہ اُن کا کلمہ پڑھنے لگا۔

خودغرضی۔ طمع۔ بد اندیشی سے دور بھاگتے تھے۔ اخلاق ذمیمہ سے کلی نفرت تھی مہمان دوستی اور سیر چشمی۔ یار باشی اور موانست اُنکا شعار تھا۔ اکیلا رہنا۔ تنہا کھانا۔ بے کج ادائی کے ساتھ پیش آنا بہت بُرا سمجھتے تھے۔ کوئی اُنکا میزبان ہو مگر شریک طعام نہو تو اُنکو کھانا بُرا معلوم ہوتا اور اکثر نہیں کھاتے تھے۔ گھر پر رہنے کی حالت میں ہمیشہ کسی دوست کو شریک طعام کرتے تھے یا بمجبوری بال بچوں ہی کے ساتھ کھاتے۔ فکر اور پست حوصلگی سے قطعاً بری تھے۔ آزاد منش۔ آزادہ رو۔ اور ذی وجاہت واقع ہوئے تھے۔ غرضکہ عجیب دلکش طبیعت پائی تھی۔ دوستوں کی خدمت گزاری میں اپنی منفعت کے خیال کو پاس نہیں آنے دیتے تھے۔ اور نہ کسی نقصان کا اندیشہ کیا کرتے تھے۔ اسوجہ سے اُنکو بہت ضرر پہونچا۔ اور کاروباری زندگی میں اسی جذبہ کے سبب سے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔ اُنکا ہزاروں روپیہ لوگوں کے ذمہ رہگیا۔ اور اب وہ کیا ملے گا۔ بلکہ انکی اسی صفت سے بعض اصحاب نے کچھ ناجائز فائدہ بھی اُٹھایا۔ یعنی مظہر مرحوم کو اپنا ایجنٹ بناکر لاکھوں روپئے کے کمپنی کے حصص فروخت کئے اور اپنی بعد کی وعدہ خلافی سے مرحوم کی نیک نامی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو ایسے بُرے معاملہ کی جوابدہی اُن پر جب آتی اور اب بھی لوگوں کو اسپر شک و شبہ ہے۔ لیکن میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ مظہر حلیم کو ایسا گمان نہیں تھا۔ اسکی طبیعت میں بدگمانی تھی ہی نہیں۔ اصل میں وہ خود فریب میں آگیا تھا۔ اور اس فریب کا حال اسکی وفات کے بعد کھلا ہے۔ اسکی نیت صاف تھی اور وہ ایک خوش کردار و کامیاب تاجر کے کام میں کوشاں ہوا تھا۔ جو بدقسمتی سے اس کام میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ پھر بھی کمپنی موجود ہے خدا چاہے تو حصہ داروں کا روپیہ ضائع نہو گا۔

مظہر مرحوم کے آخری ایام حیات مسلمانان بھلسہ کی صلاح و فلاح کی کوششوں میں صرف ہوئے تھے۔ غریب و بیکس مسلمانان بھلسہ نے اپنے مخلص ہمدرد کی ماتم داری بڑی جوش سے کی لیکن انکی صحیح ماتم داری یہ ہے کہ انجمن معین الاسلام اور اُسکے مدرسہ کو زندہ اور روبہ ترقی رکھیں۔ یہ مرحوم کی یادگار اور برادران بھلسہ کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ اسکی طرف سے سرد مہری مناسب نہیں۔ خود اپنا ہی نقصان کرینگے۔ برادران بھلسہ (ریاست گوالیار) اس لحاظ سے قابل شکر گذاری ہیں کہ انھوں نے مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا۔

یہ سفرنامہ مرحوم کے روزنامچہ جات سفر سے مرتب کیا گیا ہے۔ یادداشتیں بہت مجمل ہیں۔ خاصکر سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۱۷ء تک کی یادداشتیں بیحد مختصر ہیں۔ انکو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ مرحوم خود سفرنامہ لکھنے کے خواہاں تھے اور تفصیل امور اونکے حافظہ میں تھے صرف اشارات نوٹ کر لئے تھے۔ اسلئے بجز اسکے کہ وہ یادداشتیں ترتیب کے ساتھ درج کردوں اور کچھ نہیں بن پڑا میری ذہانت اس بارہ میں کوئی کام نہیں دے سکتی تھی۔ کافی علم کے بغیر کسی اجمالی کی تفصیل غیر ممکن ہے۔ اور اسی لئے اتنا حصّہ بہت کم لطف دیگا۔ لیکن جنوری سنہ ۱۹۱۸ء سے اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء تک پانچ سال کے سفر کی جو یادداشتیں لکھی تھیں اُنمیں سے غیر ضروری اور بیکار حصّہ نکال دینے پر فی الواقع ایک دلچسپ اور مفید سفرنامہ ہوگیا ہے۔ اسمیں بہت سے تاریخی حالات مقاموں اور اشخاص کے ملیں گے۔ اہل دل۔ ہمدرد ملک و ملّت۔ ارباب دول۔ اور کارکن اصحاب کا ذکر پایا جائیگا۔ خاندانی شجرے۔ نسب نامے۔ خود ساختہ لوگوں کے کارنامے اور بہت سی دیگر مفید باتیں معلوم ہونگی۔ یہ اوراق مرحوم کی یادگار رہیں گے صدہا ملنے والوں کو انکی یاد دلا دیا کرینگے۔

اس سفرنامہ کا مطالعہ کرنے سے مظہر علیم مرحوم کی دردمند طبیعت اور قومی فدائیت کا حال منکشف ہوگا۔ ناظرین محسوس کرینگے کہ وہ کس جوش سے کام کیا کرتے تھے۔ اور اندازہ کر سکیں گے کہ کامیابی کا اصل سبب یہی دل کی لاگ ہے۔ اس

سے یہ سبق ملے گا کہ کوئی کام بغیر دلی جوش اور سرگرمی کے انجام نہیں پا سکتا۔ اور یہ کہ محنت اور سعی آدمی کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری چیزیں ہیں۔

مجھکو امید ہے کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔ اور اسمیں نادانستگی سے کوئی غلطی ہوئی ہو گی تو اہل دانش اور ارباب علم اس سے خاکسار مولف کو آگاہ کرینگے تاکہ طبع ثانی میں اسکی اصلاح کردیجائے۔ اسی طرح کسی صاحب کو اپنے حالات پڑھکر اس میں اضافہ کی خواہش پیدا ہو گی تو بشرط اطلاع آیندہ اشاعت میں ان کی یہ خواہش پوری کی جاسکے گی۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

محمد حلیم انصاری رودولوی
حال ناظم دینیات مسلم ہوسٹل الٰہ آباد یونیورسٹی

# فہرست مضامین کتاب سفرنامہ مظہر علیم انصاری مرحوم

| نام مقام واشخاص | نمبر صفحہ | نام مقام واشخاص | نمبر صفحہ |
|---|---|---|---|
| پراگل پور۔ زورآور گنج ہائی اسکول | | کلکتہ | ۱۱۵-۱۲۵ |
| مولوی فضل القدیر صاحب۔ | | | |
| چاٹ گاؤں | ۱۰۱ و ۱۱۲ | سیٹھ غلام حسین عارف صاحب | |
| مولوی عبد الستار صاحب وکیل مولوی | | شیخ محبوب علی صاحب | |
| جمال الدین صاحب۔ عبد الرحمن صاحب | | پنجابی تاجر صاحبان | ۱۱۵-۱۲۵ |
| دوباشی۔ مولوی جلال الدین صاحب | | محمد امین صاحب۔ فضل الٰہی صاحب | |
| خانصاحب۔ عبد العزیز خانصاحب | | شیخ محمد ابراہیم صاحب۔ حاجی شیخ | |
| انسپکٹر تعلیم۔ مولوی غلام قادر صاحب | | اللہ بخش صاحب شیخ عبد الخالق | |
| موضع سیندا۔ آنریبل خانصاحب | | صاحب۔ محمد رفیع باڑی صاحب | |
| مولوی امان علی صاحب۔ مولوی | | خان بہادر عبد المومن صاحب | |
| عبد الحق صاحب سکریٹری اسلامیہ | | مودود الحسن صاحب بیرسٹر۔ ملا | |
| اسکول سیتاکنڈ۔ | | محمود و ملا ہاشم صاحب۔ حریم بی بی صاحبہ | |
| پچھیم گانوں ریاست | ۱۰۸-۱۱۰ | سیٹھ عبد اللطیف احمد صاحب۔ سید حسین | |
| نواب محمد علی چودھری صاحب مولوی | | شوشتری صاحب۔ مولوی محمد قاسم | |
| حکیم سکندر علی صاحب۔ مولوی | | صاحب سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل۔ مولوی واحد | |
| ایوب علی صاحب۔ مولوی سید اظہر الحق | | حسین صاحب بی۔ اے مولوی | |
| صاحب۔ | | محمد اکرم خان صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی | |
| مولوی باڑی۔ مولوی قاضی مظفر احمد | ۱۱۰ | یتیم خانہ اسلامیہ سیٹھ حاجی اعظم غلام حسین | |
| صاحب۔ مولوی تاج الدین صاحب | | صاحب۔ عبد الرزاق صاحب کچھی۔ | |
| چاٹ گامی۔ | | ڈاکٹر عبد اللہ المامون سہروردی | |
| نکالی باڑی۔ مولوی عبد الباسط | ۱۱۲ | بیرسٹر۔ خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم صاحبہ | |
| صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ | | نواب میر شجاعت علی خانصاحب۔ | |
| چاندپور۔ مولوی عبد الستار صاحب | ۱۱۲ و ۱۱۳ | نصیر الممالک۔ حافظ نذیر احمد صاحب | |
| پلیڈر۔ مولوی سید الرحمن صاحب منصف | | سکریٹری سفینہ اسلام۔ آنریبل مولوی | |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

# دورۂ مملکت آصفیہ خلدہا اللہ تعالیٰ

ماہ جون ۱۹۰۹ء میں کانفرنس نے مجھے حیدرآباد دکن میں دورہ اور کام کرنے پر مامور کیا۔ ۲۹۔ جون کو علی گڈھ سے براہ آگرہ روانہ ہوا۔ دور دراز کا سفر تھا سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ آگرہ کنٹونمنٹ اسٹیشن پر منماڑ جانے والی بمبئی میل مل گئی۔ بھوپال میں ایک مہربان حکیم محمد صاحب کو تار کے ذریعہ سے مطلع کیا کہ اسٹیشن پر ملیں۔ اور ناشتہ لیتے آئیں۔ ۳۰۔ جون کی شب کو بہ کرم و سبقت اسٹیشن بھوپال پر موجود ملے اور کافی ناشتہ ساتھ لائے۔ آنکی عنایت کا شکریہ ادا کرکے روانہ ہوا۔ ۱ بجے صبح کو منماڑ پہنچا۔ حیدرآباد جانے والی ٹرین تیار تھی۔ ٹکٹ لیکر اسپر سوار ہوا لیکن بمبئی میل کچھ دیر کرکے آیا تھا۔ اسلئے حیدرآباد کی ٹرین اس قدر جلد روانہ ہوگئی کہ مجھکو چاء پینے کا بھی موقع نہیں ملا۔ نظام ریلوے لاین پر بجز بڑے بڑے اسٹیشنوں کے کہیں کچھ سامان خورش نہیں ملتا۔ اور جہاں ملتا ہے ہوٹل کا کھانا، پہلے سے تار کے ذریعہ اطلاع دینے پر ملتا ہے۔ مجھکو انگریزی کھانوں کی عادت نہیں۔ اسپر طرہ گرانی۔ بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ اورنگ آباد تک اسی حالت سے آیا۔ اورنگ آباد سے مولوی مصطفےٰ علی صاحب کاکوری وکیل۔ میرے ہم سفر ہوئے۔ اور یہ معلوم کرکے کہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا

ایجنٹ ہوں کمال لطف کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ آنکی روشن خیالی سے خاص مسترت ہوئی۔ انھوں نے اورنگ آباد آنے کی حالت میں ہر ممکن مدد فرمانے کا وعدہ کیا۔ جالنہ کے اسٹیشن پر مولوی صاحب موصوف نے چند بسکٹ اور ایک ڈبیہ جیلی سے میری مدارات فرمائی۔ اور اس ناشتہ سے بھوک کی تکلیف کچھ کم ہوگئی۔

یکم جولائی کی صبحکو حیدرآباد پہنچگیا۔ عموی مولوی شاہ مختار احمدؐ صاحب احمدی، ردولوی وکیل ہائی کورٹ حیدرآباد میں نہ تھے۔ وطن گئے ہوئے تھے۔ اسلئے میں مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔ کا مہمان ہوا۔ ایکدن راحت کرکے دوسرے روز مولوی عزیز مرزا صاحب (مرحوم) ہوم سکرٹری اعلیحضرت نظام دام ملکہٗ سے مِلا۔ اور جناب ممدوح نے فرمایا کہ پہلے اضلاع کا دورہ ختم کرلو۔ تب صدر بلدہ کو ہاتھ لگانا۔ میں نے تعمیل حکم کے لئے سر تسلیم خم کیا۔ اور تعلقداران اوّل، اضلاع نظام آباد۔ ناندیر۔ پربھنی۔ اورنگ آباد کے نام خطوط لیکر سامان سفر درست کرلیا۔ اور روانہ ہوگیا۔

نظام آباد۔ ۳۔ جولائی ۱۹۱۰ء کو نظام آباد آیا ہوں۔ ٹرین سے اُترکر سیدھا جناب نواب لیاقت جنگ بہادر کی خدمت میں آیا۔ بیحد خلق و کرم سے پیش آئے۔ اور ڈاک بنگلہ میں اپنی طرف سے مہمان بنایا۔ شب کو اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر چونکہ انگریزی میز تھا اور میں اسکے قواعد سے ناواقف۔ اسلئے عذر خواہ ہوا۔ ۴ سے ۶ تک تین دن تپ شدید نے مہلت کار نہ دی۔ ۷۔ جولائی کو نوٹس ہوا کہ ۸۔ جولائی کی صبح کو مظہر علیم ایجنٹ کانفرنس کے مقاصد پر تقریر کرینگے۔ ۹ بجے صبح ہی سے مجمع ہونے لگا۔ اور بہت جلد کلب کا پورا ہال حاضرین سے بھر گیا۔ وکلاء و عمال سب تشریف لائے۔

اول نواب لیاقت جنگ بہادر نے صدارت کی افتتاحی تقریر فرمائی اور مجھے حاضرین سے روشناس کرا دیا۔ اسکے بعد میں نے مقاصد و اغراض کانفرنس بیان کئے۔ لوگوں پر اچھا اثر ہوا۔ مبلغ ۳۰۰ کے قریب چندہ کی فہرست لکھی گئی۔ اور ۱۴۔ جولائی تک اسکی وصولی میں دوادوش کرتا رہا۔ مولوی عزیز احمد صاحب نائب تحصیلدار کی امداد و اعانت بیحد شکر گذاری کے قابل رہی۔ بڑے ہمدرد قوم اور مستعد آدمی ہیں۔

ناندیر۔ ۱۵۔ جولائی کو ناندیر آیا۔ اسٹیشن ریلوے پر سواری اور قلی کا پتہ نہیں۔ اس ریلوے لائن پر باضابطہ قلی نہیں رکھے جاتے۔ اس لئے مسافروں کو اسباب اٹھوانے کی بڑی زحمت ہوتی ہے۔ مال گودام کے حمال مسافروں سے خاطر خواہ مزدوری وصول کرتے اور انہیں خوب ستاتے ہیں۔ ٹرین پر سے تو اسباب اتار لیا گیا۔ اب قلی کہاں سے آئے جو اٹھائے۔ بڑی دیر تک انتظار رہا۔ آخر ایک حمال اسطرف آیا تو اُسے ۲ ر دیکر اسباب اٹھوایا۔ اور تعلقدار صاحب کے بنگلہ تک گیا۔ یہ بنگلہ اسٹیشن سے صرف ایکسو قدم کے فاصلہ پر تھا۔ ۹ بجے صبح کے قریب تعلقدار صاحب گھر سے برآمد ہوئے۔ میں نے مولوی عزیز مرزا صاحب کا خط پیش کیا۔ خاطر اور محبت سے باتیں کرتے رہے۔ اور کلب میں قیام کے لئے جگہ دلوا دی۔ ۱۲ بجے تک کھانے کا کوئی پتہ نہیں لگا۔ میں اس خیال میں تھا کہ تعلقدار صاحب کا مہمان ہوں۔ اسی انتظار میں دو بج گئے۔ آخر کلب کے منتظم شیخ امین صاحب نے اپنے ماحضر سے تواضع کی اور میں نے اس سے پیٹ بھر لیا۔

تعلقدار صاحب کا نام مولوی محمد علی خاں صاحب ہے۔ ایرانی الاصل ہیں۔ انکے والد ماجد حیدرآباد آئے تھے۔ اور یہیں توطن اختیار کر لیا۔

انکی ماند و بود بالکل اہالی حیدرآباد کی سی تھی اور یہاں کے عمائدین میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں بہت روشن خیال اور خوش اخلاق ہیں۔

شام کے وقت شیخ امجد علی خاں صاحب صدر منصف نانپارہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ لکھنؤ کے خاندان وزارت کی یادگار اور نہایت دیندار اور قابل قدر مسلمان ہیں۔ عموی شاہ مختار احمد صاحب کے ملنے والے ہیں۔ روشناسی کے بعد حالات دریافت کئے۔ اور میرے کھانے کا انتظام اپنی طرف سے فرمایا۔ ۱۷ جولائی کو مولوی حکیم محبوب حسین صاحب وکیل سے ملاقات ہوئی۔ کاکوری ضلع لکھنؤ کے شرفاء میں سے ہیں۔ انکے اخلاق کا کیا پوچھنا۔ عزیزانہ لطف و محبت سے پیش آئے۔ اور سفارت کے کام میں میری بیحد مدد کی۔ ۱۸۔ جولائی کو کلب میں جلسہ ہوا۔ بارش نے حاضرین کی تعداد محدود رکھی۔ جامع مسجد میں بیان کیا گیا۔ اور نانپارہ کے نور باف برادران نے اپنی جماعت کی طرف سے ایک جلسہ ترتیب دیکر بیان سنا اور دس روپئے چندہ کر کے دیئے۔ میں کانفرنس کا تنخواہ دار ملازم ہوں۔ اور اسکے لئے فراہمی چندہ میرا فرض ہے۔ اسلئے یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن دراصل جو کام ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ قومی ترقی و فلاح کے لئے جو مقاصد و اغراض کانفرنس نے مقرر کئے ہیں انکو عام افراد قوم کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ اور ان میں بیداری پیدا کیجائے۔ بہرحال ۲۵۔ جولائی تک نانپارہ میں رہا۔ اور مولوی محبوب حسین صاحب وکیل و مولوی امجد علی خاں صاحب منصف کی اعانت سے کام کیا۔ ان اصحاب کی قومی ہمدردی قابل اعتراف و لایق شکریہ ہے۔

پرچھٹی ۔ ۲۶۔ جولائی کو پرچھٹی آیا۔ یہاں کے اول تعلقدار مولوی امیر حسن صاحب قبلہ ہیں۔ آپ نواب محسن الملک مرحوم کے برادر ہیں۔

انہیں کا مہمان ہوں ۔ اور کیا ذکر کروں کہ کس بزرگانہ محبت اور کریمانہ اخلاق سے پیش آتے ہیں ۔ خاکِ پاکِ آگرہ واددہ کی سرشت ۔ نواب محسن الملک مرحوم کے بھائی ۔ گھر کے قیام کا لطف حاصل تھا ۔ اور کام میں بھی کوشش ہو رہی تھی ۔ احمد عبداللطیف صاحب بھوپالی یہاں مل گئے ۔ آپ میرے خاص عنایت فرما ہیں ۔ پربھنی کے تحصیلدار مسٹر کے خسرو جی پارسی ۔ اور مہدی حیدر حسین صاحب کورٹ انسپکٹر کی مستعدی اور اعانت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ۔

۲ ۔ اگست ۱۹ء تک پربھنی میں رہنا ہوا ۔

اورنگ آباد ۔ ۳ ۔ اگست کو اورنگ آباد آیا ۔ مولوی مصطفےٰ علی صاحب وکیل کو تار دیدیا گیا تھا ۔ صاحب موصوف نے آدمی اور سواری اسٹیشن پر ارسال کر دی تھی ۔ ریل سے اتر کر سیدھا اُنکے یہاں گیا اور نہایت راحت و اطمینان سے مقیم ہوں ۔

۴ ۔ اگست ۔ مولوی فصیح الدین صاحب تعلقدار اول سے ملا ۔ آپ اُسوقت خلد آباد تشریف لے جا رہے تھے ۔ بکمال عنایت مجھ سے بھی ساتھ چلنے کو فرمایا ۔ ایلورہ کے غاروں کی سیر ۔ اور حضرت عالمگیر غازی کے مزار پر فاتحہ خوانی کی تمنا نے اُکسایا اور میں فوراً اُن کا ہمرکاب ہو گیا ۔ اس سفر کا لطف کیا کہوں ۔ شاہی ڈاک بنگلہ میں قیام رہا ۔ الوانِ نعمت سے لذت کش اور پہاڑی منظر سے حظ اندوز ہوتا ہوں ۔ چار دن کا قیام خلد آباد جنت ارضی کی بہاریں لوٹنے میں صرف ہوا ۔ برسات کی رت سہانا سماں ۔ عجیب مزا تھا ۔ جس وقت ابر کھل جاتا چلنے پھرنے کا موقعہ ملتا تو حضرت خواجہ منتخب الدین رح اور حضرت خواجہ زری زر بخش رح کے مزارات کی زیارت کر لیتا تھا ۔

اورنگ آباد واپس آیا تو تعلقدار صاحب نے انجمن عثمانیہ کی طرف سے

رقعہ دعوت جاری کیا۔جلسہ قرار پایا۔تاکہ میں اغراض و مقاصد کانفرنس سناؤں۔ لیکن اُس دن اتفاق سے مجمع کم ہوا۔پھر دوسری تاریخ کے لئے جلسہ کا اشتہار ہوا۔ جناب معظم علی صاحب سکرٹری انجمن عثمانیہ نے بہت محنت فرمائی۔ان کی جدوجہد سے کچھ مجمع اور معقول چندہ بھی ہوگیا۔فتحپور ضلع بارہ بنکی کے مسٹر اصغر سے ملاقات ہوئی۔آپ اورنگ آباد میں درجۂ سوم کی وکالت میں کامیاب اور درجہ اول کا امتحان دینے کی فکر میں ہیں۔خدا کامیاب کرے۔

اورنگ آباد میں بیس دن بڑے لطف کے ساتھ گذری۔مولوی مصطفےٰ علی صاحب کی عنایت و برادرانہ محبت۔حافظ ساجد علی صاحب وکیل اور مولوی محمد رفیع صاحب وکیل کی کام میں اعانت شکرگذاری کی حد سے بالاتر ہے۔

تعلقدار صاحب کے کرم و نوازش کا کیا کہنا۔ایسے خلیق۔ہمدرد مسافر نواز اور قومی فدا کار انسان اگر تھوڑے سے بھی ہوں تو قوم کا کوئی کام شاید ہی پڑا رہ سکے۔اورنگ آباد سے روانگی کے وقت اُن سے رخصت ہونے اور عرضِ نیاز کے لئے گیا تو ارشاد کیا کہ اس ضلع کی ایک تحصیل جالنہ ہے۔وہاں میری دعوت ہے۔اور حیدرآباد کے راستہ میں پڑیگی۔تم بھی چلو۔شاید وہاں بھی کچھ ہو جائے۔یہاں کیا تھا۔اصل مقصد یہی ٹھہرا۔سرِ تسلیم خم کیا۔اور شام کی ٹرین پر اُنکے ہمرکاب جالنہ پہنچا۔یہاں مولوی سید محمد نواب صاحب وکیل لکھنوی کے ہاں مولوی محمود علی صاحب امیٹھوی منصف جالنہ کی الوداعی دعوت تھی۔کھانے کے ساتھ روشنی۔ہاریان اور آخر میں بزم رقص و سرود تھی۔ خوش گلو طائفے اپنی نغمہ سرائی اور طاؤس رقصی سے فارغ ہو چکے تو اُسی جلسہ میں مجھے مجرائی ہونے کا اِذن مِلا۔اور خدا کا شکر ہے کہ نغمہ ہائے روح نواز

کے بعد میری قومی سوز و گداز کی تان بھی نہایت پرتاثیر ہوئی۔ اورنگ آباد سے زاید رقم یہاں کی فہرست چندہ میں درج کی گئی۔ یہاں بھی مولوی مصطفٰے علی صاحب تہ دل سے محنت فرماتے رہے۔ مقامی حضرات میں مولوی سید محمد نواب صاحب لکھنوی وکیل۔ مولوی محمد قاسم صاحب وکیل۔ اور محمد خاں صاحب سوداگر۔ نہایت شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان اصحاب نے قومی کام کی اعانت کے علاوہ مجھپر خاص طور سے لطف فرمایا۔ اور اپنی محبت کا بندہ بنالیا۔ یکم ستمبر کو جالنہ سے چلتے وقت اسٹیشن ریلوے تک مشایعت کے لئے آئے۔

۲۔ ستمبر۔ حیدرآباد واپس آیا۔ عموی شاہ مختار احمد صاحب وکیل وطن سے واپس آچکے تھے۔ انکی خبر مراجعت سنتے ہی ظفر علی خاں صاحب کے یہاں سے اسباب اٹھواکر اپنے چچا کے گھر چلا آیا۔ ۳۔ ستمبر کو مولوی عزیز مرزا صاحب سے ملا۔ آپنے مولوی محمد حیدر صاحب تعلقدار ورنگل کے نام خط دیکر وہاں بھیجا۔ ۵۔ ستمبر کو میں ورنگل پہنچگیا۔

ورنگل۔ مولوی محمد حیدر صاحب تعلقدار نے تو گرمجوشی نہیں دکھلائی۔ جسکی وجہ سے میں بیرنگ واپسی کا عازم تھا کہ مردغیب مولوی حفیظ الحق صاحب تحصیلی شہری وکیل نے اعانت کا اطمینان دلایا اور مولوی سید محمد عابد صاحب وکیل بھی مجاہد بنگئے۔ دونوں دردمندان قوم کی سعی جمیل سے معقول رقم چندہ مل گئی۔ اور میں کامیاب حیدرآباد کو پلٹا۔ ۲۸۔ ستمبر کو حیدرآباد آگیا۔ رمضان شریف کا زمانہ۔ کام بہت کم ہو رہا تھا۔ وکلاء کی جماعت سرگرم کوشش تھی۔ اور امید تھی کہ اچھی کامیابی ہوگی کہ ناگہاں ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو اعلیحضرت نظام کا یہ فرمان قہرتوامان صادر ہوگیا کہ مولوی عزیز مرزا صاحب

مع ظفر علی خاں صاحب و مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔ خارج البلد کر دیئے جائیں۔
۱۴۔ اکتوبر کو ان حضرات نے بلدہ حیدرآباد کو خیرباد کہکر ہندوستان کا سفر کیا۔ میرے لئے یہ مصیبت رہگئی کہ کام یابی کی امید مفقود۔ اور ذرایع مسدود۔ تاہم ہمت سے کام لیکر دوادوش کرتا رہا۔ اور بمشکل تمام مبلغ ۔۔۔ روپیہ چندہ فراہم کیا تھا۔ کہ ۳۰۔ اکتوبر کو علی گڈہ سے طلبی کا پیام تار آیا اور میں حیدرآباد سے روانہ ہوا۔ مولوی سید محمد نواب صاحب وکیل جالنہ کو بذریعہ تار برقی اپنی روانگی سے مطلع کر دیا تھا۔ صاحب موصوف کی محبت کا کیا شکریہ ادا کروں۔ اسٹیشن جالنہ پر مع کھانے کے موجود تھے۔ ملکر اور ناشتہ لیکر چلا۔ ۱۰۔ نومبر کو علیگڈہ آگیا۔
۱۳۔ نومبر کو علی گڈہ میں میر صاحب خیرپور سندہ کی آمد تھی۔ انکا جلوس دیکھنے کے لئے میں بھی رُک گیا۔ ۱۵۔ نومبر کو علی گڈہ سے روانگی ہوئی۔ اضلاع فیض آباد بارہ بنکی اور آناؤ وغیرہ کے کام پر مامور کیا گیا۔
۱۸۔ نومبر ۱۹۰۹ء فیض آباد کے وکیل مولوی محمد فائق صاحب (مرحوم) سے ملا۔ اس شہر میں چند ہی روز قبل انجمن الفرض علی گڈہ کالج کے ارکان رقم اعانت جمع کرکے لیجا چکے تھے۔ مجھے کیا خاک ملتا بمشکل للعہ روپئے ملے اسکے بعد ردولی ہوتا ہوا ۲۶۔ نومبر کو بارہ بنکی آیا۔ مسٹر ولایت علی صاحب وکیل (مرحوم) کے یہاں ٹھہرا۔ بارہ بنکی میں فیض آباد سے بھی کم کام چلا۔ ۲۷۔ نومبر قصبہ ستر کھہ۔ اور ۲۸۔ نومبر قصبہ گدیہ ضلع بارہ بنکی میں ہوکر جو کچھ ملا وصول کیا۔
آناؤ۔ ۵۔ دسمبر کو آناؤ آیا۔ منشی منظور احمد صاحب زبیری مارہروی کے ہاں ٹھہرا۔ آنکا شکرگذار ہوں کہ اچھی کوشش فرمائی۔
کانپور۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۰۹ء حافظ محمد حلیم صاحب سوداگر چرم کانپور کے ہاں مقیم ہوں۔ سوداگران چرم میں فراہمی چندہ کی سعی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب

منشی بازار والے بڑی جانفشانی فرماتے ہیں۔ اور کچھ کام چل رہا ہے۔

۲۳۔ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ الہ آباد سے ارکانِ صدر دفتر کانفرنس کا تار آیا کہ جلد سے جلد کانپور چھوڑ کر بغرض شرکتِ اجلاس کانفرنس رنگون آؤ۔ ۲۴۔ دسمبر ۱۱ بجے رات کو کلکتہ پہنچ گیا۔ ۲۵۔ دسمبر سات بجے صبح جہاز پر سوار ہوا۔ جناب (رایٹ آنریبل) صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب۔ مولوی بشیر الدین صاحب اڈیٹر البشیر اٹاوہ۔ مولوی نثار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار۔ منشی انوار احمد صاحب زبیری۔ مسٹر محمود احمد صاحب عباسی سپرنٹنڈنٹ دفتر کانفرنس۔ حضرت شاہ مصطفےٰ احمد صاحب احمدی ردولوی محاسب دفتر کانفرنس۔ کا ہم سفر ہوں۔ ۲۷۔ دسمبر رنگون پہنچا۔ اس سال کا نفرنس کا جلسہ مالی فوائد کے لحاظ سے تو کامیاب نہیں کہا جا سکتا۔ مگر ادبی منافع کے پہلو سے بہت اہم کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی رنگون اور برہما کے مسلمانوں میں تعلیمی ہلچل پیدا ہو گئی اور انشاءاللہ آیندہ بہتری کی اچھی امید ہے۔

۳۔ جنوری ۱۹۱۰ء رنگون سے واپسی کا دن تھا۔ راستہ میں ایک روز کلکتہ میں قیام رہا۔ ۹۔ جنوری کو علی گڈہ آگیا۔ اور ۳۰۔ جنوری ۱۹۱۰ء تک رپورٹ تیار کرنے کے لئے دفتر میں قیام رہا۔ یکم فروری ۱۹۱۰ء تک تعطیل ملی اور ردولی چلا آیا۔

گھر پر مرض طاعون کا زور۔ یاران ہمدم موجود نہیں۔ بڑی الجھن میں یہ زمانہ بسر کیا اور سفر خرچ و کاغذات دفتر سے دیر میں آئے اس لئے ۲۶۔ مارچ تک ردولی ہی میں پڑا رہا۔

۲۶۔ مارچ ۱۹۱۰ء پھر ردولی سے بعزم حیدرآباد روانہ ہوا۔ ۲۷۔ مارچ۔ بھلسہ (ریاست گوالیار) میں قیام ماموں صاحب قبلہ (مرحوم) کی زیارت۔

بھائیوں کے دیدار سے شاد کام۔ تین دن روکا گیا۔ میلاد خوانی خوب ہوئی۔
عزیزی عبدالرؤف سلمہٗ کی ایک موکلہ ساہوکارنی نے دعوت کی اور ہا پہنائی گئے۔

۳۰۔ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء حیدرآباد میں ہوں اور عاشورخانہ شاہی میں قیام ہے۔ چار بجے شام کو نواب ممتاز یار جنگ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا نواب صاحب ۵ بجے حرم سرا سے برآمد ہوئے۔ کام کے اجرا کی کوئی صورت نہیں نکلی۔ فکر ہے کہ تعارف کے خطوط مل جائیں تو کمشنری گلبرگہ کے اضلاع اور میڈک کا دورہ کروں۔

۳۱۔ مارچ مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹرایٹ لا سے ملا۔ آپ نہایت باصفا محبت پاش اور فدائے قوم ہیں۔ پوری کوشش کا وعدہ کیا۔

یکم اپریل کو پھر نواب ممتاز یار جنگ بہادر سے ملنے گیا آپنے ۱۴۔ اپریل کو ملک پیٹھ کلب میں ملنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ بروز وعدہ ٹھیک ۹ بجے صبح کو ملک پیٹھ پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی نواب صاحب تشریف نہیں لائے ہیں۔ میرے ایک دوست مسٹر محمد یحییٰ صاحب اسی جگہہ تھے۔ میں آپسے ملنے چلا گیا اور وہیں ٹھہرا رہا۔ ۱۱ بجے نواب صاحب کلب میں آئے۔ محمد یحییٰ صاحب کے ہاں سے مجھکو بلوایا۔ اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نواب ممتاز یار جنگ بہادر نہایت سادہ مزاج اور قوم کے گہرے ہمدرد ہیں۔ محض اپنے بل بوتے پر ایک مدرسہ آصفیہ قائم کر رکھا ہے۔ مگر چونکہ تعلیمی کاموں کا تجربہ نہیں اسوجہ سے مدرسہ کا انتظام نادرست ہے۔ بہرحال ممدوح نے مجھکو تین خط عطا کئے۔ مولوی یوسف الدین صاحب تعلقدار گلبرگہ۔ مہاراجہ اندرکرن صاحب تعلقدار گلبرگہ۔ اور مولوی زین العابدین صاحب تعلقدار رائچور کے نام۔ اسکے بعد اپنا قائم کردہ مدرسہ نسواں مجھے دکھایا۔ اور فرمایا کہ ایک محنتی آدمی درکار ہے اگر آپ یہ بار اٹھا سکیں تو میں شکرگذار ہونگا۔ میں نے عرض کیا کہ موجودہ زندگی سے نجات ملگئی تو انشاءاللہ

مدرسہ آصفیہ کا بار خدمت کبھی ضرور اُٹھاؤں گا۔

مولوی فضل حق صاحب نے بھی تین خط دئے۔ ایک اپنے بھتیجے مولوی عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ کے نام۔ دوسرا بنام مولوی غلام محمد صاحب تعلقدار عثمان آباد۔ اور تیسرا خط مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم عدالت دیوانی عثمان آباد کے نام مولوی عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ ملا عبدالقیوم صاحب مرحوم کے بھانجے۔ اور مولوی فضل حق صاحب کے بھتیجے ہیں۔ نہایت خلیق و بامروّت انسان ہیں سیمائے سعادت ونجابت رکھتے ہیں۔ ۶۔ اپریل کو گلبرگہ پہنچکر انہیں کا مہمان ہوا ہوں۔

۶۔ اپریل کی رات کو کلب میں راجہ اندر کرن صاحب تعلقدار سے ملنے گیا۔ آپ نے ہم ۱/ بخور دا و یعنی ۱۷۔ اپریل کو بلایا اور ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ فرمایا۔ نہایت خوبیوں کے آدمی ہیں۔

۷۔ اپریل کو میں عثمان آباد روانہ ہوا۔ بمبئی مدراس ریلوے پر بارسی جنکشن سے لائٹ ریلوے انڈسی کو جاتی ہے۔ اور انڈسی سے عثمان آباد ۱۰ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ مہتمم صاحب تعلیمات گلبرگہ اور آنکے سررشتہ دار محمد اعظم صاحب کا ساتھ ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے راستہ بہت لطف کے ساتھ طے ہوا۔ محمد اعظم صاحب نہایت خلیق اور بامروّت ہیں۔

۸۔ اپریل ۲ بجے دن کو عثمان آباد پہنچا۔ ارادہ تھا مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم عدالت کے یہاں ٹھہروں۔ مگر آپکے یہاں جگہ کی قلت تھی۔ اسلئے مولوی محمد احمد صاحب بانسوی وکیل کے ہاں چلا گیا۔ اپنے جوار کے رہنے والے بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی کے پیرزادہ۔ اخلاق و مروّت۔ صفا و محبّت کے پتلے۔ نہایت سادہ منش اور دوست پرست انسان ہیں۔ دل میں ورد ہے اور

حق یہ ہے کہ آزاد مرد ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم کی توجہ سے ہندو وکلاء نے بڑی اعانت فرمائی۔ اور مولوی محمد احمد صاحب۔ مولوی نثار احمد صاحب۔ مولوی عبدالغنی صاحب واقف۔ اور مولوی عبدالقادر صاحب سررشتہ دار نے بیحد سعی کی۔

۱۰- اپریل کی شام کو گلبرگہ کے صوبہ دار مولوی یوسف الدین صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ تعارف کے بعد پہلا سوال میرے وطن کا استفسار تھا۔ عرض کیا ردولی کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا "کیا ردولی شریف" میں نے کہا "ہاں" فرمایا کہ شریف کو کیوں چھوڑ دیا؟ میں نے گذارش کیا کہ "شرافت قائم رکھنے کے لئے" دیر تک پُرلطف باتیں ہوتی رہیں۔ کانفرنس و کالج پر عامیانہ نکتہ چینی ہوا کی۔ اور کوئی امداد نہ ملی۔ مگر سید مبارک علی صاحب ایٹھوی اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس دورہ پر عثمان آباد آئے ہوئے تھے اُنکا خلوص کام آگیا۔ اور کچھ چندہ ملگیا۔ ورنہ صوبہ دار صاحب نے دو سرکاری چندوں کی فہرست کھول رکھی تھی اُسکے مقابلہ میں مجھے کامیابی نہ ہوتی۔ ہاں یہ بات نہ ہوتی تو عثمان آباد سے اچھی اعانت مل سکتی تھی۔

۱۶- اپریل ۱۹۱۰ء گلبرگہ میں واپس آگیا ہوں۔ یہاں جشن سالگرہ سرکار عالی کی مصروفیت ہے۔ کام کیونکر ہو سکے۔ ۱۹- اپریل کو برہمنی پورہ کے مدرسہ میں جشن کا جلسہ تھا۔ میں بھی شریک ہوا۔ ابتدائی درجوں تک کا مدرسہ برہمنوں نے قایم کیا ہے۔ ایک برہمن گریجویٹ نے صرف للعہ ماہوار پر مدرسہ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی ہے۔ کینڈر گارٹن طریقہ کی تعلیم اس قدر باقاعدہ ہوتی ہے کہ دیکھکر دل خوش ہوگیا۔ مادری زبان کی تدریس اسی طرز پر پوری کردی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ برہمنی پورہ کے پاس ہی

موتی پورہ آباد ہے۔ جہاں بعض مسلمانوں کی حالت نہایت اچھی ہے۔ مگر اُنکے بچے شب و روز آوارہ اور تباہ پھرتے ہیں۔ مولوی محی الدین احمد صاحب منشی علم الدین صاحب وکیل۔ یہاں خاص طور سے مجھپر مہربان رہے۔ مولوی رضا حسین صاحب بالنسوی رنگین مزاج یار باش آدمی ہیں۔ ایک روز نہایت نفاست سے دعوت کی۔ مولوی اعجاز حسین صاحب وکیل اور مولوی عبداللہ صاحب تحصیلدار بھی بیحد کرم کے ساتھ پیش آئے۔

رائچور۔ مولوی واجد علی خاں صاحب وکیل نے مہمان نوازی فرمائی۔ آپ کلنتور کے رہنے والے اور میاں علی احمد صاحب ردولوی کے عزیز ہیں۔ خوبیوں کے آدمی ہیں۔

یادگیر۔ مولوی منہاج الدین صاحب کے یہاں گیا۔ آپ یادگیر کے تعلقدار ہیں۔ نہیں ملے۔ فرمایا کہ شام کو آنا۔ مجھے وحشت ہوئی۔ شام کو حیدرآباد واپس آگیا۔ ۴۔ مئی کو حیدرآباد پہنچا۔ مولوی غیاث الدین صاحب جاگیردار میرے کرم گستر دوست کی شادی تھی۔ چار دن لطف و مسرت سے بہرہ اندوزی میں گذر گئے۔

۸۔ مئی کو قیصر ہند شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے رہگرائے عالم بقا ہونے کی خبر ملی۔ اور مملکت آصفیہ میں ایک ہفتہ کے لئے عام تعطیل ہوگئی۔ میری ٹانگ میں ایک دنبل نکل آیا۔ اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ زمانہ علالت میں مولوی احمد حسین صاحب وکیل ہائی کورٹ۔ میاں جمال الدین صاحب۔ میر رحمت علی صاحب۔ مولوی غیاث الدین صاحب۔ مولوی جلال الدین صاحب نے تیمارداری کی جزاہم اللہ خیر الجزا۔

۱۹۔ مئی کو مولوی محی الدین احمد خاں صاحب میر منشی تعلقداری اول گلبرگہ نے ایک ہنڈی لاکر دی کہ گلبرگہ کے ایک تعلقہ سے آئی ہے۔ میں نے ان کا شکریہ

ادا کیا۔ آپ قومی کاموں میں بے مثل خلوص رکھتے ہیں۔

نلگنڈہ۔ سید محمد حسین صاحب بلگرامی اسسٹنٹ آڈیٹر ریلوے کا خط بنام مولوی سید محمد صاحب بلگرامی تعارف کے لئے مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے کی وساطت سے ملگیا ہے۔ میں بھون گیر کے راستہ سے نلگنڈہ چلا ہوں۔ ایک اور خط تعارف کا مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹر نے اپنے عزیز مولوی قاضی حمیدالحق صاحب ناظم عدالت دیوانی کے نام عطا کیا ہے۔

۲۴۔ مئی۔ شام کو بھون گیر پہنچا۔ بنڈی اسی وقت مل گئی۔ مگر روانگی کا وقت ۹ بجے شب کو تھا۔ اس لئے بھونگیر کی آبادی دیکھ لینے کا موقع ملگیا۔ بھون گیر مختصر سا گاؤں اور ایک چھوٹی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ کوئی خاص رونق اور عمدہ عمارت نہیں۔ صرف حضرت جمال بیابانؒ ایک بزرگ کا مزار یہاں ہے۔ آج عرس کا دن تھا۔ فاتحہ میں شرکت ہوگئی۔ بعد مغرب بنڈی کے اڈہ پر آگیا۔ ۹ بجے بنڈی (شکرم) روانہ ہوئی۔ دو شبانہ روز کا راستہ بڑی سختی سے کٹا۔

۲۶۔ مئی۔ شام کو نلگنڈہ پہنچا۔ مولوی قاضی حمیدالحق صاحب کا مہمان ہوں۔ نہایت مہمان نواز، پاکیزہ منش، ذوالاصفات انسان ہیں۔

۲۔ جون کی شب کو کلب میں بصدارت تعلقدار اول مولوی سید محمد صاحب بلگرامی جلسہ ہوا۔ میں نے اپنا مقصد اور کانفرنس کے اغراض اور مقاصد بیان کئے۔ معقول چندہ ملا۔ مولوی وجیہ الدین صاحب وکیل۔ مولوی قاضی محمد یحییٰ صاحب وکیل۔ مولوی سید محمد صاحب تعلقدار اول۔ مولوی قاضی حمیدالحق صاحب ناظم۔ مولوی زاہد میاں صاحب وکیل۔ مولوی سید سجاد علی صاحب تعلقدار دویم نے بیحد مکرمت اور عنایت فرمائی۔ اور بکمال مستعدی قومی کام انجام دیا۔

یہاں کا ایک واقعہ یہ ہے کہ دو یم تعلقدار صاحب نے حضرت شاہ لطیف قدس سرہٗ کے مصارف عرس سے پس ماندہ رقم کا ایک حصہ کانفرنس فنڈ میں دینا چاہا تو ایک صاحب مانع ہوئے اور اس رقم کو کانفرنس میں دینے سے اختلاف فرمایا بلکہ طوائفوں پر نثار کرنا چاہا مگر دو یم تعلقدار صاحب نے اپنا قول پورا کیا اور رقم چندہ میں عطا کر دی۔ یہاں کی گرمی نے مجھکو آبلوں سے گوندھ دیا۔ بڑی تکلیف اٹھائی۔

۱۳۔ جون۔ بھونگیر کو واپسی۔ یہاں تعلقدار صاحب موجود نہیں ہیں لہذا کام ملتوی اور حیدرآباد کو روانگی۔

۲۰۔ جون۔ تعارف کے خطوط لیکر سنگھاریڈی جانے کا عازم ہوں۔ پانچ دن گذر گئے۔ ۲۵۔ کو مولوی نور اللہ صاحب حسینی کی طرف سے اسلامیہ بورڈنگ ملک پیٹھ میں مدرسہ کی حالت دیکھنے کے لئے طلب کیا گیا۔ یہ مدرسہ تین سال سے قائم ہے۔ مڈل تک تعلیم کی جماعتیں ہیں اور بورڈنگ کا انتظام نہایت اچھا ہے۔ تربیت کی خاص فکر رہتی ہے۔ لیکن افسوس کہ مقامی آب وہوا اسکو نشوونما نہیں بخشتی۔ مولوی نور اللہ حسینی صاحب نے محض اپنی عالی ہمتی سے یہ مدرسہ کھول دیا ہے۔ ایک انگریز ہیڈ ماسٹر ہے۔ مگر چونکہ اب مولوی صاحب ممدوح شہر سے تبدیل ہو گئے ہیں اس لئے انکے بعد کوئی کام کرنیوالا نہیں ملتا۔ پچاس کے قریب طلبہ تھے۔ وہ گھٹ کر ۱۲ رہگئے ہیں اور عنقریب سب جانے والے ہیں۔ مدرسہ تین ہزار روپئے کا مقروض ہے۔ مولوی صاحب ممدوح نے بہت سعی فرمائی کہ حکام و عمال ضلع مدرسہ کی اعانت پر توجہ کریں لیکن کسی نے انکی بات نہیں سنی پریشان ہو کر مجھہ سے رائے پوچھی کہ آیا مدرسہ توڑ دیں؟ میں نے ایکبار اور ہمت سے کام لینے کی صلاح دی اور انکے حسب خواہش علیگڈھ سے

ایک ہیڈ ماسٹر طلب کیا ہے۔ خدا کرے کوئی ملجائے اور یہ کام برباد نہو۔ مولوی صاحب ممدوح۔ یکم جولائی کو محبوب نگر جانے والے ہیں۔ موٹر کی سواری ہوگی۔ میں بھی انکی معیت کے لئے رکا ہوں۔ ساتھ جاؤں گا۔ بعد میں تاریخ روانگی اور آگے بڑھ گئی۔ اسلئے ۲۔ جولائی کو میں بیگم پلی کے راستہ سے پٹن چیرو چلا گیا۔ یہاں کے تعلقدار نواب فرامرز جنگ بہادر کے نام نواب وقار الملک (مرحوم) کا خط تعارف آگیا تھا۔ ۱۰۔ جولائی کو پٹن چیرو پہنچا۔ نواب فرامرز جنگ بہادر باخلاق تمام پیش آئے اور نواب مولوی امیر حسن صاحب اول تعلقدار محبوب نگر کے نام تعارف نامہ دیکر پہلے وہاں جانے کا ایما فرمایا۔ راجہ صاحب وپرتی کے نام بھی ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیا جس میں ایک وظیفہ دو سال کے لئے عطا کرنے کی تحریک زوردار لفظوں میں کی تھی۔ غرضکہ ۱۱۔ جولائی کو میں پھر حیدرآباد پلٹا اور مولوی نوراللہ حسینی صاحب کے ہمراہی کا منتظر رہا۔

پٹن چیرو میں مولوی سید ضیاءالحسن صاحب مددگار صوبہ داری بہت اچھے لوگ ہیں۔ انکے اخلاق کریمانہ اور مہمان نوازی سے لطف اندوز رہا۔

۱۵۔ جولائی کو مولوی سید نوراللہ صاحب حسینی کے ساتھ موٹر پر ناگر کرنول کی طرف روانہ ہوا۔ چار بجے شام کو موٹر ملک پیٹھ سے باہر نکلی تھی۔ راستہ میں صرف ایک جگہہ آدھے گھنٹہ کے لئے روکی گئی۔ اسکے بعد پوری سرعت سے رواں رہی۔ رات اور وہ بھی چاندنی رات جنگل اور کوسوں کا جنگل۔ صاف میدان۔ ابر جھوم جھوم کر اٹھتے اور امنڈتے۔ مگر چاند کی زیارت کرکے ہمارے لئے روشن راستہ چھوڑ جاتے تھے۔ اس سفر کا لطف یادگار رہے گا۔ ناگر کرنول تک چالیس کوس کا فاصلہ آٹھ گھنٹہ میں طے ہوا۔ گیارہ بجے شب کو وہاں پہنچ گئے۔ یوں تو نو بجے تک پہنچ جانا ہوتا لیکن راستہ میں کالی ندی پڑتی ہے۔ جو ناگر کرنول سے

دو کوس پہنچے۔ وہاں موٹر دلدل میں پھنس گئی اور اُسکے نکلوانے کے واسطے جوارکے دیہات سے آدمی بلوائے گئے۔ اس مخمصہ میں دو گھنٹے کی دیر ہو گئی۔

ناگر کرنول - میں ایک ہفتہ قیام رہا۔ جمعہ کے دن مسجد جامع میں میرا بیان ہوا۔ مسلمانوں کا عام مجمع بہت بڑا تھا۔ مولوی سید نوراللہ حسینی صاحب کے اخلاق حسنہ کی تعریف نہیں کیجا سکتی۔ گورنمنٹ نظام کے متدین ملازمین میں ہیں۔ راعی اور رعایا کا لحاظ رکھتے ہیں۔ علمی دلچسپی کا ثبوت یہ ہے کہ بلدۂ حیدرآباد میں خاص اپنی کوشش اور خرچ سے ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے۔ نونہالان قوم و ملک کی سرسبزی و بارآوری کے دلدادہ ہیں۔ کانفرنس کے لئے یہاں بھی کچھ چندہ ہو گیا۔ اور فراہمی چندہ میں تحصیل کے پیشکار صاحب نے سعی مشکور فرمائی۔

گوپال پیٹھ - ۲۲- جولائی کو مولوی سید نوراللہ صاحب حسینی نے اپنی موٹر عطا فرمائی اور راجہ صاحب گوپال پیٹھ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اگرچہ تعلقدار صاحب کا خط راجہ صاحب کے نام لے گیا تھا۔ لیکن وہ بے اثر رہا۔ ہاں مولوی فریدالدین صاحب مددگار مالی ریاست گوپال پیٹھ نے اپنی سعی جمیل سے مجھکو معتمد صاحب ریاست سے ملا دیا۔ مولوی فریدالدین صاحب ریاست حیدرآباد میں بلحاظ پابندی شرع و اسلامیت صحیحہ فرد فرید ہیں۔ بیحد نیک نفس۔ قدیم بزرگوں کے نقش قدم پہ چلنے والے۔ خلیق۔ متواضع۔ ملنسار۔ سیچی سادی زندگی کے پابند۔ قول و فعل میل ملاپ۔ ظاہر و باطن میں یکساں اتنی خوبیاں اس ذات گرامی میں جمع ہیں کہ کم کسی میں ملینگی۔ معتمد صاحب ریاست گوپال پیٹھ سے ملوانے اور میرے مشن میں معین ہونے کے متعلق رام چندر راؤ صاحب تحصیلدار کی عنایت بھی شکر گذاری کے قابل ہے۔

میرا قیام وطعام جناب مولوی فریدالدین صاحب کے ساتھ ہے۔
اور انکی بابرکت صحبت سے عجب روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے۔

۲۵۔جولائی کو جناب راجہ صاحب گوپال پیٹھ نے سردارانہ کرم سے
مجھکو دعوت دی اور شام کو ملاقات بھی فرمائی۔ سرخوش کیف صہبا تھے۔
باتیں تو کچھ نہیں ہوئیں۔ صرف نواب وقارالملک بہادر (مرحوم) کی خیریت
دریافت کی کیونکہ آنکے اس ریاست پر خاص احسانات ہیں۔ اور اسی وجہ سے
یہ تمام ریاست نواب صاحب کو ابتک تہ دل سے یاد کیا کرتی ہے۔ جناب راجہ
صاحب کو علی گڈھ کالج سے کوئی دلچسپی نتھی۔ یا شفارشی خط کا اثر کوئی اثر تھا اسکو
میں نہیں محسوس کرسکا۔ مگر نواب صاحب کے نام کا سحر کام کر رہا تھا۔ اور آخرکار
مالعہ روپیہ حالی اس ریاست سے ملگئے۔ معتمد ریاست منشی پارسینیا
ریڈی صاحب بیحد خلیق اور ممدوح الصفات انسان ہیں۔ عطیہ مذکورہ
انھیں کی کوشش سے حاصل ہوا اور اپنے مولوی فریدالدین صاحب نے اثر ڈالا۔

ناگرکرنول کے امین مظہر علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ شاعری سے
ذوق اور شاعرانہ مزاج پایا ہے۔ یکم اگست کو گوپال پیٹھ سے واپس چلا۔ مولوی
فریدالدین صاحب مع صاحبزادگان گانوں کے باہرتک رخصت کرنے کے
لئے آئے۔ آنکی بزرگانہ محبت اور عالمانہ ربّانی کی سی زندگی سے مجھپر
جو اثر تھا اُس نے بوقت الوداع مجھکو اشکبار کیا اور مولانا بھی آبدیدہ ہو گئے۔

ریاست گوپال پیٹھ کا ایک سپاہی میری معیت میں تھا۔ صاحب حسین
نام۔ اسکے ساتھ روانہ ہوا۔ ۱۲ بجے گوپال پیٹھ سے روانہ ہو کر ۳ بجے ونپرتی
پہنچا۔ یہ بھی ایک ریاست ہے۔ اسکے معتمد و مددگار لکشمی ناتھ ریڈی صاحب
سے ملاقات ہوئی۔ نہایت خلق سے ملے اور باغ خاص میں آرام و راحت کی

جگہ دی۔ رات کو بخار اور صبح سے پیچش میں مبتلا ہو گیا۔ ریاست کے ڈاکٹر صاحب علاج کے لئے آئے۔ دوا سے شب کو فائدہ رہا۔ مگر صبح سے پیچش ترقی کر رہی تھی۔ راجہ صاحب بہادر و نپرتی سے باغ میں صاحب سلامت ہو گئی۔ طبیعت خراب تھی اس لئے میں دیر تک کھڑا نہ رہ سکا۔ دوسرے وقت حاضر خدمت ہونے کا عذر کر کے ٹل آیا۔

میری قیام گاہ بستان منزل کا بالائی حصہ ہے۔ یہاں سے تمام باغ کا اور اسکے بیرونجات کا سماں پیش نظر ہے۔ سبزی کی دلکشی کیا بیان کروں۔ خرابی صحت کے لئے یہی دلکشا منظر بہترین علاج ہو رہا ہے۔ ایک کشادہ ہموار میدان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے حلقہ میں محصور ہے۔ یہی ٹیکریاں حدود باغ ہیں۔ ہر چہار طرف روش پٹریاں بنی ہیں۔ چمنوں میں خوشنما اور خوشبو پھولوں کے پودے۔ ثمر دار درختوں اور آم کے پودوں کے تختے۔ ترشا وہ کی کیاریاں۔ سبزہ کے میدان۔ بہت ہی دل فریب اور جاذب نگاہ چمن زار ہے۔ اور کبوتروں کی پالی اپنے لطف الگ دکھا رہی ہے۔

۴۔ اگست۔ چار بجے شام کو راجہ صاحب بہادر نے سواری ارسال فرمائی اور محل خاص میں طلب فرما کر شرف ملاقات بخشا۔ دیر تک مختلف مباحث پر گفتگو فرماتے رہے۔ رئیسانہ کرم سے مسرور کیا۔ آخر کو عطر و پان عطا فرما کر رخصت کیا اور علی گڈھ کالج کے لئے دس روپیہ ماہوار کا ایک وظیفہ میعادی دو سال یعنی ۲۴۰ روپئے کلدار تقدیم رحمت فرمائے۔ میں نے مناسب مقام شکریہ ادا کیا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔

دوسرے دن ۔۵۔ اگست کو شکرم کی سواری پر ونپرتی سے روانہ ہوا۔ راستہ میں شام کو بمقام شنکر کوٹ پولیس کے تھانہ میں قیام کیا۔ اور

۴۔ اگست کی صبح وہاں سے روانگی ہوئی۔ دو بجے دن کو جانم بیٹھ آیا۔ یہاں بھی پولیس اسٹیشن ہی میں ٹھہرنے کی جگہہ ملی۔ وہیں کھانا پکوا کر کھایا۔ آدمیوں نے بھی کھایا پیا اور گاڑی کو بھی سکون ملا پھر یہاں سے روانہ ہو کر ۴ بجے شام کو محبوب نگر پہنچگیا۔ مولوی فخر الدین صاحب عوہائی سررشتہ دار عدالت دیوانی کے یہاں فروکش ہوا۔ شب کو بخار اور پیچش نے آسودہ ہو کر سونے نہ دیا۔ صبح ۷۔ اگست کو ملک نعمت اللہ صاحب ناظم دیوانی سے ملنے گیا۔ آپنے مجھے اپنے ہاں جگہ دی اور سررشتہ دار صاحب کے یہاں سے میرا اسباب منگوالیا۔ مرض بڑھتا جاتا تھا حکیم انصار حسین صاحب خیر آبادی کا علاج کرتا ہوں۔ محبوب نگر میں گھر کے خطوط اور دیگر ڈاک ملی۔ گھر کے خط سے بہاوج مرحومہ کی خبر وفات معلوم کر کے بیحد قلق ہوا۔ کسی عزیز و قریب کی خبر وفات اور وہ بھی سفر میں ملے۔ اسکے الم فزا اور ہوش ربا ہونے کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو خدانخواستہ اس صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ صحت میں جو کچھ ترقی ہوئی تھی وہ سب جاتی رہی اور طبیعت پھر گر گئی۔ ایسی نیک اور بے زبان بی بی۔ سراپا نیکی۔ فرشتہ خصلت۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ ۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء بوقت پونے چار بجے شام رحلت کی۔ افسوس!

مولوی سید امیر حسین صاحب قبلہ تعلقدار اول محبوب نگر بہت بزرگانہ الطاف فرماتے رہے۔ مقامی حالت انکو کانفرنس کے کام میں معین ہونے سے مانع ہوئی۔ ناظم صاحب کی تحریک وکلاء کے حلقہ میں کچھ اثر کر گئی اس سے معمولی اعانت ملگئی۔

مولوی ملک نعمت اللہ صاحب ناظم عدالت دردمند صادق القول اور نیک نیت بزرگ ہیں۔ انکی خدمت میں نیاز حاصل کر کے دلکو خاص

مسرت ہوئی۔ ۱۴۔ اگست تک میں محبوب نگر میں ٹھہرا۔ اور ۱۵۔ اگست کو سید رضا حسین صاحب وکیل کے ساتھ ٹانگہ پر جڑ تلہ تک آیا۔ وہاں سے رائے کرشنا ریڈی وسمکمہ صاحب کی گاڑی مل گئی۔ اور شام کو فرخ نگر پہنچ گیا۔ ڈاک بنگلہ میں مقیم ہوں۔ ڈاک بنگلہ اچھی جگہ واقع ہے۔ ۱۶۔ اگست صبح کو ایک پورا جھٹکا کرایہ کر کے حیدرآباد چلا۔ ۲ بجے شام کو بلدہ میں آگیا۔ ۱۹۔ اگست حیدرآباد سے براہ لنگم پلی۔ پٹن چرو پہنچا اور مولوی سید ضیاء الحق صاحب مددگار صوبہ دار کا مہمان ہوا۔ شام کو نواب فرامرز یار جنگ بہادر سے ملاقات ہوئی۔ محی الدین احمد خان صاحب میر منشی گلبرگہ بھی یہاں موجود تھے۔ نواب صاحب نے تعلقدار صاحب سنگا ریڈی کے نام خط سفارش دیا۔ ۲۰۔ اگست بسواری جھٹکا سنگاریڈی پہنچا۔ جھٹکا تیز رفتار تھا۔ ورنہ راستہ کی خرابی نہایت اذیت دیتی۔ پھر بھی تمام بدن تکان سے چور ہو گیا تھا۔ غازیپور کے بیرسٹر مسٹر محمد یحییٰ صاحب یہاں وکیل سرکار ہیں اور میرے دیرینہ کرم فرما۔ سیدھا انکے مکان پر چلا گیا۔ بیرسٹر صاحب عدالت میں تھے۔ نوکروں نے تمیز کے ساتھ مجھکو ٹھہرایا۔

سنگاریڈی تعلقہ ہے۔ مگر آبادی ایک مختصر قریہ سے زیادہ نہیں۔ نہ کوئی عمارت نہ خاص اور قابل ذکر جگہ۔ شام کو اول تعلقدار نواب سہراب نواز جنگ بہادر سے ملا۔ پارسی قوم کی روشن دلی اور خلق پاشی محتاج بیان نہیں۔ ایسے لطف سے ملے کہ روح تازہ ہو گئی۔ میں نے پارسی اصحاب میں ہمیشہ خوبیاں ہی دیکھی ہیں۔ بہت عالی منش النسل ہوتے ہیں۔ مجھکو اپنے ہمراہ کلب میں لے گئے۔ بہت سی باتیں کیں علی گڈھ کالج و کانفرنس کی امداد پر اچھے الفاظ میں آمادگی ظاہر فرمائی اور اسکو اپنا فرض بتایا۔ نواب وقار الملک بہادر (مرحوم) کو ادب کے ساتھ یاد کیا۔ اور انکی عنایت کا شکریہ ادا کرتے

رہے۔ دوسرے دن ایک خاص جلسہ کیا۔ اس میں میرا مختصر بیان ہوا۔ اسکے بعد تعلقدار صاحب بہادر اور مسٹر محمد یحییٰ صاحب نے بھی دُر فشانی کی۔ یہاں سے معقول امداد ملی تحصیلدار صاحب سنگاریڈی کی محنت خاص شکریہ کے لائق تھی۔

یہاں کی پبلک زندگی صرف شام کے وقت کلب کی صحبت آرائی۔ تاش بازی۔ گپ شپ پر منحصر ہے۔ مسٹر محمد یحییٰ صاحب بیرسٹر اور مولوی حافظ ثابت علی صاحب وکیل۔ دو انسان نواز۔ مسافر دوست ہستیاں۔ اس مقام میں غنیمت ہیں۔ اور نواب سہراب نواز جنگ بہادر کا خلق وکرم ناقابل فراموشی۔

یکم ستمبر ۱۹۱۰ء سے خاص بلدہ میں کام آغاز کیا گیا۔ صرف ایک مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ علیگ رہنمائی اور امداد کرنے والے تھے۔ آپ کی پاکیزہ دلی۔ نیکی۔ خلق وکرم۔ اور ہمدردی قوم کا وصف بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن مرکز ایسا ہے کہ بڑے بڑے عمائد تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مجھکو یہ فکر کہ اہل جاہ واصحاب پائگاہ سے اعانت حاصل کروں جستجو تھی اور کسی خضر راہ کے ملنے کی آرزو۔ مولوی صاحب نے پہلے مولوی عبدالغنی صاحب وارثی اسسٹنٹ صدر محاسب صاحب سے اور پھر مولوی قطب الدین صاحب بی۔ اے علیگ مددگار معتمد مال سے روشناس کرادیا۔ اور ان دونوں صاحبوں نے اپنے زیر اثر حلقہ میں کوشش فرمائی۔ محاسبی سے نو۔ اور مالگزاری کے شعبہ سے پچاس کے قریب اصحاب کانفرنس کے ممبر ہوگئے۔

۸۔ ستمبر۔ رات کو مسٹر تراب علی صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ اس دعوت میں میزبان ممدوح نے مجھکو کئی با اثر لوگوں سے روشناس کردیا۔ اور کام کا راستہ کھل گیا۔ ارباب جاگیر حیدرآباد کی عام توجہ شان ریاست دکھانے

اور لطف امارت اور عیش اڑانے کے سوا کسی مفید قوم یا ملک۔ بلکہ مفید ذات کام پر اتنی کم ہے کہ گویا بالکل نہیں۔ جب تک کسی ذریعہ سے ان کے آستان تک رسائی نہ ہو۔ قومی مسائل اور تعلیمی نوحہ گر کی صدا سمع مبارک تک کیسے پہونچ سکے۔ میں سوچ رہا تھا کہ نواب سر سالار جنگ اعظم مرحوم اور نواب سر آسمان جاہ بہادر مغفور کے جانشینوں تک پہنچوں اور کانفرنس کی رپورٹ نذر کروں۔ اسی فکر میں دوا دوش کرتا تھا۔ دن بھر لوگوں سے ملتا۔ رات کو افضل گنج میں حکیم محمد احمد صاحب کے یہاں اپنے فرودگاہ پر آکے پڑ رہتا۔ رمضان کا مہینہ ہے سات آٹھ دن سحری کے وقت حکیم صاحب کا ساتھ ہونے سے خاص لطف ملجاتا تھا۔ اس کے بعد نزلہ کے ہاتھوں میں گرفتار اور میں بے یار غمگسار۔ یکم اکتوبر تک یہی لیل و نہار رہے۔

۲۔ اکتوبر۔ آج بلدہ میں ایک رسم مشاہدہ کی۔ قدیم زمانہ سے قاعدہ چلا آتا تھا کہ ناظم امور مذہبی ماہ مبارک رمضان میں دن کو شہر کی حالت معائنہ کرنے کے لئے گشت فرماتے تھے۔ جس گھر سے چھوٹے کا دھواں نکلتا ہوتا اسکو لٹوالیا کرتے۔ خلاف شرع امور دیکھکر مرتکبین پر حد شرعی جاری فرماتے تھے بے روزہ دار مسلمان ملتا تو اسکو تادیب کرتے تھے۔ اب صرف ایک دن یعنی ۲۷۔ رمضان کو یہ دیرینہ رسم یوں ادا ہوتی ہے کہ ناظم صاحب محض گشت فرماتے ہیں اور کہیں کچھ روک ٹوک بھی کر لیتے ہیں؟ ریاست کے قانون میں اس روک ٹوک کی کوئی اجازت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ مبارک میں ہتک حرمت صوم یہاں بھی اسی طرح عام ہے جیسے غیر مسلم حکومتوں کے قلمرو میں۔ اور ایک مسلمان جسکو اسلام کا پاس و لحاظ ہو ضرور اسبات سے ناگوار اثر لیگا۔

۸- اکتوبر ۱۹۱۰ء- مولوی عبدالحق صاحب اور سید ہاشمی فرید آبادی کے ہمراہ گول کنڈہ آیا- مولوی مظفرالدین صاحب کپتان کا مہمان ہوں- ڈاکٹر شرف الحق صاحب سے نیاز حاصل ہوا- ایڈنبرا یونیورسٹی کے سند یافتہ اور مولوی نصیر احمد صاحب کے نواسہ ہیں- بڑے خلیق و ملنسار ہیں- ہونہار ذات ہے- مولوی عظمت اللہ صاحب لفٹننٹ سے بھی ملاقات ہوئی آپ علی گڈہ کے اولڈ بوائے اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی ہیں- انہوں نے کام میں مدد دی- خود بھی ممبر ہو گئے- کپتان شفیع صاحب سے ملنا ہوا- رات کو ڈاکٹر شرف الحق صاحب نے روک لیا-

۹- اکتوبر- بلدہ کو واپسی ہوئی اور اسی دن حسن اتفاق سے مولوی احمد حسین صاحب رزاقی کپتان پائگاہ نواب بشیرالدولہ بہادر سے مولوی عبدالرب صاحب کے یہاں ملاقات ہو گئی- آپ نے وقت و موقع پر مجھے نواب صاحب ممدوح کے حضور میں پیش فرما دینے کا وعدہ کیا- اور مزید خوش بختی یہ ہوئی کہ ۱۱- اکتوبر ہی کو انہیں ایسا موقع مل گیا- ۳ بجے رات کو ایک سوار بھیجکر اطلاع دی کہ والاشان نواب معین الدین خاں صاحب بہادر شکار پر جانے والے ہیں- آپ آسمان گڈہ آجایئے- تاامکان تقریب کی صورت نکالوں گا- یہاں تو دل سے لگی تھی جھٹ پٹ تیار ہو گیا- بمشکل تمام ایک جھٹکا مل گیا اور وہاں پہنچا- مولوی احمد حسین صاحب نے مجھے اپنی ذات سے بیگانہ وش رہنے کی ہدایت فرمائی- اور کپتان رضا علی صاحب سے ملوا کر نواب صاحب بہادر کے حضور میں پیش کرنے کی سفارش کر دی- کپتان رضا علی صاحب نے بڑی عنایت سے یہ کام کر دیا- اور جیسے ہی نواب صاحب محل سے برآمد ہوئے مجھکو آنکی خدمت میں پیش کر دیا- نواب صاحب کریمانہ اخلاق سے پیش آئے- فرمایا کہ بروز شنبہ پانچ بجے شام کو بشیر باغ میں آکر ملنا- چنانچہ

بروز موعود کمال کشادہ دلی سے باریابی بخشی اور قومی کام میں اعانت کی امید دلائی۔ نوازش کے ساتھ رخصت کیا۔

مولوی عبدالغفور صاحب سررشتہ دار اسٹیٹ نواب سالارجنگ بہادر اور حافظ محمد اسحاق صاحب عباسی وکیل نے ناظم صاحب اسٹیٹ نواب سالارجنگ بہادر تک پہونچایا اور اس دربار تک رسائی کا زینہ ملگیا۔ ۱۵۔ اکتوبر کی شام کو ۵ بجے موٹر پر مولوی مسعود علی صاحب و ڈاکٹر حامد علی صاحب کے ساتھ

## عالی جناب نواب سالارجنگ بہادر

کے حضور میں باریاب ہوا۔ رپورٹ کانفرنس نذر گذرانی۔ ایڈریس پڑھا۔ نہایت کریمانہ تپاک اور عنایت سے ملے۔ اپنا کرم فرمایا کہ بندۂ نوازش بنا لیا۔ اور اسکے بعد سے ہمیشہ خاص گوشۂ خاطر میں جگہ دی۔

مجھکو اکثر رؤسا اور صاحب مرتبت اصحاب سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں بصدق تمام کہتا ہوں کہ ایسا ذی علم۔ علم دوست۔ وسیع المعلومات رئیس مجھکو کوئی نہیں ملا۔ ایک گھنٹہ تک تعلیمی امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ پوری مدد دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور اس وعدہ کو ہر موقع پر وفا فرماتے رہے۔ اسکے بعد مجھکو ایک دن بریک فاسٹ پر بلایا۔ ہم طعامی وہمکلامی کی عزت بخشی۔ حیدرآباد میں ایک یہی ذات میری مرجعِ آمال ہے۔ جسوقت سنتے ہیں کہ منظر علیم بلدہ میں آگیا۔ یاد فرماتے ہیں۔ کریمانہ اخلاق سے ملتے ہیں۔ نظر رحمت فرماتے ہیں۔ غنیمت ہو تمہاری ذات ہے۔ خداوند پاک قایم وسلامت رکھے۔

اسی سرکار میں مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی سے نیاز حاصل ہوا۔ سادات و شرفائے موہان اپنی خوبیوں میں بے مثل انسان ہیں۔ علم وہنر

کے دلدادہ طبیعت وار۔ ملنسار۔ نجابت و شرافت کے پتلے اور شرافت نواز مولوی امین الحسن صاحب کی روشناسی اور انکی کرم فرمائی پہ مجھکو بجا ناز ہے۔ اس ذات کے ساتھ تعارف کا ذریعہ عزیز خاطر مولوی سید معصوم علی صاحب وارثی ہوئے ہیں۔ انکا یہ احسان نہ بھولیگا کہ ایک دلچسپ علم دوست قابل شاعر سے ملادیا۔ جو وقت باریابی کا مل جاتا ہے خوب کٹتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ وقت کتنا بھی طویل ہو مجھکو کم ہی محسوس ہوتا ہے۔

مولوی سید معصوم علی صاحب وارثی۔ کی عزیزانہ محبت اور انکا خاص خلوص۔ کیا بیان کروں۔ انکی دید میرے لئے عید ہوتی ہے۔ عجیب سعید طبیعت پائی ہے۔ اور عالی منشی کا حصّہ وافر۔ مولوی سید حیات الحسن صاحب رضوی موہانی ناظم عدالت (جج) خاندان موہان کے رکن۔ اور اپنے اوصاف حسنہ میں بے مثل ہیں۔ مظہر پہ بزرگانہ کرم فرماتے اور چھوٹے بھائی کی جگہ سمجھتے ہیں۔ انکی خدمت میں پہنچکر خاص راحت پاتا ہوں۔ اور ایک بزرگ کے زیر سایہ ہونے کا لطف اٹھاتا ہوں۔

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ عالی جناب نواب معین الدین خاں صاحب بہادر نے ایک ہزار روپیہ سکہ تجویز یہ کا عطیہ بخشا۔ خدائے پاک انکی عمر و اقبال کو دراز کرے۔ عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر نے دو ہزار روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا۔ مگر چونکہ علاقہ زیر نگرانی سرکار عالی نظام دام ملکہ ہے۔ اسلئے کئی زینہ منظوری کے طے کرتے تھے۔ تب یہ رقم وصول ہوگی۔ چنانچہ ۲۰۔ نومبر تک ان دونوں عطیات کی وصولی ہوسکی۔ نواب معین الدین خاں صاحب بہادر کے یہاں رائے تیج بہادر صاحب میر مجلس باوجودیکہ بیحد خلیق و بامرّوت انسان تھے اور انھوں نے حکم روپیہ دینے کا صادر کرادیا تھا۔ لیکن سید مصطفٰے صاحب جونپوری داروغہ جیب خاص جو یہ رقم دینے اُن کے

لیت و لعل نے سخت پریشان کیا جسکی وجہ سے نواب صاحب تک شکایت پہنچانے
کی دھمکی دینا پڑا تب کہیں سید صاحب نرم ہوئے اور روپیہ ادا کیا۔ قومی چندہ
کا روپیہ۔ ہیں انکی شیرینی کہاں سے نذر کرتا خوب دوڑایا۔ اور بڑا دکھہ دیا۔

نواب سالار جنگ بہادر کے یہاں کا عطیہ مسٹر ڈنلاپ صاحب معتمد مال۔
مولوی قطب الدین احمد صاحب مددگار معتمد مال اور جناب یٰسین خاں صاحب
مددگار۔ مولوی محمد علی صاحب سکرٹری مدار المہامی۔ مولوی فضل حق صاحب۔
راجہ للتا پرشاد صاحب بہادر۔ مولوی حافظ محمد اسحٰق صاحب عباسی وکیل اور
مولوی عبد الغفور صاحب وغیرہ کی توجہ فرمائی سے منظوری کے زینے طے کرتا ہوا۔
بغیر کسی زحمت کے مل گیا۔

۱۹۔ اکتوبر۔ مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی کے ساتھ منوہر آباد
آیا۔ مولوی سید معصوم علی وارثی سے ملنے گیا۔ سید معصوم کی خاص محبت اور
خاطرداریاں کبھی بھولنے کی نہیں معصوم کی شادی خانہ آبادی ہونے والی ہے۔
انکا دل تو یہ چاہتا ہے کہ سارا حیدرآباد اٹھا لیجاؤں۔ اہل وطن کی تمناؤں کا دامن
بشرط امکان مالامال کردوں۔ مگر امکان سے باہر کون کام کرسکتا ہے۔ تاہم بلند ہمتی
کے اقتضا سے بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ انکی شریف مزاجی اور خوشدلی کے
گرویدہ جائیں گے اور انکی تمنا پوری کر کے عزت بڑھائیں گے۔ واہ کیا پاکیزہ
سرشت عزیز ہے خداوند عالم اسکو اپنے سایہ حفاظت وحمایت میں پروان
چڑھائے اور کامیاب دارین بنائے۔ مظہر کی محبت بھری دعا سن لے۔ آمین۔

۲۰۔ اکتوبر۔ معصوم رخصت لے چکے ہیں۔ چارج دینے منوہر آباد گئے ہیں۔
مولوی امین الحسن صاحب عدیم الفرصت۔ کام ختم ہو چکا سخت گھبراتا ہوں
حیدرآباد سے جانا چاہتا ہوں۔ مگر آب و دانہ روکے ہوئے ہے۔ بقر عید کر کے حیدرآباد

سے روانہ ہونے کا عزم ہے - اسی اثنا میں ۱۲- دسمبر کو والد ماجد کا خط ملا -
اس سے دادا حافظ عبد الغنی صاحب مرحوم کی خبر رحلت معلوم ہوئی - ۸- دسمبر
۱۹۱۰ء دس بجے صبح کو انتقال ہوا - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن -

بقرعید کر کے ۱۲- دسمبر کو حیدر آباد سے روانہ ہوا - اور ۱۴- دسمبر کو ناگپور
پہنچا - خان بہادر ایچ - ایم - ملک کا مہمان اور اجلاس کانفرنس کے اہتمام
میں مصروف ہوا - ۲- جنوری تک کانفرنس و لیگ کے اجلاس سے فراغت کر کے
کانفرنس اسٹاف کے ساتھ الہ آباد آیا اور نمایش خوب دیکھی -

۴- جنوری ۱۹۱۱ء کو رودولی پہنچا - وطن میں شیعہ و سنّی کی جنگ کے طوفان
بے تمیزی بپا کر رکھا ہے - انجمن رفاقت المسلمین رودولی میں قایم ہوئی ہے - ابھی تازہ
جوش ہے - لیکن ڈر ہے کہ اگر اس انجمن کو روز بد دیکھنا پڑا تو ارباب برادری ہی
کے ہاتھوں اسکا جنازہ نکلیگا - یہ کیوں ؟ اسلئے کہ اوبار کی مار ہر جگہ پہلے معزز طبقہ
پر اثر ڈالتی ہے - اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس طبقہ سے زیادہ پس ماندہ کوئی نہیں
رہجاتا بار الہا ! - انکو اصلی شرافت اور اصلاح کی سمجھہ روزی کر - آخر فروری تک
وطن میں رہنا ہوا - اور یکم مارچ کو پھر سفر کر کے ۳- مارچ کو علی گڑہ اپنے کام پر پہنچ گیا -
وہاں سے ۲۲- مارچ کو حیدر آباد روانہ ہو گیا - بھلسہ میں دو دن قیام کیا ۲۶/۱۱-۳ کو
حیدر آباد پہنچا - مولوی عبد الغنی صاحب مددگار صدر محاسبی کے یہاں قیام ہے
اور اعلیٰ حضرت سے محمدن یونیورسٹی کمیٹی منعقد کرنے کی اجازت طلب کی گئی ہے -
بیکاری میں دن کٹ رہے ہیں - کرمفرمایان حیدر آباد کی صحبت سے دل لگی رہتی ہے -

۱۷- اپریل ۱۹۱۱ء کو نواب عماد الملک بہادر - نواب خدیو جنگ بہادر -
مولوی غلام اکبر خاں صاحب وکیل - مولوی سید غلام جبار صاحب وکیل - مولوی
ابو القاسم صاحب وکیل - مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹر - مولوی سید احمد صاحب مددگار

محاسبی۔ مولوی سید عبدالغنی صاحب مددگار محاسبی اور بندۂ خاکسار سے ایک پٹیشن مرتب ہوکر نواب سالار جنگ بہادر کے حضور میں مسلم یونیورسٹی کے لئے طالب امداد ہوا۔ نواب صاحب بہادر نے عذر معقول فرمایا اور ارشاد کیا کہ بااختیار نہونے کی وجہ سے بلا اجازت اعلیٰ حضرت کے تعین رقم نہیں کرسکتا۔

اسکے بعد وطن کے خطوط سے ردولی میں طاعون کا زور اور اعزا و اقربا کی حزن آفریں خبرہائے رحلت کا اسقدر مسلسل اور روح فرسا حال معلوم ہوتا رہا۔ کہ کام میں بالکل دل نہ لگ سکا۔ اور اصل میں کام بھی کچھ نہ تھا۔ مدارالمہام صاحب بہادر کے یہاں سے درخواست کا جواب نہیں آتا تھا۔ انتظار میں بیکار دن گذر رہے تھے۔

۲۷۔ اپریل ۱۹۱۱ء کو مولوی حاجی محمد نعمت الرحمٰن مرحوم کی خبر وفات سنکر جگر خون ہوگیا خوب رویا۔ بہت بے قرار ہوا۔ آہ ردولی میں رہنے کا لطف جاتا رہا۔ سب سے برگزیدہ عزیز اور رفیق نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ۲۵۔ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ تاریخ رحلت ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

شروع مئی میں ردولی سے مرض کے سکون کی خبریں آئیں۔ میں دوا دوش کرتا اور بے سود کوشش سے تھک گیا تھا۔ ۲۴۔ مئی ۱۹۱۱ء کو عزیز سید معصوم اپنے ساتھ گیلی لے گئے۔ مولوی امین الحسن صاحب بسمل موہانی کی پرلطف ہم نشینی بھی زخم دل کو مندمل نہ کرسکی۔ آٹھ روز چہل پہل رہی۔ لیکن تنھے مرحوم کی یاد ایک دم نہیں بھولتی تھی۔ گیلی سے واپسی پر مولوی عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ کیوں وقت رائگاں کررہے ہو۔ علی گڈھ واپس چلے جاؤ۔

مولوی سید عبدالمجید صاحب مددگار معتمد مجلس عالیہ عدالت جو مولوی سید عبدالغنی صاحب کے ہم خانہ ہیں۔ اس آمد کی ابتدا سے مجھپر خاص کرم فرماتے رہے۔

اور ایک ہینڈ بیگ اپنی یادگار کے طور پر مرحمت فرمایا۔ انشا اللہ میں اسکو بہت حفاظت سے رکھونگا۔

۸۔ جون ۱۹۱۱ء کو علی گڈہ واپس آگیا۔ کچھ دن کے لئے رخصت لیکر مکان گیا اور باقی ایام دفتر کے کام میں گذارے یہاں تک کہ ۲۵۔ جولائی ۱۹۱۱ء کو طلبی ہونے پر پھر حیدرآباد آگیا۔ مولوی سید معصوم علی صاحب کے ساتھ پہنیتے پور کے مولوی حیات علی صاحب آئے ہوئے تھے۔ اُن سے ملنے کا شرف حاصل ہوا بہت دل خوش ہوا۔

ماہ رمضان المبارک میں اعلیٰ حضرت نظام سابق کی وفات حسرت آیات نے حیدرآباد کے کام کا شیرازہ بکھیر دیا ورنہ صورت اچھی نکل آئی تھی۔ نواب ممتاز یار الدولہ بہادر۔ نواب خدیو جنگ بہادر۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔ اور ڈاکٹر سراج الحسن صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے ہمت کی تھی۔ افواج نظام میں بھی چندہ کی تحریک ہو چکی تھی۔ مگر یہ سب کھیل بگڑ گیا۔ اعلیٰ حضرتِ حال کے عہد میں بھی کوششیں جاری ہیں۔ پر بے سود۔ آخر کانفرنس کے صدر دفتر سے بلاوا آیا اور میں واپس ہوا۔

---

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء علی گڈہ صدر دفتر کانفرنس سے طلب کیا گیا کہ آکر دہلی کے اجلاس کانفرنس کے کاموں میں مصروف ہو۔

۱۰۔ نومبر کو حیدرآباد سے روانہ ہو کر راستہ میں ٹھہرتا اور وطن ہوتا ہوا ۲۶۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو دہلی پہنچا۔ مہمانوں کے ٹھہرانے اور اُنکے قیام کا انتظام میرے سپرد ہوا۔ دربار کی سیر اور کانفرنس کے کاموں میں مشغول تھا۔ کہ اسی دوران میں عزیزی ابومسعود (مرحوم) کا لاہور میں اپریشن ہوا۔ ۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو اُنہیں دیکھنے کے لئے دہلی سے لاہور گیا۔ چار دن وہاں قیام رہا۔ اور لاہور سے بخط مستقیم رودلی آکر جنوری ۱۹۱۲ء

کے آخر تک ایام تعطیل وہیں بسر کئے۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو درد گردہ کا دورہ ہوا۔
ڈاکٹری علاج سے فائدہ ہوا۔

---

اسکے بعد سے آخر مئی تک کے حالات نہیں مل سکے۔ یادداشتیں دیمکوں
نے کھالیں۔ (مولف)۔

---

یکم جون ۱۹۱۲ء سے انجمن خدام کعبہ کی شیدائیت اختیار کی اور اضلاع
فیض آباد۔ گونڈہ۔ اور بہرائچ (اودہ) میں بحیثیت شیدائی کعبہ انجمن کے اغراض
ومقاصد کی اشاعت اور فراہمی اعانت کے لئے دورہ کیا۔ اور ممکن ہے کہ یادداشت
سفر مرتب کی ہو۔ لیکن اسکا بھی باوجود جستجو پتہ نہیں چلا۔ صرف روزمرہ حسابات کی
یادداشت سے اتنا اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آخر اگست ۱۹۱۲ء تک یعنی تین ماہ اس کام
میں مصروف رہے اور اس دورہ کے اثناء میں ۲۰۔ جولائی ۱۹۱۲ء کو مقام چمروپور
ضلع گونڈہ میں گئے۔ یہاں کے رؤساء خوانین عالی منش سے ملاقات ہوئی۔ اِن شریف نواز
مہمان دوست۔ خلیق۔ ذی مروت اور عالی حوصلہ رئیسوں سے روشناسی ہوتے ہی
اس قدر محبت اور یکجہتی پیدا ہوگئی کہ تادم آخر تعلقات بڑھتے ہی چلے گئے۔ اور اگرچہ
عام طور پر چمروپور کے تمام خاں صاحبان سے مراسم تھے۔ لیکن جناب سہراب علی خاں
صاحب رئیس چمروپور سے بیحد الفت اور ربط رہا۔ اسی طرح جناب محمود الحق خاں صاحب
سے بھی گہری محبت ہوگئی اور وقتاً فوقتاً چمروپور جانا آنا ہوتا رہا۔ اور مرحوم مظہر علیم کے
پسماندگان کے ساتھ سچی ہمدردی کرنے میں انہیں صاحبوں نے اقدام کیا۔ خود مولف بھی
مرحوم بھائی کے بعد ان صاحبان سے ملا اور انکے خلق وکرم اور لطف وعنایت کا گہرا
اثر دل پر لیکر واپس آیا ہے۔ مرحوم مظہر علیم نے اپنی سفر کی یادداشتوں سے ایک نہایت

دلکش اور مفید سفرنامہ تیار کرنے کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء سے جبکہ انھوں نے انجمن ترقی اردو کی سفارت شروع کی ہے۔ زیادہ تفصیلی یادداشتیں مقامات اور اشخاص کے حالات کی درج کی ہیں۔

چھرولپورا اور یہاں کے خان صاحبان کا ذکر اور انکے حالات وہ اودھ کے کوائف سفر لکھنے کے وقت لکھنے والے تھے۔ لیکن حیات مستعار نے اسکا موقع ہی نہیں دیا۔ خاکسار مولف نے مناسب خیال کیا کہ کچھ حال نہایت اختصار کے ساتھ اس جگہ لکھدے کہ یہی مناسب مقام ہے۔

چھرولپور۔ ضلع گونڈہ (ملک اودہ) خاص افغانی النسل شریف پٹھان رئیسوں کا مسکن ہے۔ عالی نسب۔ صاحب حسب۔ نیک طبع۔ مسافر نواز۔ خوش خلق فیاض۔ اولوالعزم اور بہترین انسان ہیں۔ ان خوانین کے مورث اعلیٰ۔ ناؔمدار خاں افغانستان کے جرگہ موسوم بہ "زدران" کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ ہندوستان میں کب اور کیونکر آئے۔ لیکن معتبر ذرایع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سرزمین (ضلع گونڈہ) میں انکی آمد محمد شاہ رنگیلے تاجدار ہند کے عہد میں ہوئی۔ شاہی افواج کے سپہ سالار عؔلی خاں کے ساتھ "اترولہ" (ضلع گونڈہ) کا راجہ "اوترا کنوز" سرکش تھا۔ اسکی سرکوبی کے لئے یہاں آئے۔ محمد شاہ رنگیلے شاہنشاہ ہند کا زمانہ تھا۔ اس راجہ نے بڑی خیرہ سری اختیار کی تھی۔ اس لئے سلطانی فوج اس کا قلع قمع کرنے پر مامور ہوئی۔ سپہ سالار عؔلی خاں اپنے ماتحت بہادر سردار نامدار خاں کی دلیری و بسالت سے اس سرکش راجہ پر فتح یاب ہوئے۔ عریضۂ فتح و کامیابی دربار سلطانی میں گیا۔ وہاں سے عؔلی خاں کے نام فرمان آیا کہ تم مقہور راجہ کے علاقہ پر حکمراں رہو اور سرکشان اطراف کی تادیب کرتے جاؤ۔

عؔلی خاں اترولہ کے والی ہو گئے۔ انھوں نے اپنے بہادر سردار ناؔمدار خاں کو

نمایاں جنگی خدمات کے صلہ میں چھچھ پور اور دیگر مواضع کا علاقہ جاگیر میں دیا۔ نامدار خاں نے یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور ان کا سلسلۂ نسب ترقی پذیر ہوا۔ انکے بعد انکے بیٹے۔ بابو خاں رئیس ہوئے۔ اور شجرہ نسب یوں بڑھا۔

## شجرہ نسب خاندان نامدار خان

- نامدار خاں صاحب مورث اعلیٰ
  - بابو خاں صاحب
    - بساون خاں لاولد
    - شمشیر خاں لاولد
    - شیر خاں صاحب
      - فیروز خاں صاحب
        - الہ داد خاں صاحب
          - سپہ دار خاں صاحب
            - صف شکن خاں صاحب
              - نعمت خاں صاحب
                - خان خاناں خاں صاحب
                  - جلال خان
                    - مخدوم بخش خاں صاحب
                      - علی بخش خاں صاحب
                        - خان زماں خاں صاحب
                          - سہراب علی خاں صاحب
                          - لطف علی خاں صاحب سلمہ
                            - نظام علی خاں سلمہ
                            - [illegible] سلمہ
                          - امجد علی خاں صاحب
                            - شرافت اللہ خاں صاحب
                            - عظمت اللہ خاں صاحب
                            - ودیگر پسران سلمہم اللہ
                  - لطف اللہ خاں لاولد
                  - زبردست خاں لاولد
                  - علی خان صاحب
                    - قاسم خاں صاحب
                      - علی بخش خاں صاحب
                        - عبد اللہ خاں صاحب
                          - رمضان بخش خاں صاحب
                          - نیاز بخش خاں صاحب
                          - [illegible] فرزند [illegible]
                          - [illegible] سلمہم اللہ
                        - نواب علی خاں صاحب
                        - محمود الحق خاں صاحب
                          - رفیع محمد سلمہ
                          - احمد محمد سلمہ

شیر خاں صاحب کے زمانہ سے خانخاناں خاں صاحب کے عہد تک خاندان ایک اور علاقہ یکجائی رہا۔ خانخاناں خاں صاحب کی اولاد چار بیٹے تھے۔ جلال خاں صاحب بڑے بیٹے بادشاہ اودھ کے یہاں نامور فوجی سردار تھے۔ انکے زمانہ میں بیج اور دیگر ذرایع سے علاقہ کی توسیع ہوئی۔ کچھ جنگل کٹوا کر آبادی کی گئی۔ سرکار شاہ اودھ سے نوآباد موضع جگدیوا کا خراج معاف رہا اور عہد برطانوی کے آغاز بندوبست ۱۸۶۰ء میں بھی یہ معافی خراج قائم رہی۔ علی خاں صاحب سب سے چھوٹے بیٹے کی نسل بھی آگے چلی۔ اور اسوقت کل علاقہ انہیں ہر دو خاندان کی اولاد میں تقسیم ہے۔ شجرہ سے دونوں شاخوں کا حال عیاں ہے۔

جلال خاں صاحب کی نسل میں عبدالغفور خاں صاحب سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ آپ خاص چھرودپور میں رہتے ہیں اور نہایت خلیق و بزرگ اطوار ہیں۔ امجد علی خاں صاحب مع صاحبزادگان چھرودپور میں ہیں۔ اور سہراب علی خاں صاحب نے ایک دوسرے موضع پیری میں مکان بنوالیا ہے۔ زیادہ قیام وہیں رہتا ہے۔ آپ مظہر مرحوم کے سب سے بڑے کرم فرما اور محب خاص ہیں۔ بالکل برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں۔ پروردگار عالم عمر و اقبال میں برکت عطا فرمائے۔

علی خاں صاحب کے خاندان کی یادگار میاں بخش خاں صاحب چھرودپور میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور محمود الحق صاحب نے کچھ فاصلہ پر موضع پورنیا بازید میں گھر بنوالیا ہے۔ وہاں مقیم رہا کرتے ہیں۔ چھرودپور میں بھی مکان ہے۔ یہ بھی مرحوم سے بہت محبت کرتے تھے۔

بفضل خدا سب صاحب اولاد۔ اور منتظم ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ ہے۔ اور امید ہے کہ انشاءاللہ نئی پود علم و قابلیت کے زیور سے آراستہ ہوجائیگی۔ اور ترقی کے راستہ پر قدم رکھے گی۔ اس گھرانے کے تمام افراد خوش اخلاقی اور اور رواداری کے لحاظ سے بہت قابل تعریف ہیں۔ مگر موجودہ حالت میں انکو باہمی ارتباط

واتحاد کے حدود رجہ مستحکم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ شیرازۂ اتفاق بندھا رہے اور بد اندیشوں کا افسوں کارگر نہ ہو سکے۔ ورنہ اختلاف فیمابین سے خدانخواستہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکی تو خرمن عافیت کی خیر نہ رہے گی۔

۴۔ اگست ۱۹۱۶ء ۵ بجے شام کو علی گڈھ سے براہ دہلی حیدرآباد جانے کے لئے روانہ ہوا۔ ارادہ ہے کہ سیدھا عثمان آباد جاؤں اسی لئے منماڑ تک کا ٹکٹ لیا ہے راستہ میں ایکسپریس ٹرین پر جنگی رنگروٹوں کی وجہ سے بڑی کشمکش اور تکلیف رہی یہ رنگروٹ جرمنی سے جنگ کرنے جاتے ہیں۔

۵۔ اگست ۱۹۱۶ء۔ رات منماڑ کے اسٹیشن پر بسر کی۔ ۶۔ اگست ۹ بجے صبح کو منماڑ سے گوداوری روانہ ہوا۔ ۵ بجے شام کو مقام کولواڑی کے اسٹیشن پر ٹرین سے اترا۔ رات ویٹنگ روم میں بسر کی۔

۷۔ اگست ۱۹۱۶ء صبح کو برسی لایٹ ریلوے پر انڈسی کا ٹکٹ لیکر سوار ہوا۔ عثمان آباد کو یہیں سے جانا ہوتا ہے۔ انڈسی کے اسٹیشن پر اترا تو کوئی ٹانگہ نہیں تھا۔ بدقت تمام ایک بنڈی (بیل گاڑی کراچی) کرایہ کی اور عثمان آباد چلا۔ سڑک کی خرابی سے راستہ میں بڑی تکلیف ہوئی۔ نماز مغرب کے وقت خدا خدا کرکے عثمان آباد پہنچا۔ محمد احمد صاحب بانسوی وکیل کے ہاں قیام کیا۔

۸۔ اگست۔ سید محمد رضا صاحب تعلقدار اول سے ملا۔ کام کی کوشش شروع کی۔ مگر چونکہ صاحب موصوف کا تبادلہ ہو گیا ہے اس لئے وہ بے اثر سعی سے گریز فرماتے معلوم ہوئے۔ مسٹر رائے رتن چند صاحب ناظم عدالت دیوانی کی جد و جہد سے وکلاء و عملہ نظامت ضلع میں چندہ کی تحریک ہوئی اور سو روپیہ کلدار چندہ ہو گیا میر محمد علی صاحب میر منشی اول تعلقداری و پیشکار عدالت مال نے بھی بہت کوشش فرمائی اور مزید چندہ جمع کیا۔ ۱۳۔ اگست کو عمال محکمہ مال کی طرف سے احمد رضا صاحب

موصوف کی رخصتی دعوت تھی میں بھی شریک رہا۔ ۷۔ اگست کو زرچندہ اور ختم شدہ رسید بک دفتر کانفرنس میں ارسال کرکے۔ ۲۲۔ اگست کو تحصیل تلجاپور ضلع عثمان آباد کو گیا وہاں تک پختہ سڑک بنی ہے۔ راستہ صاف ہے۔

بابو کبیرالدین صاحب ساکن ضلع غازیپور تلجاپور کے تحصیلدار ہیں۔ احمد رضا صاحب بھی یہاں ہوکر شولاپور کے راستہ سے حیدرآباد جاتے تھے اس لئے انکی دعوت کا اہتمام تھا اور لوگ اسمیں مصروف۔ مجھے زیادہ قیام کی فرصت نہیں۔ مولوی احمد حسین صاحب پیشکار کی کوشش سے ( ۵ روپیہ چندہ ہو گیا۔ اور میں نے پوجاری کو تک سے چندہ وصول کیا۔

تلجاپور میں۔ تلجابھوانی کا قدیم مندر ہے۔ مندر کی عمارتوں کا بہت وسیع حلقہ ہے۔ اور اسی میں پوجاری وغیرہ رہتے ہیں۔ یہاں کے ہندو کہتے ہیں کہ یہ مندر تین ہزار سال کی تعمیر ہے۔ لیکن طرز عمارت سے ایک ہزار سالہ تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ اس مندر کو سیواجی مرہٹہ نے خاص فروغ دیا تھا جسوقت وہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر سے برسرپیکار تھا اسوقت اسی مندر کو اپنا قبلہ حاجات سمجھتا تھا۔ دیبی کی مورت سنگ سیاہ کی بنی ہے۔ پستہ قد سات ہاتھ والی دیوی ہے۔ روزانہ ۶ بجے شام کو پجاری دیوی کو غسل دیتے اور چندن وغیرہ لگاکر زیورات مرصع سے آراستہ کرکے رات بھر بند رکھتے ہیں پھر صبح کو لباس و زیور پہنائے ہوئے مندر میں لاتے اور تخت پر جلوہ آرا کرتے ہیں۔ مرہٹواری کے تمام جاتری یہاں آیا کرتے ہیں پوجاریوں میں آج کل خانہ جنگی ہو رہی ہے اس وجہ سے دیوی اور مندر پر گورنمنٹ نظام کی نگرانی قایم ہے۔ تمام چڑھاوا خزانہ سرکار میں جمع ہوتا اور مندر کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ دیوی کے زیور چھ جوڑ ہیں جنکی کل مالیت دس لاکھ روپیہ کی ہے مولوی احمد حسین منتظم دیول کی عنایت سے میں نے سب زیوروں کو دیکھا۔ اول درجہ کا

زیور طلائی مرصع اور بہت قیمتی ہے۔ ہر ایک جوڑیں بیس ۲۰ عدد ہیں۔ جوتیاں اور کھڑاؤں طلائی بھی اسمیں شامل ہیں۔ جاتری منتیں مانتے ہیں تو مندر کے فرش پر روپئے لگاتے ہیں (یعنی جڑ دیتے ہیں) سیاہ پتھر کے فرش پر ۳۳ ہزار روپیہ جڑا ہوا ہے۔ اور دھوپ میں بیحد خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مندر کے ایک گوشہ میں پتھر کی گائے کا منہ بنا ہوا ہے اور اسکے دہانہ میں سے پانی جاری رہتا ہے۔ پجاری اس پانی کو بیکنٹھ کا پانی کہتے اور بتاتے ہیں کہ جو شخص اس پانی سے ایک مرتبہ اشنان کرلے وہ نرک میں نہیں جائے گا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ دیول کی عمارت کے پیچھے ایک باولی ہے جب تک باولی میں پانی رہتا ہے سنگی گائے کا دہن پانی اگلتا جاتا ہے لیکن جس زمانہ میں باولی خشک ہو جاتی ہے تو اس گائے کا منہ بھی سوکھ جاتا ہے۔

میں دو گھنٹہ تک دیول اور اسکی عمارتوں کو دیکھتا رہا۔ پندرہ سال سے اس مندر کی عمارت مزید شاندار بنگئی ہے۔ ضلع بیڑ کے ایک مرہٹہ بنئے نے پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے اسکی عمارت بیحد خوشنما بنا دی ہے۔

تلجا دیوی کے مندر کے صدر دروازہ پر ایک مسلمان بزرگ کا مزار ہے۔ یہ گربڑ شاہ صاحب کے نام سے موسوم ہیں۔ یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ تلجا دیوی جی شاہ صاحب کی معشوقہ تھیں۔ بظاہر مسلمانوں نے حماقت آمیز طعن کے طور پر یہ قصہ گھڑہ رکھا ہے۔ ورنہ آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسوقت خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم کی جماعتیں سرزمین دکھن میں اشاعت اسلام کے لئے گئی ہیں۔ اسی وقت یہ بزرگ بھی یہاں وارد ہوئے ہیں۔ اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے ہیں۔ کیونکہ اس جوار کے تمام مسلمان اسی درگاہ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

۲۴ اگست۔ تلجا پور سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی گھاٹ کا بے نظیر منظر دیکھنے گیا۔ گھاٹ پر ایک نہایت قدیم وضع کی مندر نما عمارت بنی ہے۔

جسکے اندر ایک پتھر رکھا ہے اور اس پتھر پر کف پا کے نشان ہیں۔ انکو ہندو اصحاب
مہاراجہ رام چندر جی کے نقش قدم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب رام چندر جی
بن باس کے زمانہ میں یہاں آئے تھے اس وقت سے پتھر نے اُن کے نقش قدم
اپنے سینہ پر لے لئے۔ اور اسی جگہ تلجا بھوانی مہارانی سیتا جی کی شکل میں
رام چندر جی کے پاس آئی تھیں۔ لیکن رام جی نے انکو پھٹکار بتائی اور کہا کہ
صورت سیتا کی بنائی تو کیا ہوا اُسکی خو تُو کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔ اسی واقعہ
کی یادگار میں یہ مندر بنا ہے اور قدیم برہمنوں کا طرز عمارت ہے۔ بے شک تین ہزار
سال کی تعمیر ہوگی۔ بہرحال عمارت کیسی ہی اور کسی زمانہ کی ہو اس سے بحث نہیں۔
ہاں اس جگہ کا منظر بیحد دلفریب ہے۔ انسان ایک مرتبہ یہاں بیٹھکر اُٹھنے کا نام
نہیں لے سکتا خصوصاً برسات کے موسم میں جبکہ پہاڑ کی بلندی سے ہر طرف حد نظر
تک سبزہ زار ہی دکھائی دیتا ہے اور اسکا نظارہ نگاہ کو واپسی کی اجازت نہیں دیتا۔
میں بھی چار بجے شام کے وقت یہاں ایک چٹان پر بیٹھا ہوں۔ ابر کے پُر لطف
ٹکڑے منڈلا رہے ہیں۔ اور قدرتی سماں کی دلکشی میں محو ہوں۔

۲۵- اگست کو تلجا پور سے عثمان آباد واپس آگیا۔ یہاں بھی ایک شاہی مقبرہ
حضرت شاہ شمس الدین المخاطب یہ شمس شاہ ولی کا مشہور ہے عجیب پُر انوار جگہ
ہے۔ عثمان آباد میں انکی اولاد بھی ہے۔ معافی بھی رکھتے ہیں۔ مگر جہالت کی تاریکی
میں گرفتار۔ جس طرح دیگر خاندان ہائے مشائخ کی کیفیت ہے۔ تعلیم و تربیت مفقود۔
آثار بزرگی ناپید۔ وہی رنگ یہاں بھی ہے۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ
نصیر الدین چشتی چراغ دہلی کے یہ بھی خلیفہ تھے۔ اور آپ انکی سوار مشائخ میں سے تھے
جنہوں نے سرزمین دکن میں اشاعت اسلام کی۔

عثمان آباد سے لاتور گیا۔ پولیس اسٹیشن پر اسباب رکھکر سید ہا منصفی پہنچا

اور مرزا مرتضٰی بیگ صاحب سررشتہ دار کو ایک خط دیا۔ یہ خط مرزا محمد علی بیگ سب انسپکٹر پولیس کا تھا۔ سررشتہ دار صاحب نے اسی وقت مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔ اور بے تکلفانہ کمال خوش خلقی سے میزبانی فرمائی۔ منصف صاحب سے ملکر سید محمد رضا صاحب کا خط دیا۔ یہ صاحب امرائے حیدرآباد کے خاندان سے ہیں۔ نہایت صداقت سے وعدہ امداد فرمایا۔ دوسرے دن منصف صاحب اور سررشتہ دار صاحب مجھکو نئے شہر لاتور کی سیر کرانے لے گئے۔ یہ جدید بستی بقول منصف صاحب فرانس کی آبادی کے طرز پر تیار ہو گی۔ اور نیا لاتور بنجائیگا تو مملکت دکن ہی میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں اپنی وضع کا ایک ہی شہر ہوگا۔

اس زمانہ میں لاتور روئی کے بیوپار کی وجہ سے بڑی رونق و ترقی پر ہے۔ مگر یہ امید کہ اس بیوپار کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی عبث ہے۔ ہاں اس بیوپار کی ترقی اور قیام تک آبادی و ترقی ہوتی رہے گی۔ لیکن بیوپار کم ہوا یا ٹوٹا تو اس شہر کی صورت اُجڑی ہوئی بستی کے مانند نظر آئے گی۔ ہم لوگ دیر تک گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ مادک کھودے جا رہے تھے۔ ایک جگہ دو کھوپڑیاں اور انسانی جسم کی ہڈیاں نکلی پڑی تھیں۔ کچھ سڑا گلا ہوا کفن کا کپڑا ابھی پڑا تھا۔ یہ ہے حضرت انسان کا مآل۔

مرزا محمد علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس۔ سررشتہ دار مرزا مرتضٰی بیگ صاحب و نارائین راؤ صاحب وکیل نے قابل ستایش محنت کی اور اپنی قومی ہوا خواہی کا ثبوت دیدیا۔

لاتور میں ایک شاہ صاحب کی زیارت ہوئی۔ عجمی شاہ صاحب مشہور اور خود بھی اپنے تئیں یہی کہتے ہیں۔ لیکن اندازہ سے پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔ آدمی وجیہہ اور حسین ہیں۔ گانا بھی خوب جانتے ہیں۔ ہندو فقیروں کا بھیس لیکر

چلتے پھرتے برسی میں آ ٹھہرے - ماڑواری عورتیں انکی ادا پر مرنے لگیں - اور انکو خوب کھلایا پلایا - انکے شوہروں نے کلکٹر سے شکایت کردی - وہ شاہ صاحب کا دشمن جان بنگیا - آخر برسی سے بھاگ کر لاتور چلے آئے اور عرصہ سے یہیں ہیں - اسوقت آنکھوں سے مجبور اور نقرس کے مرض میں گرفتار ہیں - آدمی ہیں یار باش اور جہاندیدہ - کچھ جائداد بھی پیدا کرلی ہے - ہندو کثرت سے معتقد ہیں - نام فضل شاہ ہے - میں بھی ملا - دیر تک لطف صحبت رہا -

یکم ستمبر کو میر خیر الدین صاحب منصف لاتور نے نہایت اولوالعزمی کے ساتھ مجھے دعوت دی - اسی دعوت میں اجمیر شریف کے ایک صاحبزادہ سید وزیر صاحب سے نیاز حاصل ہوا - یہ آجکل وارد لاتور تھے - نماز جمعہ کے بعد مسجد میں تعلیم پر میری تقریر ہوئی -

۳ ستمبر - لاتور سے شولاپور کو روانہ ہوا - مرزا محمد علی بیگ صاحب و مرزا مرتضے بیگ صاحب نے ڈاکٹر ڈانی و دیگر حضرات کے نام معرفی کے خطوط عطا کئے تھے - برسی روڈ جنکشن پر ویٹنگ روم میں شب باش ہوا - یہیں مولوی مصاحب علی صاحب اسپشل مجسٹریٹ حیدرآباد سے ملاقات ہوئی - صبح کو انکے ساتھ ناشتہ کرکے بمبئی مدراس میل پر شولاپور چلا -

شولاپور پہنچکر ڈاکٹر مسٹر ڈانی کے یہاں مقیم ہوا - حقیقت میں بے نظیر انسان ہے - اصلاً مرہٹی برہمن ہیں لیکن خلیق اور بے تعصب - میں انکا ایک بے تکلف مہمان ہوں نہایت لطف و مدارات سے میزبانی فرمارہے ہیں - ڈاکٹر صاحب کے کوئی اولاد نہیں ہے - چار بھتیجوں کو ولایت میں تعلیم دلائی ہے - انمیں سے ایک کشمیر میں آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر الیکٹریکل انجینیر ہے - دوسرا ریاست میسور میں ۱۵ سو ماہوار پاتا ہے اور وہ بھی انجینیر ہے - دو لڑکے ابھی ولایت میں زیر تعلیم ہیں - ایک

سول سروس میں اور دوسرا ریاست بمبور میں ہے۔ ڈاکٹر ڈالی اپنے خاندان کے بچوں پر تین لاکھ روپیہ تعلیم میں خرچ کر چکے ہیں اور ایک معزز خاندان تیار کر کے عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب خانہ نشین ہیں۔ مکان نہایت نفیس بنایا ہے غربا کا مفت علاج کرتے ہیں۔ ایک متوفیہ لڑکی کے چار بچوں کو پال رہے ہیں۔ میزبانی کی شان بالکل مسلمانوں کی سی ہے۔

میں شولاپور کے مسلمانوں سے مل رہا ہوں۔ عدم تعلیم وجہالت نے پستی میں ڈال رکھا ہے۔ دو مسلمانوں کے نام سفارشی خطوط لایا تھا۔ انھیں سے ایک سب انسپکٹر پولیس تھے۔ یہ صاحب دوسرے مذاق کے آدمی نکلے۔ قومی و تعلیمی کاموں سے بے حس محض رنگیلے اعلیٰ درجہ کے۔ انھوں نے رُخ ہی نہیں دیا۔ دوسرے صاحب فخر الدین موید سلیقہ سے ملے۔ اور صلاح نیک دی۔

میں تو جانتا تھا کہ ہماری ہی طرف لوگوں کا جوش ممبری میونسپل الکشن میں حد دیوانگی کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر شولاپور اس بارہ میں بہت بڑھا ہوا نکلا۔ اول تو گنتی کے مسلمان پھر انکو ممبری کا شوق۔ رائے دہندہ زیادہ تر ہندو۔ عاجزی و درماندگی و خوشامد کا اس سے بڑھکر دل خراش منظر کم دیکھنے میں آئیگا۔

۸۔ ستمبر۔ جامع مسجد شولاپور میں میں نے تقریر کی اور مسلمانوں کی پستی و جہالت دکھا کر بے حسی کا ذکر کیا۔ ہمدردی پر اکسایا۔ ایک سوداگر صاحب نیک کاموں کے دشمن بہت بگڑے۔ لیکن لوگوں نے انکو بٹا کر سیدھا کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ بمبئی پریسیڈنسی میں مسلمانوں کی حالت نہایت افسوس ناک ہے۔ شولاپور کے مسلمان تعلیم سے بالکل ناآشنا ہیں۔ حاجی حضرت خاں صاحب کنٹراکٹر یہاں کے مسلمانوں میں لکھ پتی اور وقیع بزرگ ہیں لیکن قومی کاموں اور تعلیمی جد وجہد سے کنارہ کش۔ میں انکے پاس گیا۔ کچھ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ع وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے

شولاپور میں پچیس تیس کپڑوں کی ملیں چل رہی ہیں۔ انمیں پچاس ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی ایک بھی مل نہیں۔

بیوپار کے لحاظ سے صرف چند مسلمان اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن تعلیم اسقدر کم ہے کہ بیس ہزار مسلمانوں کی آبادی میں صرف دو انٹرنس پاس ہیں۔ اور ایک سب انسپکٹر پولیس کے سوا باقی تمام ملازمین وعمال حکومت غیر مسلم ہیں۔ مسلمانوں کا ایک ابتدائی مدرسۂ اسلامیہ بھی ہے جسمیں اسوقت صرف پچاس طالبعلم زیر تعلیم ہیں۔

شیخ ابراہیم خاندیسی ڈپٹی انسپکٹر اردو مدارس سے ملا مرد معقول ہیں۔ مولوی عبدالرزاق مدرس مدرسہ میونسپل بورڈ بھی اچھے آدمی ہیں۔ شیخ ابراہیم صاحب نے ایکدن دونوں وقت مجھے روٹیاں بھی کھلائیں۔ بحالت موجودہ مسلمانوں سے ناخوش تھے۔ ہاں جب اچھی ملازمت مطلوب تھی تو ہمدرد اسلام واسلامیان ہوکر محض اردو مڈل ٹرینڈ ہونے کے باوجود ڈپٹی انسپکٹر ہوگئے اب وہی مسلمان جوکبھی حواریین میں تھے محسن کش ہیں!!! اور مسلمانوں پر عتاب ہے!!! گورنمنٹ کی عنایت دیکھئے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ان کے سے کم تعلیم یافتہ کو محض مسلمان ہونے کے خیال سے ایسا اعلیٰ عہدہ دیدیا ہے اب کیا آپ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ہونے کے آرزومند ہیں۔

مسلمانوں کو دیکھ بھال کر دیگر ہمدرد انسانوں سے کام نکالنا چاہا۔ جوتی مل کے رنگ ماسٹر رام سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ لکھنؤ کے رہنے والے۔ راجپوت۔ اور عالی ہمت انسان ہیں۔ عرصہ سے یہاں قیام ہے۔ مرارجی گوکل داس کی کپڑوں کی مل میں رنگ ماسٹر ہیں۔ آٹھ سو روپیہ تنخواہ پا رہے ہیں۔ اور مسٹر تلک کی پارٹی کے سرگرم ممبر۔

تعلیم کے بڑے حامی و دل دادہ ہیں۔ اپنی مل میں چار مدرسے قائم کر رکھے ہیں۔ جن کے اخراجات کے لئے ہر مزدور سے اسکی آمدنی پر ایک روپیہ سیکڑہ کے حساب سے چندہ وضع کر لیتے ہیں۔ دو مدرسہ مزدور عورتوں کے ہیں جنکو ایک گھنٹہ کی چھٹی میں کسی دن حساب۔ کسی روز مشین کی سلائی کا کام۔ کسی دن کپڑا رنگنا۔ صحت و تندرستی کے قواعد۔ بچوں کی پرورش کے قاعدے اور دیگر مفید کام سکھائے جاتے ہیں۔ ان مدرسوں میں چار سو عورتیں زیر تعلیم ہیں۔

ایک مدرسہ مزدور لڑکیوں کا ہے۔ چھ گھنٹہ روزانہ ہر قسم کی تعلیم دیجاتی ہے۔ کپڑا سینا۔ کھانا پکانا۔ بچوں کی پرورش۔ کپڑا دھونا۔ خانگی زندگی کے بہترین سادہ طریقے۔ حساب مرہٹی زبان۔ ادب۔ تاریخ۔ کشیدے کاڑھنا۔ رنگنا وغیرہ وغیرہ۔ اسمیں ۳۰۰ لڑکیاں ہر عمر کی تعلیم پاتی ہیں۔

دوسرا مدرسہ مزدور لڑکوں کا ہے۔ اسمیں ۲۰۰ طالبعلم ہیں۔ پڑھنا لکھنا معمولی طور سے اور فٹر۔ بڑھئی۔ لوہار وغیرہ کی تعلیم زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کا فارغ شدہ طالبعلموں اور کارخانوں میں انجن ڈرائیور۔ فٹر۔ رنگ ساز۔ یا مستری کی جگہوں پر بلا کسی دقت کے لیلیا جاتا ہے۔ اگر کوئی پاس شدہ طالبعلم ملازمت نہ کرنا چاہے تو عمدہ کاریگر ہو کر آزادی سے چالیس پچاس روپیہ ماہوار بلکہ زائد کما سکتا اور مزہ میں زندگی بسر کر سکتا ہے۔

رام سنگھ صاحب اپنے کارخانہ کے مالک کے آجانے سے مصروف کار تھے۔ وعدہ فرمایا کہ عہ کی رقم وہ بعد میں بھیجدینگے۔

حکومت اسلامی کے عہد میں شولاپور خاندان عادل شاہ کا پایہ تخت رہا ہے۔ قلعہ بالکل مسمار ہے اب اسمیں پولیس اور میونسپل آفس بنا دیا گیا ہے۔ جدید انگریزی وضع کی عمارتوں میں کوئی بھی قابل تعریف نہیں۔

۱۱ ستمبر کو نو بجے صبح کو گلبرگہ پہنچا۔ سید رضا حسین صاحب وکیل سے ملا اور انہیں کے ہاں قیام ہے۔ چونکہ عرس شریف ہے اور ۲۰ ستمبر ۱۹۱۶ء تک تمام لوگ اسمیں مصروف ہونگے۔ اس لئے تازیانہ عرس صرف عرس شریف کی شرکت ہے۔

درگاہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوا۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی۔ حضرت سید محمد الحسینی ہے۔ پیر نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی کے ارشد خلفا میں سے ہیں۔ اور دکن میں حضرت کی درگاہ اسی پایہ کی ہے۔ جیسے خواجہ بندہ نواز خواجہ معین الدین چشتی رح کی ہندوستان میں۔ مولوی معشوق حسین خاں صاحب کی وجہ سے شب کو روضہ خرد میں رہا۔ اس درگاہ میں ایک لاکھ بیس ہزار کی معافی تھی۔ خواجہ کے پوتے حضرت سید قبول اللہ صاحب حسینی رحمۃ اللہ علیہ کو نصف جاگیر مل گئی۔ آپ نے حضرت قبول اللہ حسینی رح کو اپنے سامنے ہی خلافت دے دی تھی۔ وہ حقیقت میں بڑے پایہ کے بزرگ ہوئے ہیں۔ وہاں کے صاحب سجادہ علیحدہ ہیں۔ اور بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ بقیہ ساٹھ ہزار کی جاگیر موجودہ صاحب سجادہ کے پاس ہے۔ یہ نابالغ ہیں۔ اور جاگیر زیر نگرانی گورنمنٹ نظام ہے۔ انکا نام اکبر حسینی ہے۔ اور اس ساٹھ ہزار کی جاگیر کے محاصل نوے ہزار کے قریب ہیں۔ اور تیرہ ہزار روپیہ نقد سرکار عالی اور امرائے حیدرآباد سے ملتے ہیں۔ روضہ خرد کے صاحب سجادہ کا نام شاہ حسین ہے۔ اور مذہبا شیعہ ہیں۔ ۱۵۔ ذیقعدہ کو صندل ہوتا ہے۔ ایوان صوبہ داری سے صندل اٹھتا ہے۔ ۱۶۔ کو قل ہوتا ہے۔ اور

پانچ ہزار روپیہ معافی واقع ضلع گلبرگہ سے عرس کا خرچ پورا ہوتا ہے۔ اور دو ہزار روپیہ سالانہ صرف خاص سے اُسکے اخراجات ہوتے ہیں۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو مولوی ضیاء الحسن صاحب تعلقدار اول سے ملا۔ کوشش کرنیکا وعدہ کیا ہے۔ آج کلب گھر میں گیا۔ سید شہاب الدین صاحب تحصیلدار شولاپور سے ملاقات ہوئی وعدہ کیا ہے کہ شورا پورا گر آئے۔ تو معقول چندہ کرا دونگا۔

۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء کو صوبہ داری گلبرگہ میں مرزا محمود بیگ صاحب مددگار صوبہ نے پوری مدد کی۔ تمام دفتر سے رقم چندہ لکھوائی ہے۔ اور فرمایا۔ کہ ایک ہفتہ میں یہ رقم آپکو ملیگی۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۶ء آج مسٹر بخت بہادر دوار وغہ شمس الدین صاحب وحقانی صاحب رجسٹرار کی ہمراہی میں کام کیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء مولوی غلام علی صاحب بلیغ ساکن بجلبئی سے ملاقات ہوئی۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو شاہ تاج الدین صاحب سجادہ روضۂ شیخ۔ گلبرگہ نے دعوت دی تعلقدار صاحب اول مولوی ضیاء الحسن صاحب اور مولوی رضا حسین صاحب بانسوی وکیل گلبرگہ بھی دعوت میں شریک تھے۔ یہ صاحب سجادہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کے خاندان کے ہیں۔ یہ بزرگ خاندان بہمنیہ سے پہلے یہاں آئے تھے۔ اور صاحب مزار حضرت پیران پیرؒ کے پوتے ہیں۔ مولوی ضیاء الحسن صاحب مددگار مال اور مولوی مرزا محمود بیگ صاحب مددگار صوبہ دار نے پوری مدد کی عید الضحیٰ میں نے گلبرگہ میں کی۔ مولوی ضیاء الحسن صاحب تعلقدار اول نے دعوت کی۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو گلبرگہ سے واڑی پہونچا۔ واڑی میں مولوی سعید الدین صاحب ڈاکٹر نظام اسٹیٹ کے یہاں قیام ہے۔ واڑی جنکشن ہے۔ یہاں سے جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے براہِ رائچور مدراس کو جاتی ہے۔ اور ایک ٹرین حیدرآباد دکن

ہوتی ہوئی بیجواڑہ جاتی ہے۔ صرف جنکشن ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر سعید الدین صاحب الہ آباد کے رہنے والے۔ ۳۰ سال سے جنکشن واڑی پر ڈاکٹر ہیں۔ نہایت متواضع۔ خلیق۔ منکسر۔ یار باش۔ فیاض انسان ہیں۔ ماشاءاللہ اولاد اور خوش بسری سے فارغ ہیں۔ بڑے جگت آشنا ہر چیز کی گند اور بھید کے پیچھے پڑنے والے کبھی صوفی تھے۔ اب تو حنفی اور سخت موحد ہیں۔

۳/۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو میں یادگیر پہنچا۔ شیخ عبود چاؤش عرب کے یہاں مقیم ہوا۔ مسٹر ستگر نراین کے یہاں گیا تھا۔ یہ صاحب یہاں کے تحصیلدار ہیں۔ اعانت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ۱۶/۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء ۱۱ بجے دن کو ساہوکاروں کا جلسہ بابتہ فراہمی چندہ کانفرنس بصدرنشینی تحصیلدار ستگر نراین صاحب کلب میں منعقد ہوا۔ میں نے چندہ پر تقریر کی۔ لوگوں نے تقریر پسند کی۔ مبلغ ما/ ۱۷۱ کے اسوقت وعدے ہوئے۔ یادگیر میں سید حسن قادیانی کا ایک دیسی سگرٹ یعنی بیڑی کا بہت بڑا کارخانہ ہے کارخانہ میں اسوقت پانچسو مزدور کام کرتے ہیں۔ کارخانے کے متعلق ایک ابتدائی مدرسہ ہے۔ جسمیں قرآن اور اردو حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ میں نے رائے دی ہے کہ اس مدرسہ میں صنعت و حرفت کی شاخ کھول دیجاوے۔ دکن میں مسلمانوں کا یہ مدرسہ اپنی پہلی مثال ہے۔ رائے گوبند راؤ جی صاحب پیشکار تحصیل یادگیر نے مدد فرمائی۔ مولوی قاضی محمد یٰسین صاحب ساکن یادگیر حنفی۔ بڑے معلومات کے آدمی ہیں۔ زہد و اتقا کے لحاظ سے اپنی آپ مثال ہیں۔ مجھے ان سے ملکر بیحد خوشی ہوئی۔

۲۱/۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء یادگیر سے رائچور آیا۔ اور سید نثار احمد صاحب کنٹراکٹر کے یہاں ٹھہرا۔ ۲۳/۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء سے بخار چڑھا اور زکام ہوا ہے۔ ابتک جب کہ یکم نومبر ۱۹۱۶ء ہے۔ اسکو لئے پڑا ہوں۔ دو روز سے اسقدر سخت بارش ہو رہی ہے کہ پناہ بخدا۔ پانی ایکدم کھلنے کا نام نہیں لیتا۔ سیکڑوں مکان لوگوں کے گر گئے ہیں

شہر کے تالاب و چشمے لبالب بھر گئے ہیں۔ مکانوں کے گرنے سے کئی جانیں بھی ضائع
ہوئی ہیں۔

۱۳۔ نومبر ۱۹۱۶ء کی شب کو ممبران کلب رائچور کی جانب سے بصدارت
مولوی نور اللہ صاحب حسینی تعلقدار اول رائچور جلسہ ہوا جسمیں میری تقریر
ضرورت تعلیم پر ہوئی۔ ماعہ کی رقم چندہ میں ملی۔

۲۷۔ نومبر ۱۹۱۶ء۔ سید راس محمود صاحب ناظم تعلیمات سے ملاقات
ہوئی۔ دورہ پر آئے تھے۔ رائچور کا کام ختم کرکے کل واڑی جاؤنگا۔ رائچور میں
ایک بہت اعلیٰ صفات انسان نواب ملک یار جنگ بہادر سے ملاقات ہوئی۔
یہ بزرگ حقیقت میں انسان شناس ہیں۔ لوجہ اللہ۔ دوسروںکی اعانت
اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ نواب اکبر جنگ مشہور کوتوال کے سب سے چھوٹے
صاحبزادے ہیں۔ اور یہاں دوم تعلقدار ہیں۔ براہ کرم مولوی علی کریم صاحب
وکیل۔ مولوی سید بشیر حسین صاحب اور آقا محمد جان صاحب مجھے رخصت کرنے
اسٹیشن تک آئے۔ رائچور میں پورا ایک ماہ گذرا۔

۲۹۔ نومبر ۱۹۱۶ء کی شام کو واڑی پہونچا۔ ڈاکٹر سعید الدین صاحب کے
ہاں قیام کیا۔ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں۔ گو انہیں اسلام کی محبت نے
چور کر رکھا ہے۔ لیکن دنیا میں سبکو بلحاظ مذہب بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور
ہر شخص میں اسلامی کمزوری ملاحظہ فرماتے ہیں۔ محبت اسلام اور سچائی خوب
شے ہے۔ مگر دوسروں کو برا سمجھنا اچھا نہیں۔

ڈاکٹر سعید الدین صاحب کے خط کے ذریعہ سے یکم دسمبر ۱۹۱۶ء کو
چیتاپور پہونچا۔ مولوی عماد الدین صاحب ناظم اسٹیٹ چیتاپور خاندان
قاضی نظام آباد دکن سے ہیں۔ آدمی ذی علم۔ اسلامی ہمدردی کے صحیح خوگر۔

پاکباز۔متدین ہیں۔ میرے دو لکچر یہاں ہوئے۔ انجمن معاونت المسلمین چیتاپور کے سکریٹری سے ملاقات ہوئی۔ یہ یہاں کے ایک تاجر اور ابھی نوجوان ہیں۔ وہ ایک ماہ ہوئے یہ انجمن مسلمانوں کے فائدے کے لئے کھولی ہے۔کوشش کر رہے ہیں۔خدا استقامت دے۔ خوب ہار وغیرہ پہنا کر مجھکو رخصت کیا۔چندہ یہاں کم ہوا۔کیونکہ طاعون کی وجہ سے ہلچل ہے۔

۵۔دسمبر ۱۹۱۶ء کو میں پھر واڑی واپس ہوا۔اور ۱۹۔ دسمبر ۱۹۱۶ء واڑی سے شاہ آباد پہونچا۔مولوی سید اسد اللہ صاحب نقشبندی اسٹیٹ شاہ آباد کے ناظم عدالت کے یہاں قیام ہوا۔یہ بزرگ نہایت قدیم وضع کے مولوی و عالم ہیں۔ مذاق نہایت عمدہ۔ ہزاروں پالکیاں و بہتریاں آنکھیں موجود ہیں۔سنت و فرائض کے پورے پابند۔صورت و شکل میں ایک بہترین مسلمان۔لیکن درد قوم سے ناآشنا۔

۸۔دسمبر ۱۹۱۶ء کو مدراس ایکسپریس سے بھلسہ چلا۔شاہ آباد میں سے حاجی محمد علی خاں ملازم کروڑگیری سکندرآباد کا ساتھ ہو گیا۔یہ بیچارے اپنی لڑکی کی علالت کی وجہ سے اجمیر شریف مع اپنی اہلیہ کے جا رہے ہیں۔اور کھنڈوے پر اتر پڑینگے۔بھلسہ میں ماموں صاحب قبلہ سے ملکر اور ایک دن قیام کر کے ردولی چلا آیا اور یہ سفر بخیر و خوبی ختم ہوا۔

۲۷۔دسمبر ۱۹۱۶ء کو ردولی سے کانگریس کی شرکت کے لئے لکھنؤ آیا۔حقیقت میں امسال کانگریس کا اجلاس بہت اہم ہے مسلمان و ہندو پولٹیکل اغراض میں متحد ہوئے ہیں۔سریندرو ناتھ بنرجی۔مسٹر تلک۔ اینی بیسنٹ۔بپن چندر پال ہندوؤں کے بڑے بڑے لیڈر۔اور راجہ صاحب محمود آباد۔مسٹر مظہر الحق۔مسٹر جناح۔ مسٹر سید وزیر حسن وغیرہ مسلم سربرآوردگان قوم شریک اجلاس ہوئے۔کانگریس کا جلسہ دیکھکر ۲۹۔دسمبر کو علیگڈھ پہونچا۔یہاں حساب صاف کیا۔الحمد للہ کہ میرا کام اوّل نمبر پر رہا۔

۷۔جنوری ۱۹۱۷ء سے تین ماہ یعنی آخر مارچ تک خاص اسلامیہ اسکولوں اور مکتبوں کے جاری کرانے کی خدمت دفتر کانفرنس سے سپرد کی گئی۔ ۹۔جنوری کو سلطانپور آیا۔ مسٹر انعام الرحمن نعمانی انسپکٹر کو اپریٹیو بنک سوسایٹی کے یہاں ٹھہر کر کام شروع کیا۔ اسی روز سلطانپور کے ایک مکتب کی درخواست لی گئی۔ ۱۰۔جنوری کو مولوی رفیع الدین خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر کی وساطت سے مردم شماری کی رپورٹ ملاحظہ کی اور جن مواضعات میں چار سو سے زائد مسلمانوں کی آبادی تھی انکی فہرست مرتب کر لی۔ اسکے بعد ۱۳۔جنوری سے مواضع کا دورہ شروع کیا۔ پہلے گنجیڑی۔ دہلوان۔ اور کوڑ واڑ گیا۔ دہلوان میں ایک بوڑھے مسلمان زمیندار نے بیان کیا کہ پچاس سال سے زاید ہوئے جب اس موضع میں گورنمنٹ نے ایک مدرسہ کھولنا چاہا تھا مگر ہمارے بزرگوں نے یہ کہا کہ ہم اپنے بچوں کو کرانی بنانیکے لئے اسکول میں نہ جانے دینگے۔

۱۴۔جنوری۔ منہار پور۔ نوہر دکھن وغیرہ مواضع میں گیا۔ درخواستیں لیں۔ منہار پور کے مسلمان نہایت خلیق ہیں۔ نوہر دکھن میں درخواست کی خانہ پری خود مجھکو کرنا پڑی۔

۱۵۔جنوری۔ میں مسافرخانہ آیا۔ یہ حقیقت میں مسافرخانہ ہے۔ چند بھٹیارے اور دکاندار آباد ہیں۔ دن بھر عدالت تحصیل میں مقدمات اور دیگر کاروبار کی وجہ سے آبادی و رونق رہتی ہے اور رات کو سناٹا۔ مولوی سید احمد رائے بریلوی سب انسپکٹر کے یہاں ٹھہر گیا۔ بڑے خوش خلق آدمی ہیں۔ حکیم عبدالہادی صاحب لکھنوی یہاں سب رجسٹرار ہیں۔

۱۶۔جنوری ۱۹۱۷ء۔ قاضی طرف رسولی اور رسول آباد کا دورہ کیا۔ رسول آباد میں مسلمان گھوسی آباد ہیں اور تعلیم کے بڑے دلدادہ۔ اپنی بے مائگی اور

تھوڑی سی حیثیت کے باوجود ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے۔ اسمیں اسوقت ۱۵۰ بچے پڑھتے ہیں۔ خان زادگان اس مدرسہ کو کچھ امداد نہیں دیتے۔ ابھی صرف قرآن کریم کی تعلیم ہوتی ہے۔ میں نے درجہ دوم تک کا تعلیمی نصاب درست کر دیا ہے۔

قاضی طرف رسولی کسی زمانہ میں بڑا اور پر رونق قصبہ تھا۔ اب یہاں مسلمان زمینداروں کی حالت ابتر ہے۔ گرے پڑے مکانات۔ مکین مفلسی و تنگ حالی میں مبتلا۔ زمینداریاں رہن۔ افسوس! اسلامی آبادی پر عام زوال ہے۔ رات کو مسافرخانہ میں قیام کیا۔ داروغہ سید احمد و مولوی عبدالعادل صاحب سب رجسٹرار سے نیاز حاصل ہوا۔

۱۸ ۔جنوری۔ وارث گنج۔ سدھیاوان۔ نہال گڈھ۔ کمرولی۔ اور سندروا گیا۔ شبکو سندروا میں غفور خاں صاحب کے ہاں قیام کیا۔

۱۹ ۔جنوری۔ مھونہ و نوازگڈھ ہوکر کشنی پہونچا اور وہاں شب باش ہوا۔

۲۰ ۔جنوری ستھن اور وہاں سے براہ نہال گڈھ مسافرخانہ کو واپسی۔ وہیں شب کو مقام۔

تمام مذکورۂ بالا مواضعات میں خان زادگان یا بھالے سلطان زمینداروں کی آبادی ہے۔ باہمی مناقشات اور تنازعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کرتے رہتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب صرف کاشتکاری بسر اوقات کا ذریعہ رہگئی ہے۔ جہالت نے آدمیت اور حسن اخلاق سے دور کر رکھا ہے۔ عزت کے صحیح معنی تک نہیں جانتے تعلیم سے کوئی مس نہیں۔ زندگی عسرت اور ادبار میں بسر کرتے ہیں مگر اپنی حالت کا احساس نہیں کرتے۔

راجہ یار محمد خاں صاحب (مرحوم) تعلقدار مھونہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آدمی سادہ مزاج۔ سادہ وضع اور اچھے ہیں۔ ظاہری قطع مولوی کی سی تھی معمولی نوشت و خواند

زیادہ نہیں پڑھا تھا بہت نیک مگر غیر منتظم ۔ قرضہ دو لاکھ سے زائد ۔ ریاست کی حالت ابتر ہے ۔ اولاد بھی تعلیم و تربیت سے بے بہرہ ۔ نادانی کے باعث نیک و بد کا خیال کیسے آئے ۔ اس نواح میں مسلمانوں کی عام کیفیت یہی ہے ۔ اور اسکو دیکھکر بے حد قلق ہوتا ہے ۔

سنال گڈھ چک جنگلات سے واپسی میں تھوڑی دیر کے لئے وارث گنج میں ٹھہرتا ہوا شام کو مسافر خانہ واپس آیا ۔ داروغہ سید احمد صاحب و حکیم عبد الباری صاحب نے دو دن روکا ۔ اور یہ سب وقت انکی دلچسپ صحبت میں گذرا ۔ ۲۳ ۔ جنوری کو حکیم عبد الباری صاحب ممدوح نے دعوت طعام دی اور خوب پر لطف صحبت رہی

۲۴ ۔ جنوری سلطانپور ہوکر امیٹھی آیا سب رجسٹرار محمد شریف صاحب کا مہمان ہوا ۔ آپ مسٹر بدر الحسن نعمانی ردولوی ڈپٹی کلکٹر کے دوست ہیں ۔ تحصیل ہاٹا ضلع گورکھپور میں دونوں کا ساتھ رہا تھا ۔ امیٹھی تحصیل ہے مگر اپنی بہن مسافر خانہ کی ہم وضع بلکہ اس سے بھی کچھ کمتر ۔ چند خستہ حال کسان ۔ بھٹیارے ۔ اور دیگر غریب پیشہ وروں کی مختصر آبادی ۔ مگر اس اجاڑ جگہ میں ایک خاص رونق یہ ہے کہ الہ آباد کے ایک بزرگ حکیم عبد السلام صاحب نے عالی شان مسجد بنوائی ہے ۔ اور وہ اگرچہ ابھی ناتمام ہے لیکن بڑی تفریح کی جگہہ اور بہت خوشنما ہے ۔ مسجد میں ایک مکتب اسلامیہ بھی ہے ۔ حافظ صاحب جو مسجد کے امام ہیں ۔ لڑکوں کو قرآن کریم پڑھاتے ہیں ۔ اور اردو و حساب کی بھی کچھہ تعلیم ہوتی ہے یہ مسجد تو کسی بڑے آباد شہر میں ہونے کے قابل ہے ۔ حکیم صاحب الہ آباد میں مطب فرماتے ہیں اور آجکل جنگ یورپ کی وجہ سے چندہ میں کمی ہو گئی ہے لہذا تعمیر اور تکمیل مسجد بند ہے مسلمانوں کی حالت یہاں بھی بدستور ہے ۔ جہل و ادبار میں عام طور پر مبتلا ہیں ۔

۲۵ ۔ جنوری ۱۹۱۷ء آج پرتاب گڈھ میں ہوں ۔ شیخ کفایت اللہ صاحب و نجف علی

صاحب سے ملا ہوں۔ نجف علی صاحب نے اپنا مہمان بنایا ہے۔ ۲۶ سے اس ضلع میں کام کروں گا۔

تحصیل پٹی۔ اور صدر پرتابگڈھ میں دورہ کیا۔ ان ہر دو تحصیلوں میں زیادہ تر نورباف اور قریشی مسلمان آباد ہیں۔ قریشی مسلمان کاشتکاری و زمینداری پیشہ ہیں۔ مگر زمینداریاں چھوٹی چھوٹی ہیں اور تعداد بھی کم ہے۔ زیادہ آبادی برادران ہنود کی ہے اور وہ صاحب ثروت و جاہ ہیں۔ صرف ایک مسلمان تعلقدار خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں ہیں۔ اور شیخ کفایت اللہ صاحب خود ساختہ آدمی ہیں یعنی اپنی محنت سے ترقی اور فراغت معاش حاصل کی ہے۔ اور خاص عزت پیدا کی ہے۔ انکے علاوہ بازار بابوگنج میں شیخ محمد یعقوب صاحب تاجر پارچہ ایک مدرسہ چلا رہے ہیں۔

یکم فروری ۱۹۱۷ء۔ پرتاب گڈھ سے روانہ ہو کر پھاپھامئو جنکشن کے راستہ سے لال گوپال گنج گیا۔ اسٹیشن پھاپھامئو پر قصبہ ردولی کے رہنے والے ایک کایستھ صاحب اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ہموطنی کی وجہ سے بڑی خاطرداری اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ شیرینی منگوا کر کھلایا۔ انکی عنایت کا شکرگذار ہوں۔

گوپال گنج میں اتر کر مزدور تلاش کر رہا تھا کہ نندورا تک جاؤں۔ اسی اثنا میں مولوی حبیب اللہ صاحب زمیندار نندورہ کے برادر خرد مل گئے اور وہ اپنے ساتھ کمال راحت سے نندورا لے گئے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب نندورہ کے شیخ زادہ اور شریف بزرگ ہیں۔ زمینداری اور ملازمت سرکاری نے انکے خاندان کو ممتاز بنایا ہے۔ خلیق و مہمان نواز ہیں۔ درد قوم بھی دل میں ہے۔ ۲۔ اگست ۱۹۰۹ء سے لال گوپال گنج میں ایک اسلامیہ مدرسہ انکی زیر سرپرستی جاری ہے اس وقت ۴۵ بچے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اور اردو کی تعلیم دیجاتی ہے حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کو آجکل لعہ ماہوار ایک کتب کمیٹی

سے ملتے ہیں - باقی چندہ سے خرچ ہوتا ہے - چندہ مستقل نہیں - اسکی ایک شاخ موضع بھاڑی میں بھی ہے - ایک مولوی صاحب - ایک حافظ صاحب - اور ایک اردو مڈل پاس مدرس تین استاد ہیں طلبہ کی تفصیل حسب ذیل ہے -

| | | | |
|---|---|---|---|
| درجہ عربی میں | ۶ | درجہ حفظ قرآن کریم میں | ۴ |
| درجہ فارسی و اردو میں | ۴۴ | بھاڑی کے مدرسہ میں ۳۰ لڑکے ہیں | |

اور اردو و حساب کی تعلیم ہوتی ہے - اردو کورس انجمن حمایت اسلام لاہور کا نصاب میں داخل ہے - سچ تو یہ ہے کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے ایسے دردمند اسلام آدمی کم دیکھنے میں آئے ہیں - ان کاموں میں آپکا انہماک زائد از وصف ہے - میری میزبانی بڑی خوش اسلوبی سے فرمائی - آپکے والد بزرگوار مولوی عظیم اللہ صاحب تحصیلدار - میرے بزرگ منشی حاجی محمد کرم رحمٰن صاحب نعمانی سابق تحصیلدار کے خاص دوست ہیں -

۳ - فروری کو کنڈہ میں آیا عبدالمجید صاحب سب رجسٹرار ساکن الہ آباد کے یہاں سامان رکھکر اسی وقت دوسرے موضع کو چلا گیا اور وہاں سے درخواست لیکر کنڈہ واپس آیا - کنڈہ تحصیل کا صدر مقام اور کسی قدر آباد ہے شیخ - سید - اور پٹھان معزز یہاں رہتے ہیں اور زمیندار ہیں - یہاں کے عام مسلمان باشندے باستثنائے چند کلکتہ و بمبئی میں مزدوری کرتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ چار یا پنچ سال وہاں رہکر خرابی آب و ہوا کے باعث سخت بیمار ہوتے اور گھر واپس آکے سفر آخرت کر جاتے ہیں - یہ سب شریف عربی النسل شیوخ وسادات ہیں اور خالص پٹھان - رات کو سب رجسٹرار صاحب ممدوح کے یہاں ٹھہرا صبح کو پریانواں پہنچا - اور خان بہادر احمد حسین صاحب تعلقدار کے دولت کدہ میں قیام کیا - خان بہادر موصوف ضلع پرتاب گڈھ کی کتب کمیٹی کے ممبر بھی ہیں -

لیکن کیا عرض کروں "چراغ تلے اندھیرا" کے مصداق خاص پر یانواں میں نہ کوئی مکتب ہے نہ مدرسہ!!!

خان بہادر صاحب ماشاءاللہ ایک منتظم تعلقدار ہیں۔ اگرچہ بار قرض کچھ بھی نہیں تاہم دو سال سے اپنا تعلقہ کورٹ آف وارڈس کے ماتحت کرا دیا ہے علمی مذاق نہایت عمدہ ہے۔ صاحب تصانیف و تالیفات ہیں۔ شاعر و منشی۔ ذیعلم و قدرداں کمال ہیں۔ کئی تصانیف اپنی مجھے عنایت فرمائیں۔ انکے بڑے صاحبزادہ سے ملاقات ہوئی وہ بھی معقول رئیس زادہ ہیں مجھکو ہرطرح راحت ملی۔ دوسرے ہی دن صبح کو پریانواں سے روانہ ہو گیا۔ صرف دو درخواستیں ایک پریانواں کی اور ایک مرجع پور کی روانہ کیں اور خاں بہادر ہی کی سواری پر مانک پور آیا۔ عبدالوحید خاں صاحب رئیس کے ہاں ٹھہرا۔ یہ نہایت صحبت یافتہ۔ خوش تقریر۔ اور معاملہ فہم معزز شخص ہیں۔ پہلے ضلع اٹاوہ کی کسی ریاست میں کارکن تھے اب خود زمیندار اور خوش باش ہیں۔ خلیق و شریف انسان ہیں۔

مانک پور مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ حضرت شاہ حسام الحق حسینی نقمانی قدس سرہ کا مزار پرانوار یہاں واقع ہے جو بزرگان سلون ضلع رائے بریلی کے شیخ تھے۔ مزار کے متعلق کچھ معافی بھی ہے۔ مگر پیرزادگان کا حال تباہ ہے۔ باہمی تنازعات اور مقدمہ بازی کا انہیں زور ہے۔ ایک بزرگ زادہ مولوی ظہور الاسلام صاحب نامی درگاہ شریف میں ایک مدرسہ جاری کئے ہیں۔ صرف ایک مدرس مقرر ہے۔ سات روپیہ ماہوار مدرسہ کو ڈسٹرکٹ بورڈ سے ملتے ہیں اور پانچ روپیہ ماہوار شاہ صاحب حبیب خاص سے عطا فرماتے ہیں۔ اسی ۱۲؎ روپیہ میں مدرسہ کا خرچ پورا ہوتا ہے۔ اسوقت بیس طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ عربی۔ فارسی کے

۵

اُردو کے۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ لیکن ایک مدرس کو اتنا وقت کہاں سے ملے کہ وہ ہر چیز کی تعلیم بخوبی دے سکے اس لئے تعلیم میں نقص ہے۔ اور مدرس صاحب بھی بڑے فاضل و قابل نہیں۔

مانک پور پہلے سادات کی ملکیت میں تھا۔ اب بڑا حصہ پٹھانوں کے پاس ہے اور انکی حالت اچھی ہے لیکن ان میں و نیز عام مسلمان آبادی میں تعلیم کی بیحد کمی ہے۔ اتنے بڑے قصبہ میں صرف دو انٹرنس پاس اور ایک فاضل مولوی صاحب ہیں۔ باقی بس۔ گردش زمانہ کا تماشا یہ دیکھا کہ میں جس اکہ پر آرہا تھا اسکا اکہ بان سابق اصل زمیندار مانک پور کا پوتا تھا۔ جواب اس حال میں ہے کہ اکہ بانی سے اپنی اوقات گذرانی کرتا ہے۔ پیرزادگان میں سے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ممالک متوسط میں گورنمنٹ کے مناصب پر قائز ہیں۔

۷۔ فروری ۱۹۱۷ء۔ آج میں گونٹی میں ہوں۔ یہاں پٹھانوں اور مختلف گونٹھ کے مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اور سب پر جوش مسلمان ہیں۔ ابتدائی تعلیم عام ہے اور اسی کے ساتھ علمی ذوق بھی پیدا ہے۔ گونٹی میں اس علمی پیاس اور ذوق کے اصلی محرک یہاں کے ایک معقول زمیندار محمد علیم خاں صاحب ہیں۔ یہ صاحب پانچ سال سے ایک مدرسہ اچھی حالت میں چلا رہے ہیں۔ ۔۔۔ ماہوار مدرسہ کا خرچ ہے۔ آجکل ابنائے وطن کی ناد ہندی اور عدم تعاون سے عاجز آکر اس مدرسہ کو اسپشل اسلامیہ اسکول بنا رہے ہیں۔ میں نے مدرسہ کو تفصیلی طور پر دیکھا اور طلبہ کا امتحان بھی لیا۔ تعلیم و نصاب تعلیم دونوں بہت خوب ہیں۔ تین مدرس اور ۴۳ طلبہ ہیں۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ اور اُردو زبان اور حساب و جغرافیہ کی ابتدائی تعلیم ہوتی ہے۔

جولائی ۱۹۱۶ء سے ڈسٹرکٹ بورڈ سے ۵ مہ ماہوار ملتے ہیں۔ یہاں ایک ریڈنگ روم بھی ہے۔ کئی اخبار اور رسائل آتے ہیں محمد علیم خاں صاحب نہایت صاحب دل اور زمانہ کے تازہ معلومات سے بہرہ ور ہیں۔ ان سے دیر تک تعلیمی مسائل پر گفتگو رہی ممدوح کو اپنی جائداد کے انتظام میں مصروف رہنے سے کچھ زیادہ وقت بچتا تو وہ مدرسہ کو بڑی شان پر پہونچا دیتے۔ تاہم یہ انکی توجہ اور محنت ہی کا ثمرہ ہے کہ گوتنی میں تعلیم کی طرف لوگوں کو توجہ ہے اور علم کا ذوق پیدا ہو چلا ہے۔

میرا قیام محمد مسلم خاں صاحب کے یہاں رہا۔ اور انکی مہماں نوازی سے راحت اندوز ہوا۔ گوتنی کے خاں صاحبان زمینداری کے علاوہ سرکاری ملازمتوں پر بھی مامور ہیں اور اسی وجہ سے خوشباش اور کسی قدر فارغ البال ہیں۔

گوتنی سے کنڈہ ہوتا ہوا موضع ڈروا میں گیا۔ اس موضع میں خوش حال نوریاف آباد ہیں۔ یہاں سے بھی درخواست مدرسہ کی لی۔ اور پرتابگڈہ واپس آیا۔

پرتاب گڈہ میں عدالت کلکٹری اور ڈسٹرکٹ بورڈ سے ضروری معلومات کام کے متعلق حاصل کی۔ اور یہ دیکھکر کہ اب اس ضلع میں زائد کارگذاری کا میدان نہیں فیض آباد چلا گیا۔

فیض آباد سے بوجہ علالت مکان پر آیا اور ایک ہفتہ سفر نہ کر سکا۔ بعدہٗ فیض آباد گیا تو ڈپٹی صاحب دورہ پر تھے مجبوراً ضلع بارہ بنکی کا رخ کیا اور منشی اکبر علی صاحب سررشتہ دار کلکٹری سے امداد لیکر کتاب مردم شماری حاصل کی۔ مواضعات کی فہرست تیار کر لی۔ یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ ضلع بارہ بنکی میں شریف مسلمانوں کی آبادی بکثرت ہے۔ سلطانپور و پرتابگڈہ میں چارسو سے زائد مسلم آبادی رکھنے والے مواضعات بترتیب ۵ و ۳ و ۲۲ تھے۔ مگر ضلع بارہ بنکی

ہیں ایسے دیہات ۸۶ نکلے ۔ اب انکی اخلاقی حالت کی دیکھ بھال دورہ کے زمانہ میں کروں گا۔

۴۔ مارچ ۱۹۱۷ء قصبۂ سترکھ ۔ اسمیں شریف مسلمان آباد ہیں سید شیخ اور پٹھان بھی ہیں ۔ قاضی زین العابدین صاحب شیوخ میں سر برآوردہ و ممتاز ہیں ۔ پٹھانوں کی حالت زیادہ اچھی ہے غنی محمد خاں صاحب و اولاد محمد خاں صاحب معزز اصحاب میں ہیں اور سب بھائی اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں ۔ میں قاضی وجیہ الدین صاحب کے ہاں فروکش ہوا۔

چودھری صاحبان میں ایک چودھری اصغر علی صاحب منتظم و خوشباش ہیں۔ باقی اصحاب کی حالت درست نہیں اور نہ علم و ہنر کا ذوق کسی میں ہے۔

۵۔ مارچ ۔ دیوہ شریف میں فدا علی صاحب کے ہاں قیام کیا۔ محمود علی صاحب سے ملا ۔ یہ صاحب مزار پر انوار حضرت حاجی سید وارث علی شاہ قدس سرہٗ کے مدرسہ اسلامیہ کے مہتمم و نگراں ہیں ۔ علاقہ بہار کے ضلع گیا کی ایک مسلمان خاتون عایشہ بی بی نے اس مدرسہ کے لئے تو سنو روپیہ سالانہ کا وقف کیا ہے ۔ مدرسہ میں ایک عالم اور دو حافظ صاحبان درس دیتے ہیں۔

حضرت حاجی وارث علی شاہ قدس سرہٗ تیرھویں صدی ہجری کے بڑے نامی اور کامل درویش ہیں ۔ آپکے مریدین کا ایک گروہ شیخ کی طرح دنیاوی تعلقات سے آزاد اور تہبند پوش یعنی احرام میں ملبوس ہے ۔ انمیں اکثر شریعت کے احکام ظاہری کی پابندی سے بھی آزاد ہیں ۔ اور صرف "یا وارث" کا وظیفہ ورد زبان رکھتے ہیں ۔ انکے متعلق میں حسن عقیدت نہیں رکھتا ۔ دوسرا گروہ عام مرید ہونے والوں کی طرح برائے نام مرید ہوا ہے اور دنیاوی تعلقات کی زندگی بسر کرتا ہے ۔ حاجی صاحب قدس سرہٗ کے بعد پہلے سجادہ نشین

سید ابراہیم صاحب ہوئے تھے۔ احمدیہ پوش جماعت ابتدا سے انکے خلاف تھی اور انکو مقدمہ بازی میں مبتلا کر لیا تھا۔ لیکن عدالت سے سید صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سید ابراہیم صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اور انکی جانشینی کے لئے دو فریق برسرجنگ ہیں۔ معاملہ عدالت میں پہنچ گیا ہے ع۔ ہڈیوں پہ میری لڑتے ہیں سگان کوئے دوست!!!

شرفاء ردیوہ میں شیخ فخر الدین صاحب کی حالت بہتر ہے۔ باقی سب باہمی نزاعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کر کے برباد ہو رہے ہیں۔ علم کا ذوق اور کمال کا شوق کیسے ہو۔

۱۰۔ مارچ۔ فتحپور میں آیا۔ شریف زمینداروں کا قصبہ ہے۔ سید اور شیخ زمیندار ہیں لیکن یہاں کے ہونہار اور معزز اصحاب ریاست حیدر آباد دکن میں مناصب عالیہ پر فائز ہیں اور کسب معاش کرتے ہیں۔ انہیں سے کچھ تو وہیں بود و باش اختیار کر چکے اور چند وطن کے ساتھ بھی تعلقات قائم کئے ہیں۔

منشی احسان علی صاحب فصیح بڑے باکمال شاعر ہیں۔ ان سے نیاز حاصل ہوا۔ مگر اب انکے حواس درست نہیں ہیں۔ اس قصبہ میں ضلع اور اس جوار کے مایۂ ناز بزرگ مولوی عابد حسین صاحب قبلہ ہیں آپ علم و عمل اور کمالات معنویہ کے جامع اور حقیقت میں لائق زیارت ہیں۔ آپکا دینی و مذہبی حلقہ اثر بھی بہت وسیع ہے۔ عام طور پر لوگوں سے ملتے ہیں اور اسی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ جو قدیم زمانہ کے علماء ربانیین کی شان تھی۔ آپنے ایک مدرسہ اسلامیہ بھی جاری کر رکھا ہے جسمیں اسوقت ۵۰ طلبہ پڑھتے ہیں۔

فتحپور کے شیعہ جماعت میں حکیم ابو القاسم صاحب نہایت معزز اور پابند وضع القسان ہیں۔

میں نے منشی حسین الدین صاحب سب انسپکٹر کے یہاں قیام کیا۔ آپ ایک خاص نشان ہیں۔ بیحد مخلص۔ دوست نواز۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ شاعری کا بھی مذاق اچھا ہے۔ اور ہر دل عزیز ایسے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فتحپور سے فیروزپور قریب ہے۔ وہاں میرے نہایت سچے دوست مرزا عابد علی بیگ صاحب رئیس دریاباد زراعت کے کام میں مصروف ہیں۔ اُن سے ملنے چلا گیا۔ مرزا صاحب کو جناب حاجی نواب محمد اسحٰق خان صاحب (مرحوم) کے ساتھ تعلق قرابت ہے۔ ہونہار اور سعید نوجوان ہیں۔ مرزایان دریاباد کے خاندان سے ہیں۔ اگر دریاباد ہی میں پڑے رہتے تو ترقی اور مشغول زندگی کا لطف نہ اٹھاتے مگر اچھا ہوا کہ انھوں نے فیروزپور میں آکر زراعت کا شغل کیا اور ماشاء اللہ انہیں اتنی کامیابی ہوئی ہے کہ ایک اچھے زمیندار کے برابر حیثیت اور آمدنی پیدا کر لی ہے۔ اللھم زد فزد۔ چند گھنٹے انکی دید سے مسرت اندوز ہو کر رات کو فتحپور واپس آگیا۔

۴۔ مارچ ۱۹۱۷ء۔ آج میں قصبہ سہالی میں ہوں۔ یہ قصبہ علمائے فرنگی محل لکھنؤ کا قدیم اور اصلی مسکن ہے۔ تین صدی سے ان علماء نے شہر لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے شاہنشاہ نورالدین جہانگیر خلد مکان کے عہد میں نقل مکان کیا تھا۔ قصبہ سہالی میں ابتک انکے ہم نسب اور ایک جدی اصحاب موجود ہیں اور زمیندار کی حیثیت سے ہیں۔ اگرچہ اب یہ قصبہ راجہ صاحب جہانگیر آباد کے تعلقہ میں شامل ہے تاہم یہاں کے شرفا ماتحت داری کے طور پر قابض و دخیل۔ اور زمیندار کی پوزیشن رکھتے ہیں۔

عالی نسب شیوخ انصاری کے صرف پانچ گھر یہاں رہگئے ہیں۔ باقیماندہ آبادی مسلمان اہل حرفت کی ہے۔ نورباقوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہاں صرف

ایک حکیم عباد الدین صاحب طبیب اور علوم عربیہ کے فاضل ہیں۔ باقی شرفا معمولی پڑھے لکھے ہیں۔ انگریزی علوم کا یہاں چرچا نہیں۔ چھ ماہ سے ایک مکتب قطبیہ اسلامیہ یہاں قایم ہے۔ ۳۵ طلبہ اسمیں پڑھتے ہیں۔ محمد ایوب صاحب کاکوری ضلعدار ریاست محمود آباد اس مدرسہ کی ترقی اور تنظیم میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب انصاری مکتب کے منیجر ہیں۔

مولانا قطب الدین صاحب انصاری مصنف کتاب تنقید کا مزار اسی قصبہ میں ہے۔ مولانا نظام الدین احمد صاحب انصاری قصبہ نرول سے سہالی میں آئے تھے۔

رام نگر۔ سہالی سے رام نگر آیا اور مولوی رحمت اللہ صاحب غازیپوری سب انسپکٹر پولیس کے ہاں ٹھہرا۔ پولیس میں ایسے سیدھے سادے مسلمان کم ملینگے۔ نہایت نیک مزاج۔ خوش اخلاق۔ اور ملنسار انسان ہیں۔ یہیں انکے بھائی مولوی اشرف اللہ صاحب بی۔ اے۔ انسپکٹر رجسٹریشن ریاست بھوپال سے نیاز حاصل ہوا۔ بہت خوش خلق و خندہ رو آدمی ہیں۔ راجہ صاحب رام نگر کا علاقہ سالانہ چار لاکھ روپیہ بچت کا ہے۔ مگر رئیس بیحد سادہ مزاج ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سادھوؤں کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ لباس و بستر کمبل اور گاڑہا۔ غذا معمولی مزدوروں سے بھی گئی گذری۔ یہ بھی ایک آن ہے۔ اور اللہ کی شان ہے۔

مواضع سعادت گنج و نواب گنج میں لوریات مسلمان آباد ہیں۔ وہاں جانے پر اہل دیہہ سمجھے کہ جنگی بھرتی کرنے والا سرکاری آدمی آیا ہے۔ کوئی نزدیک نہیں پھٹکا۔ ناچار سب کے دروازوں پہ جا کر انکا شک دور کیا اور درخواست مکتب کی خانہ پری کرائی۔ یہاں سے ایک موضع حضرت پور نزدیک ہے۔

وہاں شرفا کی آبادی تھی۔ گیا تو معلوم ہوا کہ قاضی شیخ ولی محمد خاں صاحب دربار عالمگیری کے قاضی تھے۔ موضع انکا آباد کیا ہوا ہے۔ اور انکی اولاد اسپر قابض رہی اور ہے۔ مگر غدر و زمانہ سے اب یہ حالت ہے کہ بانی موضع کی اولاد جو یہاں کی زمیندار بھی ہے تباہ حال ہے۔ زمیداری نام کی رہگئی ہے۔ علم و کمال سے شوق نہیں خانہ جنگی اور ادبار زدہ جماعتوں کے طریقے انھیں دیکھے۔ اتفاق سے میں وہاں پہنچا۔ تو اسی دن امام مظلوم شہید کربلا علیہ السلام کی مجلس عزا تھی۔ ذکر شہادت اور بیان مصائب شروع ہونے سے پہلے ہی حضار نے شور شیون بپا کر دیا۔ اور "بر یزید و بہی خواہان یزید لعنت" کے جملے سے ماتم شروع ہوا سب ملکر یہی غل مچاتے تھے۔ میں ڈرتا تھا کہ کہیں اور کچھ نہ بکنے لگیں۔ اس لئے تیور بدل لئے خیر شکر ہے کہ سب خاموش ہو گئے اور کچھ مرعوب بھی ہوئے۔ میں نے کہا کہ رودھو کر سلطنت تو کھودی اب کیا باقی ہے جو چین نہیں لیتے۔ یہ سنکر پشیمان سے ہوے۔ مگر عادت کا پورا کرنا ضروری تھا۔ اپنے شغل میں منہمک ہو گئے مجلس ختم ہوئی تو لوگوں نے ناچنا کودنا اور خفیف حرکتیں کرنا شروع کر دیا جس سے مجھکو اور کبیدگی ہوئی۔ تو رہا گیا پوچھ بیٹھا کہ آپ لوگوں نے دربار اودہ کے زیر سایہ شیعیت اختیار کی ہے یا پہلے سے امامیہ مذہب تھے۔ جواب ملا کہ "قاضی صاحب خود شیعہ تھے۔ عالمگیر کے خیال سے دربار میں تقیہ کئے رہے سلطنت اودہ کے دور میں ہملوگ تقیہ کا لبادہ اُتار کر اصلی رنگ میں نمایاں ہو گئے۔" اس وقت تقیہ کی فلاسفی کے مزے لے رہا تھا اور خاموش تھا۔

بہرحال علاقہ رام نگر کے مواضع کو دیکھ بھال کر بارہ بنکی واپس آیا تو منشی نواب علی صاحب وکیل کو ایک ڈپٹی صاحب کی سہر عدالت توہین بالضرب کے مقدمہ میں بدنام سنا۔ سخت افسوس ہوا دنیا کی کج فہمی پر۔ یہ شریف انسان

ہرگز ایسے کاموں کے پاس پھٹکنے والا نہیں ہو سکتا۔ اتہام محض غلط۔ افترا۔ اور تعصب کا کرشمہ ہے۔ (ایسا ہی ثابت ہوا۔ اور منشی صاحب کا دامن پاک نکلا۔ مولف)۔

۱۴ / مارچ ۱۹۱۷ء۔ شہاب پور میں نوربافت مسلمانوں سے درخواست مکتب لینے کی کوشش بے سود ہوئی۔ ان بندگان خدا نے ایک نہیں تعلیم اور تعلیم پر لعنت بھیجکر مجھے وہاں سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کردیا۔ یہاں سے سرسنڈہ آیا۔ شریف زمینداروں کی حالت زار دیکھی۔ مگر جوہر نجابت کچھ چمک رہا تھا۔ درخواست لی۔ اور وہاں سے رسولی پہنچ گیا۔ شیخ عبد الرشید صاحب نائب تحصیلدار کے ہاں قیام کیا۔ آپ عارضہ درد عرق النسا میں علیل اور رخصت پر ہیں۔ علاج میں مصروف ہیں۔ آج مسہل ہوا ہے۔ مجھکو مکان میں بلوا کر ملے۔ ہیں انکے برادر زادہ شیخ محمد احمد صاحب کو ساتھ لیکر کند بہئی پور گیا۔ مولوی حاجی احمد صاحب وہاں تھے۔ ان سے درخواست مکتب پر دستخط لئے اور انہیں کی وساطت سے عرضی روانہ کردی گئی۔ رسولی شریف کی بستی اور ماشاء اللہ تعلیم وتربیت۔ عزت ووجاہت۔ اور خوشحالی میں بھی غنیمت ہے۔

رسولی ہی میں میری ایک سفر حج کی رفیقہ اور خواہر خواندہ چچا جو میاں صاحب کی دختر موجود تھیں۔ سلام اور مزاج پرسی کے لئے انکے دروازہ پر گیا۔ نہایت محبت سے شب کو قیام کرنے کا اصرار اور مرغ کباب کھلانے کا وعدہ کیا گیا۔ مگر میں رک نہیں سکتا تھا۔ عرض کیا کہ شیخ سدو یا پیر بٹیلے نہیں ہوں کہ مرغا کھائے بغیر نہ جاؤں۔ معاف فرمایئے۔ زندگی ہے تو پھر کبھی حاضری ہوگی۔ ہزار چاہا کہ سلام وخیریت پرسی پر ٹل جائے۔ لیکن شرفا ورؤساء جوار کے اخلاق وعادات کب مانتے۔

ایک روپیہ کی مٹھائی ساتھ کردی۔ اور یہیں رسولی سے موضع داؤد آ گیا۔ شیخ احمد حسین صاحب رئیس داؤد آباد۔ اس جوار میں سربرآوردہ زمیندار اور خاص اثر کے آدمی ہیں۔ عدالتی کاروبار میں اپنا مثل نہیں رکھتے۔ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ مگر کام یہاں کچھ نہ ہو سکا۔ غنی احمد صاحب رئیس و زمیندار داؤد آباد نے کرم فرمایا اور اپنا اکہ عنایت کیا۔ جس میں تلبیری آیا۔ شب کو اسی موضع میں شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو قصبہ سدھور پہنچ گیا۔

سدھور۔ قدیم قصبہ ہے۔ شریف مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اہل علم اصحاب طریقت۔ اور زمیندار سب یہاں تھے۔ قریشی سادات اور شیوخ کے علاوہ انصاریوں کا بھی یہاں مسکن ہے۔ منشی نثار احمد صاحب منیجر مکتب اسلامیہ حمیدیہ شیخ انصاری ہیں۔ مکتب کا معاینہ کیا۔ قرآن کریم ناظرہ اور حفظ کی تعلیم ہوتی ہے۔ ۲۴ لڑکے پڑھتے ہیں۔ نثار احمد صاحب کسی طرح مکتب کو چلا رہے ہیں۔ اسکی درخواست بھی مکتب کمیٹی میں ارسال کردی گئی۔

سدھور کے سادات میں جناب سادھو میاں صاحب کے مورث شاہ نجم الدین صاحب سلطنت اودھ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ لاکھوں روپیہ کی لاگت کی عمارتیں بنوا گئے ہیں۔ جو اسوقت ابتر حالت میں ہیں۔ سادھو میاں صاحب باکمال درویش اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ اب انکا عرس ہوتا ہے عام طور پر شریف خاندانوں کی حالت درست نہیں۔ علم و کمال کا چرچا مفقود۔ بستی کی رونق کیونکر ہو۔

سیدنپور۔ سدھور سے براہ راست سیدنپور آیا۔ شیخ امجد علی صاحب مرحوم کے ہاں قیام کیا اور وہاں سے میلا رائے گنج۔ دریا آباد۔ قصبہ اچھولی اور ٹکیٹ نگر ہوتا ہوا اپنے وطن قصبہ رودولی میں پہنچ گیا۔ انجمن رفاہ المسلمین

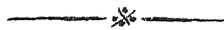
کے مدرسہ کا معائنہ کیا۔ دو سال کے بعد آج اس مدرسہ کو دیکھکر دل خوں ہوگیا۔ مدرسہ کی حالت سخت ابتر ہے۔ محض گورنمنٹ کی امداد پر چل رہا ہے۔ افسوس کہ برادران وطن باوجود عالی النسبی و علو ہمت ایک ابتدائی مدرسہ کو بخوبی چلا سکنے سے بھی قاصر ہیں۔ دنیا انکی علم پژوہی اور حوصلہ مندی کی کیا تعریف کریگی !!!

———— ※ ————

۲۰۔ مئی ۱۹۱۷ء سے کانفرنس نے مجھے تعلیم المسلمین اودہ کو دو ماہ کے لئے مستعار دیا ہے۔ اور میں لکھنؤ میں فراہمی چندہ کا کام کر رہا ہوں۔ بسم اللہ کر کے سید احمد حسین صاحب تاجر سے ملا۔ کاروباری آدمی اور شان کے بزرگ ہیں۔ مگر میری کاربرآری نہو سکی۔ بلکہ ملک کی شان بڑہانے کی فکر نہ کی۔ یہاں سے بیرنگ واپس چلا۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر سکرٹری اور معتمد انجمن تعلیم المسلمین اودہ ہیں۔ آپنے ۱۹۱۶ء سے اس خدمت کو سنبھالا ہے۔ آپ سے قبل مولوی نظام الدین حسن صاحب معتمد انجمن تھے اور یہ انجمن کانفرنس کی ایک شاخ تھی۔ مگر چونکہ مولٰنا عملی پہلو سے کنارہ کش ہیں اس لئے انجمن کا نام ہی نام رہا کام کچھ نہیں ہوسکا۔ نواب صاحب نے یہ بار سنبھالا اور کسی محنتی کارکن کے جویاں ہوئے سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے میرا ذکر کیا۔ اس لئے میں علی گڈھ سے طلب ہوا ہوں۔ اب شرم خدائے پاک کے ہاتھ ہے اگر یہ کام بن پڑے تو اودہ کی تعلیمی حالت بہتر ہوجائیگی۔

۲۱ و ۲۲۔ مئی کو لکھنؤ میں گشت کیا۔ مولوی فرزند علی صاحب وکیل نے شروع جون میں چندہ موعودہ عطا کرنے کا وعدہ کیا اور حافظ محمد حسین صاحب سوداگر بیجلی گنج لکھنؤ نے ایک سو چھ روپیہ نقد عطا فرمادئے۔ ۲۵۔ کو مولوی سمیع اللہ بیگ وکیل نے فرمایا کہ اورنگ آباد ضلع لکھیم پور جاکر سید تصدق حسین صاحب سے

چندہ موعودہ لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ جب لکھیم پور جانا ہے تو وہاں سے اور بھی چندہ کیوں نہ لایا جائے۔ چنانچہ گشتی خطوط چھپوائے گئے اور میں ۳۱۔ مئی کو لکھیم پور پہونچا۔ مولوی سمیع اللہ صاحب کے ہاں اسباب رکھدیا اور کام کے لیئے آمادہ ہوا۔ لیکن رات ہی سے حرارت ہو گئی اور صبح کو زور کا بخار تھا۔ دفتر کانفرنس کو گھبراہٹ میں اپنی واپسی کا خط لکھدیا۔ ۲۔ جون کو طبیعت سنبھل گئی۔ اُٹھا۔ قاسم حسین صاحب سے ملا۔ صاحب درد آدمی ہیں۔ کچھ کام ہوا۔ مگر پھر بخار ملنے آگیا۔ اور یہ سلسلہ علالت اسقدر بڑھا کہ انجمن تعلیم المسلمین اودھ کی خدمت گذاری کی حسرت دل ہی میں رہگئی۔ دو ماہ سے زائد عرصہ تک لکھنؤ اور دہلی میں اطبا و ڈاکٹر صاحبان کا علاج کرتا رہا۔ آخر لکھنؤ میں ڈاکٹر سیگا اور حکیم ڈاکٹر محمد عمر صاحب کے علاج سے صحت میسر آئی۔ اسکے بعد ضعف سے نجات حاصل کرنے کے لیئے دو تین ہفتہ تک لکھنؤ میں رہا۔ اور اگست ۱۹۱۷ء کی آخری تاریخ کو علی گڈھ دفتر کانفرنس میں حاضر ہو گیا۔ یہ سال جنگ یورپ کی وجہ سے سخت خراب ہے۔ آبرو خدا کے ہاتھ ہے۔ دائمی سرخروئی کی لاگ کام میں مددگار ہوگی۔ اور دل کی آگ کامیابی ہی کے پانی سے بجھیگی۔ واللہ المستعان۔



۴۔ ستمبر ۱۹۱۷ء ایکسپریس ٹرین پر ۴½ بجے شام کو علی گڈھ سے روانہ ہوا۔ دہلی ہوکر منماڑ کو چلا۔ صبح کو جھانسی میں چاء پی۔ اسی جگہ قادیاں کی کمائی جماعت کے پُرجوش رکن مدثر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ اپنی جماعت کی مشن پر بمبئی کے عازم ہیں۔ ۶۔ ستمبر کی ڈیڑھ بجے رات کو منماڑ پہنچگیا۔ صبح اور سویرے موٹر کی سواری پر مالیگاؤں آیا۔ مولوی عبدالحمید صاحب سکرٹری انجمن ہدایت الاسلام مالیگاؤں کا مہمان ہوا۔

**مالیگاؤں**۔ ضلع ناسک صوبہ بمبئی میں ایک چھوٹا سا قصبہ اور دیسی کپڑہ کی

منڈی ہے۔ یہاں صرف ساڑیاں بنی جاتی ہیں۔ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ اور الہ آباد کے نوریاف مسلمان یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ اور اپنی محنت کے ذریعہ سے خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھیں سے بعض اشخاص دستکاری سے آگے بڑھکر بیوپاری بھی ہو گئے ہیں۔ اسی گروہ میں سے عبدالحمید صاحب اور امیرالدین صاحب دو پُرجوش افراد نے سعی موفور کرکے انجمن ہدایت الاسلام قائم کی ہے۔ آٹھ سال سے یہ انجمن قائم ہے۔ اسکے زیر اثر ایک انگریزی مدرسہ سکنڈ اسٹینڈرڈ تک اور ایک نائٹ اسکول جاری ہے۔ میں نے مدرسہ کے طلبہ کا امتحان لیا۔ تعلیم معقول ہے۔ تعداد طلبہ ۷۲۔ استاد محنتی ہیں۔ مدرسہ کا اٹھان اچھا ہے۔ انشاءاللہ کامیاب ہوگا۔ ایک مخلوط مدرسہ عربی۔ فارسی۔ اور اردو کا بھی تین سال سے یہاں جاری ہے اور اسکے ناظم مولوی عبدالمجید صاحب ہیں۔ اس مدرسہ کے طلبا کا بھی امتحان لیکر دیکھا۔ نصاب کے باضابطہ اور مدرسین کے ماہر نہ ہونے کی وجہ سے معمولی مکتب کی سی تعلیم ہے۔ شاید اصلاح سے ترقی نمایاں ہو۔ میں نے نصاب کی درستی میں حصہ لیا اور انجمن والوں اور اس مدرسہ کے بانیوں کی باہمی رنجش دور کرنے میں ناکام سی کوشش کی۔ "اور یار زندہ صحبت باقی" کہکر یہ وعدہ کیا کہ جب تک دکن کے دورہ پر آتا رہونگا۔ اس مدرسہ سے دلچسپی لینے میں کمی نہ کرونگا۔ یہاں سے ۵/ روپیہ کانفرنس کے لئے چندہ وصول ہوا۔ اور ۱۲ ستمبر کو میں مقام منماڑ میں آگیا۔ مسٹر محمد ایوب صاحب دلال کو اپنا میزبان بنایا۔ انکی دکان جائے قیام ہے۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا بڑا جنکشن ہے۔ یہاں زیادہ تر مسلمان آبادی قلیونکی ہے۔ باقی مسلمان بہت کم ہیں۔ سیٹھ طیب میمن ممبر لوکل و میونسپل بورڈ منماڑ صاحب دولت اور اہل دل مسلمان ہیں۔ انکو مسلمانوں کی تعلیمی واماندگی کا احساس اور اس کمی کو دور کرنے کا خیال ہے۔ کام کرتے ہیں اور کوشاں رہتے ہیں لیکن عام غفلت

برادران قوم کو مست خواب کئے ہے - یہ بیچارے کیا کریں - ۱۳ و ۱۴ ستمبر دو دن منماڑ میں بیکار رکھ کر ۱۵ کو میں ایور ضلع ناسک کو گیا - ایوب میاں صاحب وہاں میرے ساتھ تھے - یہاں بھی مسلمان نوربافوں کی آبادی ہے - اور وہ دو قسم کے ہیں ایک ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے تارک الوطن - اور دوسرے خاص دکھنی - ہر دو جماعتیں باہم اختلاف رکھتی ہیں - تعلیم کا اکثر لوگوں میں وجود ہے - لیکن زیادہ تر عربی و فارسی داں ہیں اور اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں - انگریزی تعلیم سے ذوق نہیں - اور عام طور پر جہالت کا زور ہے -

ایور میں مولوی احمد اللہ صاحب برہان پوری عالم و طبیب اور نعت گو شاعر ہیں - نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی صحبت دیکھی ہے - پہلے یہاں بہت با اثر اور صاحب عزت تھے - اب وہ بات نہیں - پھر بھی دم غنیمت ہے - اس قصبہ میں بوروں کی جماعت سے چند افراد اچھی حالت میں ہیں - اور ایک خاں صاحب بھی خوشحال ہیں - قومی درد کی کمی ہے - ایک انجمن اور نائٹ اسکول نام کیلئے قایم ہے - دلوں کی حالت درست نہیں کام کو فروغ کیونکر ہو - صرف ایک منشی محمد حسین صاحب تارکش اس بستی میں عالی ہمت انسان ملے غربت میں اپنے اوپر سختی جھیل کر ایک لڑکے کو بی - اے پاس کرایا ہے - دوسرا بچہ میٹرک میں پڑھتا تھا وہ آجکل بیمار ہے - خدا شفا دے اور کامیاب فرمائے منشی صاحب یار باش آدمی ہیں اور نہایت خلیق سیٹھ نور محمد صاحب بھی ایک مالدار اور معقول آدمی ہیں - یہاں میری دو تقریریں ہوئیں - چندہ برائے نام ملا -

ایور سے منماڑ واپس گیا - اور وہاں سے ۱۷ ستمبر کو دیگلور پہنچا - مولوی عبدالقادر صاحب وکیل اور قاضی صاحب شہر کے ہاں جائے قیام کی تلاش میں ناکامی ہوئی - مجبوراً کسی اور مسافر نواز کی جستجو کا مرحلہ پیش آیا - قاضی صاحب کے نوجوان بھتیجے

جو اس وقت مکان پر تھے اور جگہ دینے سے انکار کر چکے تھے۔ اُن سے اتنی اجازت لی کہ اسباب وہاں رکھدوں اور پھر کہیں پڑے رہنے کی جگہ تلاش کر لوں۔ بمشکل راضی ہوئے۔ ہیں وہاں سے سید ہا منصف صاحب کے پاس گیا۔ مولوی امجد علی صاحب منصف شرفائے بلدہ حیدرآباد میں سے ہیں۔ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور مولوی محمد نواز خان صاحب وکیل کے یہاں میرے قیام کا انتظام فرمادیا۔ مولوی محمد نواز خاں صاحب نہایت محبت سے مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور بآسایش رہنے کی جگہ ملی۔ مہمان بھی انہیں کا رہا۔ معلوم ہوا کہ مولوی حکمت اللہ صاحب و ہم تعلقدار دیجاپور میں تبدیل ہو کر آگئے ہیں۔ اُن سے ملنے گیا تو اُنھوں نے میرا اسباب اپنے ہاں اٹھوا منگوایا۔ شام کو کلب میں عمال وحکام اور معززین سے ملاقات کی۔ مسٹر بہرام جی صاحب پارسی یہاں کے تحصیلدار نے میرے کام میں امداد واعانت کی پورے زور سے تائید کی اور لوگوں کو اسپر آمادہ کیا۔ بہرام جی صاحب نہایت خلیق و شریف نفس انسان اور قومی وملکی بہبود کے کاموں سے پوری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور کیوں نہو۔ پارسی ہیں۔ اس قوم کے فرد ہیں جسکا نظام ملّی اسوقت ہندوستان کی اقوام میں سب سے بڑھ کر منظم اور مکمل ہے۔

۱۹ ستمبر کو مولوی حکمت اللہ صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے تعلیم پر تقریر کی۔ مااُ۱۲ چندہ نقد اور وعدہ ہوا۔ اور یہ سب مسٹر بہرام جی کے ہمت کا نتیجہ تھا۔ مولوی حکمت اللہ صاحب امروہہ ضلع مرادآباد کے رئیس اور خلد مکان نواب وقار الملک مرحوم کے بھانجے۔ نجیب اور نہایت تو از بہت خوبی کے انسان ہیں۔ انکی توجہ سے دیجاپور میں کانفرنس کو ۱۳۰/ روپے مل گئے۔ اسی دن رات کو مسٹر بہرام جی صاحب نے ممبران کلب دیجاپور کی طرف سے مجھے کلب ہی میں کھانے کی دعوت دی اور بعد کھانے کے گانا بھی ہوا۔ مولوی حکمت اللہ صاحب نے بھی گانا سنوایا۔ اور انکی وجہ سے دیجاپور میں تمام وقت نہایت لطف سے گذرا۔ مولوی صاحب کے سالے

مشتاق حسین صاحب کی عنایتیں خاص طور پر یاد رہیں گی۔ یہ بڑے صاحب دل انسان اور محبت کے پتلے ہیں۔

دیجاپور ضلع اورنگ آباد کا ایک تعلقہ ہے۔ یہاں کے نوجوانوں کی خواہش سے میں نے کلب میں ایک اردو لائبریری اور ریڈنگ روم کھولنے کی تحریک کی اور مولوی اسحق علی صاحب علوی ظفر الملک مہتمم الناظر بک ایجنسی کو اردو کتابوں کا آرڈر بھجوایا۔ اُن سے رعایت کی استدعا کی۔ رسالہ زمانہ کانپور۔ رسالہ معارف اعظم گڈھ۔ اور اخبار صبح کا ستارہ۔ ذریعہ وی۔پی۔ لائبریری کے لئے طلب ہوا۔ یہیں حافظ محمد سلیم صاحب امین پولیس خلد آباد ضلع اورنگ آباد سے ملاقات ہوئی اور اُن سے کانفرنس کے لئے دس ممبروں کی فراہمی کا وعدہ لیا۔ ارادہ ہے کہ اورنگ آباد سے خلد آباد جاؤنگا۔ ۲۵ ستمبر کو ویجاپور سے روانہ ہوا۔ بوقت رخصت مسٹر بہرام جی صاحب نے کمال لطف و محبت سے الوداع کہا اور ہار پہنایا۔

اورنگ آباد۔ ۲۵ ستمبر کو یہاں وارد ہوا۔ بقرعید یہیں کی۔ مولوی معصوم علی صاحب منصف نے دعوت کی۔ اور ۷۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء تک اورنگ آباد میں بیکار پڑا رہا۔ ۸۔ اکتوبر سے دورہ پر جانے کی تیاری شروع کی اور سید احمد اللہ صاحب تعلقدار اول اورنگ آباد سے منصف صاحب و تحصیلدار صاحب پیٹن کے نام سفارشی خطوط لیکر پیٹن کا عازم ہوا۔ سواری بنڈی کی ملی۔ میر عنایت حسین صاحب بلوی انسپکٹر روڈ و گھاٹ صوبہ اورنگ آباد رفیق سفر تھے۔ شب کو بیٹرکن کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ ڈاک بنگلہ بہت خوش فضا جگہ پر بنا ہے۔ ۱۰۔ اکتوبر کو چار بجے دن کے وقت پیٹن پہنچا اور ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا۔ غسل اور تبدیل لباس کر کے شام سے قبل قصبہ پیٹن میں گیا اور مولوی قاضی حاجی تمیز الدین صاحب وکیل سے ملا۔ انہوں نے کرم و مسافر نوازی فرماکر میرا اسباب ڈاک بنگلہ سے اپنے یہاں منگوا لیا اور میزبانی فرمائی۔ عجیب لطف و

مدارات سے پیش آئے۔ قومی کاموں میں انکی مستعدی اور بیداری دماغ دیکھکر مجھکو تمنا پیدا ہوئی کہ کاش تمام مسلمان ایسے ہی اہل دل ہو جائتے۔ آپ کو قلمی مشغلہ سے خاص ذوق ہے۔ اکثر اخبارات کے نامہ نگار اور دنیائے صحافت کے بڑے سیاح ہیں۔ طبعاً قدامت پسند اور اقتدار دوست ہیں لیکن اختلاف کو انھیں لوگوں تک محدود رکھتے ہیں جو مطرِف یعنی انکے اصول کے خلاف انتہا پسند ہیں۔ شیوگانوں ضلع احمد نگر دکن کے رہنے والے اور بسلسلہ وکالت پٹن میں مقیم ہیں۔

رات سکون و آرام سے بسر کی صبح ہوتے ہی کام کی فکر میں چلا۔

صاحبزادہ میر جہاندار علی خاں صاحب تحصیلدار سے ملا۔ آپ شاہی خاندان کے رکن ہیں۔ منصف شیو درشن پرشاد صاحب بخشی رگھوناتھ صاحب کے بھتیجے اور ہاتھرس ضلع علی گڈھ کے رہنے والے ہیں۔ نہایت خلیق اور علم دوست انسان ہیں۔ دوسرے روز ایک مجلس مرتب کی اور کانفرنس کے پچاس ممبر مہیا کر دئے اس جلسہ میں میں نے تعلیم پر تقریر کی۔ اسکے دوسرے دن جمعہ تھا۔ مسجد جامع میں گیا اور عام مسلمانوں کے حسب خواہش وہاں بھی کچھ بیان کیا۔ روز آئندہ ایک بزرگ کی درگاہ میں مسلمانوں نے وعظ کہلایا۔ ۱۲ اور ۱۳۔ اکتوبر کو منصف صاحب نے ایک عام لکچر کہلایا۔ اس جلسہ میں بھی حاضرین کی خاصی تعداد جمع ہو گئی تھی۔

پیٹھن۔ کو تاریخی دنیا میں آئے ہوئے ۱۹۷۲ سال ہو چکے ہیں شالی واہن کے زمانہ میں اور اُسکی توجہ سے یہ شہر بہت رونق اور عروج پا گیا تھا شالی واہن برہمن قوم کا ایک عالی حوصلہ حکمراں ہوا ہے اس نے راجہ ناگ کی بیٹی سے بیاہ کیا اور اُسکی یادگار میں پٹن میں ندی پر ناگر گھاٹ بنوایا ہے۔ یہ بہت بڑا سنگی گھاٹ ہے اور جس وقت ندی چڑھتی ہے اس گھاٹ پر خاص لطف کا سماں ہوتا ہے۔ صدہا قلعہ شکوہ حویلیوں کے کھنڈر اس شہر کی عظمت و قدامت کے مظہر ہیں

شیخ مغلوں کے آثار یہاں بکثرت ہیں شاہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ قصبہ شیخ مغلوں کو جاگیر کے طور پہ ملا تھا اور یہاں اس گروہ کی کثیر آبادی تھی۔ اب صرف دو گھر اس جماعت کے باقی ہیں اور وہ بھی بحالت زار۔ باقی مسلمان نوربافت ہیں۔ پیٹھن میں زری کا کام بہت اعلیٰ ہوتا تھا اور مشہور عالم تھا۔ اکثر ریشمی ساریاں زری کے کام کی بنتی تھیں اور اتنی پرکار کہ ایک ایک ساری سیکڑوں روپیہ کی ہوا کرتی تھی۔ اب بھی بنتی ہیں لیکن کم۔ ایک ساڑی میں نے دیکھی زریں تار وں کا بہت پائدار کام کیا جاتا ہے۔ آجکل یہاں زیادہ تر دستاریں بنتی ہیں کیونکہ اسی مال کی باہر سے مانگ ہے بنیوں کی قوم بھاٹیہ اور گجرات کے جینی یہی دستاریں استعمال کرتے ہیں۔ نوربافوں کا روزگار اچھا ہے۔

پیٹھن کی جامع مسجد، مسجد کوفہ کے نمونہ پہ بنی ہے۔ خصوصاً منبر۔ جنوبی حجرہ۔ اور طاق تو بالکل ویسا ہی ہے۔ ایک چھوٹا مینار ایک ڈال پتھر کا ہندؤں کے وقت کا بھی قابل دید ہے۔ مسلمانوں کی عام حالت نہایت زار ہے۔ مرہٹے بھی پریشان حال ہیں۔ صرف برہمنوں میں خوشحالی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے کثیر آبادی کی مفلسی اور بے سروسامانی عام فارغ البالی نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

ایک بزرگ اور قدیم زمانہ کے صوفی مولانا معز الدین رح کا مزار یہاں ہے۔ آپ حضرت خواجہ رکن الدین زرآری زربخش رح کے خلیفہ تھے۔ گنگا گوداوری کے کنارہ پر ایک پہاڑی کے اوپر نفیس قبہ اور عمارت ہے۔ موسم برسات میں یہاں سے عجب دلکش منظر پیش نگاہ ہوتا ہوگا۔ اور ایام میں بھی یہ جگہ پرلطف رہتی ہے اور اہل دل کے واسطے تو ہروقت ایک نورانی جگہ ہے۔

ہندو اصحاب کے متبرک مقامات کئی ایک ہیں۔ تیرتھ کیمم۔ دلکشا جگہ ہے۔ سری رنگنا تھہ کا دیول بہت شاندار بنا ہے۔ انکی اولاد ابتک دیول کی منتظم ہے۔

اور سیکڑوں ایکڑ زمین مختلف مواضع میں سرکار نظام دام ملکہ کی طرف سے معافی میں ہوئی ہے۔ ایک اور دیول رنگنا تھ شیو دین ناتھ مہاراج کا ہے۔ اسکے متعلق بھی چھ مسلّم مواضعات اور پانچ دیہات میں پٹیاں سرکار عالی نظام دام ملکہ کی طرف سے جاگیر و معافی کے طور پر عطا کی گئی ہیں۔ ماہ پھاگن میں یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور جاترا ہوتی ہے۔ یہ قصبہ احمد نگر کی مسلمان ریاست نظام شاہی کا ماتحت اور مستقر نظامت بھی رہ چکا ہے۔ لیکن کسی مسلمان حکمران یا رئیس کا مستقر حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اسمیں مسلمانوں کے عہد کی کوئی بڑی یادگار موجود نہیں۔

۱۶۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء پنڈت بھگونت راؤ نوڑے کر نجومی۔ قصبہ پیٹن میں عجیب فاضل۔ طباع۔ ذہین اور ماہر شخص ہیں۔ آج ایک جلسہ میری صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں پنڈت صاحب ممدوح نے اپنی تصنیف کردہ رامائن مرہٹی زبان میں سنائی۔ آپ نجوم و رمل کے بہترین ماہر۔ مرہٹی زبان کے خوشگو شاعر۔ اور خوش معنی کلام رکھتے ہیں۔ خوشنویسی کے استاد فن ہیں۔ خط طغرا بیحد خوشنما لکھتے ہیں۔ متعدد نمونے اپنی قلمی شگوفہ کاری کے مجھے دکھائے اور چند عطا بھی کئے مخصوص کرم یہ فرمایا کہ میرے نام کا ایک طغرا خط ماہی میں لکھکر مرحمت کیا۔ آج ہی رات کے وقت پیٹن کے برہمنوں کی ایک موسیقی داں منڈلی نے مجھے اپنا گانا بھی سنایا۔ اگرچہ گانا مذہبی تھا۔ لیکن فن کی وسیع معلومات سے بیحد مستفید ہوا۔ خود راجہ صاحب سمستان رنگنا تھ نے بھی اپنے کمال موسیقی سے محظوظ فرمایا۔ اور ۱۲ بجے شب تک پر لطف صحبت رہی۔

۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء۔ آج میں پیٹن سے اورنگ آباد واپس آیا اور یکم نومبر تک یہیں قیام رہا۔ کیونکہ محرم شریف کا زمانہ تھا بوجہ تعطیل و مصروفیت عزاداری لوگوں کا مصروف کار ہونا مشکل تھا۔ ایک شب رابعہ دورانی کے مقبرہ میں بسر ہوئی

مولوی معشوق حسین خاں صاحب بی۔ اے۔ اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو بنکس سوسائٹی ریاست نظام سے دیر تک لطف کی باتیں ہوتی رہیں۔

حضرات شیعہ کی مجالس عزا میں شریک ہو کر ماتم و سوز کے لطف اٹھاتا رہا۔ خواجہ نواب حسین صاحب وکیل اورنگ آباد آج سے پچاس سال قبل مرثیہ خوانی کرتے ہوئے حیدر آباد دکن میں وارد ہوئے۔ اور وکالت کا امتحان دیکر یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ اورنگ آباد میں کام شروع کیا اور اچھا فروغ حاصل کیا۔ ماہ حرام میں مجالس عزا کا اہتمام خاص ذوق سے کرتے ہیں۔ خاص اورنگ آباد اور مضافات کے شیعہ اصحاب مجتمع ہو کر بزم عزا کو نوحہ و ماتم سے آراستہ کرتے ہیں تحت لفظ پڑھنے میں خواجہ صاحب کو کمال ہے۔ اور ماشاء اللہ مرثیہ خوانی اس عالم پیری میں بھی شباب کا جوش دکھاتی ہے۔

یکم سے ۸۔ نومبر ۱۹۱۷ء تک بیٹر جانے کے لئے سواری کا متلاشی رہا۔ ۸ کو معلوم ہوا کہ مصطفیٰ احمد صاحب سپروائزر تعمیرات گھوڑائے بیٹر جارہے ہیں۔ بیلوں کا تانگہ سواری کے لئے مہیا ہوا۔ بیٹر تک کسی طرف سے ریل نہیں۔ پختہ سڑک جالنہ سے بنی ہے۔ لیکن محض ۲۵ کوس تک۔ وہ بھی پلوں سے عاری ہے۔ بہرحال بیٹر جالنہ سے ۳۲ کوس ہے۔ اسمیں ۲۵ کوس عمدہ سڑک ہونے کی وجہ سے بہت کچھ صعوبت سفر کم ہو جاتی ہے۔ یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ لیکن جالنہ سے دو کوس کے فاصلہ پر پہنچا تھا کہ تانگہ کے ایک پہیہ کا ہال نکل گیا۔ نزدیک کے موضع سے بیگار پکڑکر اور کسی دوسرے تانگہ کا ایک پہیہ کھول کے اپنا تانگہ چالو کیا اور بمشکل تمام وودھنا ندی تک گئے۔ ندی کا پل بن رہا تھا۔ لوہار و نجار کام کر رہے تھے۔ ان سے ہال چڑھوایا گیا اور ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ ڈاک بنگلہ نہایت گندہ۔ آدمی سست اور مجہول۔ خود کھانا پکایا تب بھوک کی آگ بجھائی اور چار بجے شام کو یہاں سے

چلکر آٹھ بجے شکوا انبٹر پہنچا۔ یہاں بھی ڈاک بنگلہ میں فروکش ہوا۔ خانساماں چپراسی
غائب تھے۔ ۹ بجے شکو آئے اور بہاری کا جیلہ کیا۔ بڑی مصیبت سے رات
بسر کی۔ ۳ بجے رات کو تھوڑی سی نیند آئی۔ کھٹمل تو نہیں تھے۔ مگر وحشت اور
اسباب راحت کی کمی نے بیچین رکھا۔

صبح کو ناشتہ کرکے انبٹر سے روانگی ہوئی۔ یہ پورا دن اور اسکے بعد کی رات
سفر میں کٹی۔ دوسرے دن شام کو گھوراۓ پہنچے۔ یہاں بھی ڈاک بنگلہ میں
ٹھکانا ملا۔ کچھ آرام ملتا مگر کھٹملوں نے ناک میں دم کردیا۔ ۱۲ بجے شکو یہاں سے
بھی کوچ ہوا۔ دوسرے دن شام کو ۶ بجے پنڈگانوں میں منزل کی۔ اس مقام میں
شمس الدین صاحب ٹھیکہ دار سٹرک نے میزبانی فرمائی اور رات کو روک لیا جھولداری
میں رات بسر کی اور صبح سویرے حوائج سے فارغ ہوکر آگے چلا۔ ۱۰ بجے دن کے وقت
بیٹر پہنچ گیا اور مولوی فخرالدین حسن صاحب موہانی منصف کے یہاں فروکش ہوا۔

بیٹر میں ایک خاندان چشتیہ کے بزرگ کا مزار ہے۔ اسکی زیارت کو گیا۔
صدر شاہ کے نام سے مشہور اور حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔
اس مزار پر جاتے ہوئے تمام راستہ میں بے پایاں قبروں اور قبرستان کے آثار دیکھے۔
شہر بیٹر کی آبادی بہت قدیم ہے۔ قلعہ کبھی بہت شاندار بنا رہا ہوگا۔ اب تو
شکستہ ہے۔ قلعہ میں ایک مسجد شاہنشاہ جہانگیر کی تعمیر کردہ موجود ہے اور یہی
جامع مسجد کہلاتی ہے۔ قبرستانوں کے سلسلہ میں قدم قدم پہ نہایت عمدہ مسجدیں
بنی ہیں۔ مگر سب ویران ہیں۔ اب سے ایک سو برس قبل بیٹر کی آبادی بہت بڑی
اور بارونق تھی۔ بعد میں آبادی کم ہوتی گئی اور پانچ سال پہلے دو برس تک بیسا
سخت دورہ مرض طاعون کا ہوتا رہا کہ بیس ہزار آبادی اسی کے نذر ہوگئی۔ اسوجہ سے
اب ویرانی برستی ہے۔ رؤساء اور امراء سب مٹ گئے۔ صرف ایک گھر جناب میری قادر شاہ صاحب

کار ہوگیا تھا۔ یہ بزرگ زادے ہیں۔ والی ریاست گوالیار کے گرو ہیں۔ وہاں بھی معقول جاگیر ہے اور یہاں تین ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر الگ تھی۔ وہ اب قرضہ کی علت میں ضبط ہے۔ موجودہ گدی نشین سری قادر شاہ صاحب مکان و املاک کوڑیوں کے مول فروخت کر کے بمبئی میں عیش و عشرت منا رہے ہیں۔ ڈبوڑ ہی ساہوکاروں کے ہاتھ میں ہے۔

بیبڑ کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ جدید ہے اور دوسرا قدیم دونوں آبادیوں کے مابین ایک ندی حد فاصل ہے اور اس پر مختصر سا پل بنا ہے۔ اسکے ذریعہ سے عبور ہوتا ہے۔ قدیم بیبڑ میں آبادی کے کنارہ پر ایک چہل ستون عمارت بہت پرانی بنی ہے۔ کسی زمانہ میں دلکش جنت رہی ہوگی۔ لیکن اب نہایت ابتر حالت میں ہے۔ اسکے گرد ایک تالاب پتھر کا بنا ہے اور بہت مستحکم بنا ہے بارش کا آخری زمانہ ہونے کی وجہ سے آجکل پل تک پانی میں غرق ہے عمارت تک جانا غیر ممکن تھا۔ کنارہ تالاب سے دیکھکر واپس آیا۔ اسوقت تک سرکار عالی نظام کی توجہ عالیہ آثار قدیمہ کی طرف پورے طور پر نہیں ہوئی ہے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو امید ہے کہ ایسی قابل قدر عمارتیں محفوظ اور کارآمد بنائی جاسکیں گی۔

یہاں چندہ بہت کم ہوا۔ وکلاء میں سے برہمن پارٹی کے اصحاب بالکل الگ رہے۔ باقی صاحبوں میں سے دو تین نے کچھ اعانت فرمائی۔ جزاہم اللہ۔ مصطفےٰ احمد صاحب سپروائزر کی عنایتوں اور خوش اخلاقی سے بہت مسرت ہوئی انکا تبادلہ مومن آباد کو ہوگیا ہے۔

مولوی حکیم محمد یوسف صاحب ساکن اورنگ آباد ضلع بلند شہر (یو۔پی) سے بیبڑ میں ملاقات ہوئی۔ بہت خوب آدمی ہیں۔ دامن قناعت چھوڑ کر ہندوستان سے حیدرآباد آئے اور گتہ داری (ٹھیکہ داری) شروع کی۔ مگر اب

کام نہیں چلتا۔ متلاشی ملازمت ہیں معقول انسان ہیں۔ مولوی غلام حسین صاحب منصف بھی نیک دل سادہ مزاج بزرگ ہیں۔ بیڑ میں جو کچھ مدد ملی وہ صرف بابو دولت رام صاحب سے ملی۔ یہ بڑے عالی منش انسان اور خلق وانسانیت کے زیور سے آراستہ ہیں۔ آخر کار میں بیڑ سے حکیم محمد یوسف صاحب کے ساتھ جالنہ کو واپس چلا۔ راستہ میں بمقام گھورائی تحصیلدار حافظ محمد خاں صاحب کا مہمان ہوا۔ یہ بڑے خلیق اور با اوصاف آدمی ہیں۔ مولوی نصیر احمد صاحب مہتمم تعمیرات گھورائی ایک باخدا بزرگ ہیں۔ ان سے شناسائی اور ملاقات ہوئی۔ گھورائی میں تحصیلدار حافظ محمد خاں صاحب اور ہاشم علی صاحب منصف نے میرے کام میں پوری مدد دی اور تیسرے دن یہاں سے روانہ ہو کر شاہ پور کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ اسکے بعد کی منزل نمبڑ میں ہوئی اور یہاں مرزا غلام حسین صاحب مہتمم کوتوالی سے نیاز حاصل ہوا۔ یہ صاحب دورہ پر تھے۔ انکی صحبت سے دلبستگی رہی۔ مسٹر ڈنشا صاحب تحصیلدار نمبڑ نے کوئی مدد نہیں فرمائی اس لئے وہاں کچھ کام نہیں ہو سکا۔ اور دوسرے دن وہاں سے چلکر جالنہ آگیا۔

جالنہ میں ایسا وقت رائیگاں ہوا کہ مایوس ہو کر وہاں سے سیدھا بمبئی چلا آیا۔ شاہجہاں پیلیس ہوٹل میں قیام کر کے مولوی عبداللہ احمد صاحب سے ملا۔ ہوٹل میں علی گڈھ کے ایک قفل کے کارخانہ دار سے ملاقات ہوئی آپکا نام افتخار حسین صاحب ہے۔ ان سے خاص لطف ہو گیا۔ بمبئی میں چندہ کانفرنس کا جو کچھ کام ہوا اس شہر کی عظمت و دولتمندی کے مقابلہ میں ناقابل ذکر ہے۔ ہاں سلسلہ کار جن لوگوں سے ملاقات ہوئی وہ حسب ذیل ہیں۔

سر کریم بھائی ابراہیم صاحب۔ محمد یوسف ثوبانی صاحب۔ فاضل بھائی صاحب بڑودہ والے۔ اور سر ابراہیم رحمۃ اللہ صاحب۔ عبدالحفیظ صاحب بی۔ اے

انجمن اسلام بمبئی کے ایک ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بہت خلیق وملنسار آدمی ہیں۔ انکی صحبت میں دل بہلتا ہے۔ ایک معزز ہموطن حکیم نگہت رسول (مرحوم) بمبئی میں مطب کر رہے ہیں۔ کام ابتک چلا نہیں۔ مگر امید ہے کہ اللہ پاک کوئی اچھا سامان کر دیگا۔ استقلال شرط ہے۔ انکی وجہ سے بہت لطف رہتا ہے عزیزی محمد یحییٰ سے بھی ملنا ہوا۔ اردو اسکول میونسپل بورڈ میں ماسٹر ہیں اور امید ہے کہ اب اپنی زندگی کارآمد بنا کر ترقی کرینگے۔ اور لوگوں سے بھی ملنا ہوا۔ مگر کہیں سے بامراد اور کسی جگہ سے بیرنگ واپس ہوتا رہا۔ بمبئی میں ہر شخص کاروباری زندگی کہتا ہے مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ لوگوں میں اخلاق ہے۔ بڑے اور نامی آدمی سب ملنے میں اچھے ہیں۔

۱۹۔ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بمبئی سے پونا آیا اور سیٹھ آنریبل جعفر ہارون صاحب کے ہاں ٹھہرا۔ یہاں کوشش سے بارہ ممبر کانفرنس کو ملگئے۔ اور ۲۲۔ دسمبر کو میں اورنگ آباد (دکن) چلا آیا۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکرٹری انجمن ترقی اردو سے معاملت ہوگئی اور یہاں سے سیدھا کلکتہ روانہ ہوگیا۔ ۲۶۔ دسمبر کو کلکتہ میں تھا۔ مولٰنا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (حال نواب صدر یار جنگ) آنریری جنرل سکرٹری کانفرنس۔ نے فرمایا کہ بلا طلب بلکہ ممانعت کرنے پر بھی کیوں آئے۔ کانفرنس تمکو اپنا مہمان نہیں بنا سکتی۔ میں بھی دوسرا کام لے چکا تھا۔ اس لئے کوئی عذر نہیں کیا۔ اور یکم جنوری ۱۹۱۸ء سے انجمن ترقی اردو کا کام آغاز کر دیا۔ نمبر ۷ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ میں مقیم ہوں۔

---

# انجمن ترقی اُردو کی سفارت

## دورہ بنگال

۱۲۔جنوری ۱۹۱۸ء کو حیلہ کا غذات چھپوا کر۔کلکتہ کے سیالدہ اسٹیشن سے ڈہاکہ میل پر ڈھاکہ کو روانہ ہوا۔انٹر کلاس پر بنگالیوں کا مجمع کثیر تھا لیکن میں آرام سے سوتا ہوا ۸ بجے صبح گوالندو گھاٹ پر پہنچگیا اور وہاں اسٹیمر ملا۔اسٹیمر نارائن گنج تک لے گیا اور نارائن گنج گھاٹ سے پھر ریل ملی۔نارائن گنج گھاٹ کی وجہ سے مختصر بستی ہے مگر آباد۔یہاں سے ٹرین ڈھاکہ کو روانہ ہوتی ہے۔ٹرین پر جاتے ہوئے راستہ میں ملک کی عام حالت دیکھتا جا رہا تھا۔ویسٹرن بنگال میں ہر کاشتکار کی جھونپڑی اسکے کھیت کے پاس ہوتی ہے۔جھونپڑی ٹین سے چھائی جاتی ہے اور اسپر کوئی خوشنما بیل چھائی رہتی ہے۔یہی منظر دیکھتا ہوا ۴ بجے شام کے قریب ڈہاکہ پہنچا۔خاں بہادر نواب اعظم شاہ صاحب کا مہمان ہوا۔نواب صاحب نے بکمال عنایت مجھکو ڈاک بنگلہ میں اپنی طرف سے ٹھہرایا۔ڈاک بنگلہ کا موقع بہت اچھا ہے اور اسکے گرد و پیش کا منظر بیحد خوشنما۔

۱۴۔جنوری ۱۹۱۸ء۔خواجہ محمد موسیٰ صاحب رئیس احسن منزل ڈہاکہ مجھکو ڈاک بنگلہ سے اپنے یہاں اٹھالائے۔مولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔یہ صاحب ڈھاکہ میں ایک حقیقی زندہ دل ہیں۔افغانی النسل۔یو۔پی۔ میں تعلیم پائی ہے۔یہاں صاحب اثر و اقتدار ہیں۔مطلب اچھا چلتا ہے۔تمام قومی حالات سے باخبر رہتے ہیں۔اور آیندو روند کے ساتھ بحسن سلوک پیش آتے ہیں۔ آج ایک کمیٹی ۱۵۔جنوری ۱۹۱۸ء کے لئے بلوائی گئی ہے۔دیکھیئے کیا ہوتا ہے۔رات کو

میڈیکل کالج کے اسٹوڈینٹس نے مجھسے میلاد شریف پڑھوایا۔

۱۵-جنوری ۱۹۱۸ء کو احسن منزل میں خواجہ محمد اعظم صاحب کی صدارت میں چار بجے دن کو کمیٹی ہوئی۔ ڈاکٹر مشرف الحق نے مجھ سے اغراض و مقاصد انجمن ترقی اردو کے بیان کرائے۔ حکیم حبیب الرحمٰن صاحب نے بھی تقریر کی۔ ۳۲ احباب ممبر ہونے کا وعدہ فرما گئے۔ آیندہ دن کی شام کو ڈاکٹر مشرف الحق صاحب نے اپنے مکان پر ایک سبجکٹ کمیٹی طلب فرمائی ہے۔ شب کو نواب سلیم اللہ مرحوم آف ڈھاکہ کی بیگم صاحبہ نے مجھ سے میلاد شریف پڑھوایا۔

۱۶-جنوری ۱۹۱۸ء- خواجہ محمد موسیٰ صاحب کے ساتھ بارہ بجے تک ممبروں کی تلاش میں کوشاں رہا۔ میرزا فقیر محمد صاحب نواب فیملی میں ایک علم دوست نوجوان ہیں۔ معلومات بہت وسیع اور اردو کے نہایت دلدادہ۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب میرے میزبان تعلیم نسواں کے بیحد مؤید اور اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت میں پورے سرگرم ہیں۔ شمس العلماء مولٰینا وحید صاحب پرنسپل ڈھاکہ مدرسہ نہایت ذی علم مصر اور یورپ کے سیاح۔ نہایت باخبر اور وسیع معلومات کے آدمی ہیں۔ اردو کے بیحد مؤید ہیں۔ قاضی ظہیر الحق صاحب ہیڈ ماسٹر انگلش برانچ مدرسہ ڈھاکہ عجیب و غریب شخص ہیں۔ سوءِ ظن کی وجہ سے ممبری ترقی اردو منظور نہ فرما سکے۔ ان سے کچھ مزے کی بات چیت ہوئی۔ مگر اپنی کہے گئے۔ رات کو ڈاکٹر مشرف الحق صاحب پروفیسر ڈھاکہ کالج کے ہاں جمگھٹا ہوا۔ مولوی عبد الحق صاحب سے ناخوشی معلوم ہوئی۔ وجہ ناراضی ظاہر نہیں کی۔ آپکو قلمی کتابوں کا شوق بدرجہ کمال ہے۔ کہتے ہیں گیارہ سو قلمی کتابیں جمع کی ہیں۔ بعض نسخے میں نے بھی دیکھے۔ دیوان صائب کا قلمی نسخہ خود صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا لاجواب ہے۔ تیمور نامہ بھی خوب کتاب ہے۔ ایک نادر چیز اور بھی دیکھی وہ یہ کہ آصفجاہ کے نام دربار دہلی سے آئے ہوئے خطوط

محمد شاہ اور فرخ سیر کے دستخطی آنکے پاس موجود ہیں در حقیقت قابل دید ہیں غرضکہ یہ کمیٹی محض قلمی کتابوں سے باصرہ افروزی پر ختم ہوئی۔ میرزا فقیر محمد صاحب اسمیں بھی شریک تھے۔

اُسی رات میں خانبہادر سید اولاد حسین صاحب پنشنر انسپکٹر رجسٹریشن سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ محمد موسیٰ کے ساتھ انکے مکان پر گیا۔ بڑے علم دوست آدمی ہیں پہلے اس امر پر گفتگو رہی کہ اُردو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی مادری زبان کیونکر ہوسکتی ہے۔ اور خصوصاً بنگالہ میں کہ یہاں کے مسلمان بنگالی زبان بولتے ہیں۔ یہ آنکی مادری زبان ہے اور بنگالیوں نے اپنی زبان کو علوم و فنون کے سرمایہ سے بھر کر علمی زبان بنا لیا ہے تاآنکہ اب سائنس کو بھی بنگلہ زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ دیر تک یہی امر زیر بحث رہا۔ میں انکی معلومات سے دیر تک مستفید ہوتا رہا۔ سید صاحب بردوان کے رہنے والے تھے۔ اُنیس سال کی عمر سے سرکاری ملازمت شروع کی۔ اور پہلے ہندوستانی ہیں کہ اسپیشل سب رجسٹرار سے انسپکٹر رجسٹریشن ہوئے۔ اب ۶۲ سال کی عمر ہے۔ پنشن لینے کے بعد سے کتب بینی کا مشغلہ اختیار کر رکھا ہے۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں اسپیشل رجسٹرار ہوکر ڈھاکہ میں آئے اور یہیں قیام اختیار کر لیا۔ اب کلکتہ میں مکان بنوایا ہے اور آخری عمر وہیں بسر کرنے کے عازم ہیں۔ فن تاریخ سے زیادہ دلچسپی ہے۔ انگریزی۔ فارسی کچھ عربی۔ اور بنگلہ زبانیں جانتے ہیں۔ فارسی کا مذاق زائد ہے۔ کتابی اُردو صحیح بولتے ہیں۔ چھوٹا سا کتب خانہ بھی رکھتے ہیں۔ ضلع ڈھاکہ اور خاص شہر کی قدیم عمارتوں اور انکے کتبوں پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جو شائع ہوگئی ہے۔ ایک اور مختصر رسالہ "قدیم ڈھاکہ" کے نام سے انگریزی میں شائع کیا ہے۔ جسوقت سرزمین ڈھاکہ میں مسلم لیگ کی بنا پڑی ہے یہ بھی اُسکے بانیوں میں تھے۔ بنگالہ کے عربی و فارسی مدارس کے نصاب کی اصلاحی تجویز آپ ہی کے دماغ سے نکلی ہے اور خوب مدلل لکھی ہے۔ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن سے اسیارہ میں ابتدائی

خط و کتابت کرکے آپ ہی نے یہ مرحلہ طے کیا تھا۔

۵ بجے شام کو خواجہ موسیٰ صاحب جدید شہر ڈھاکہ کی سیر کرانے لے گئے۔ دو میل تک آبادی کی عمارتیں خوشنما سڑک پر پھیلی ہیں۔ تقسیم بنگالہ کے وقت گورنمنٹ نے اپنے مصارف سے یہ بستی آباد کی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر خوش وضع چھوٹے چھوٹے بنگلے مع باغ وکمپاونڈ واقع ہیں۔ اس ٹاؤن کی آبادی پر نوّے ۹۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ آجکل جنگ کی وجہ سے یہ سب غیر آباد سا پڑا ہے۔ کیونکہ ان بنگلوں میں تمام آفیشل یوروپین ہی رہتے تھے کہ انمیں سے اکثر جنگ پر چلے گئے ہیں۔

جدید شہر کے سرآغاز پر سر احسن اللہ انجینیرنگ کالج اور اسکے بورڈنگ کی خوشنما عمارت ہے۔ نواب صاحب نے گورنمنٹ کو پانچ لاکھ روپیہ اس کالج کے لئے دیا تھا۔ تقسیم بنگالہ کے فوراً بعد اس جگہ عالیشان گورنمنٹ ہاوس تیار ہوا تھا۔ لیکن اس تقسیم کے مسترد ہونے پر وہ عمارت اور دفتر سکرٹریٹ ڈھاکہ یونیورسٹی بلڈنگ کے نام سے موسوم ہوگئی ہے اور اب وہاں دارالعلم قایم ہے۔ اس بستی کے جانب شمال دریائے گنگ کی ایک شاخ بہ رہی ہے۔ لب دریا دو میل تک ایک نہایت عمدہ سڑک بنوادی گئی ہے اسپر شام کے وقت لوگوں کی ہوا خوری سے چھل پہل رہتی ہے۔ صرف پیادہ چلنے کی اجازت ہے۔ گاڑی یا کوئی اور سواری اسپر نہیں آنے پاتی۔ لب دریا بجرے اور کشتیاں سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ موسم سرما ہونے کی وجہ سے دریا میں انکی چلت پھرت کم ہوگئی ہے۔ بارش میں کشتی رانی کا بڑا زور رہتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں نقل وحرکت کا بھی ذریعہ ہے دیہات کے مابین سلسلۂ آمد و رفت کشتیاں ہی قایم رکھتی ہیں۔

اُسی دن میں ڈھاکہ کے ایک جوشیلے بنگالی سے ملا۔ یہ صاحب انتہا پسند پارٹی کے سرغنہ ہیں پہلے ڈھاکہ کے سربرآوردہ وکیل تھے مگر ۱۶ سال سے اس کام کو

ترک کر دیا ہے ۔ آپ با اثر شخص ہیں ۔۔ اردو خوب بولتے ہیں اور ٹائپ کی اردو خوب پڑھ لیتے ہیں ۔ انجمن ترقی اردو کی ممبری پیش کی لیکن صاف انکار کر دیا اپنے مرتبہ و شان کا کوئی لحاظ تک نہ کیا ۔ اسکی جگہ یہی استدعا اگر کسی یو ۔ پی ۔ کے ہندو رئیس سے کی گئی ہوتی تو وہ ہرگز اسکو مسترد نہ فرماتے اور اپنی شان ریاست کو ضرور قائم رکھتے ۔ یہاں اسکا کوئی پاس نہیں ۔ شوریدہ سری پر نازہے ۔ نوجوانوں کی افارکستانہ روش اور ہوم رول لیگ کے قیام سے اور اترا گئے ہیں ۔

۱۷ ۔ جنوری ۱۹۱۸ء بیگم صاحبہ سر سلیم اللہ مرحوم نے دوبارہ میلاد شریف پڑھوایا ۔ صبیہ نواب سر احسن اللہ خاں صاحب نے بھی ذکر میلاد شریف سنا اور انجمن ترقی اردو کو دس روپئے عطا فرمائے ۔ مولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کی قلمی کتابوں کے نسخے دیکھے ۔ علامہ ذہبی کی کتاب "الکاشف" کا نسخہ خط کوفی میں لکھا ہوا بیحد نایاب چیز ہے ۔ اسکے کاتب عبدالشکور ابن علی الدین یحیٰی خالدی ہیں ۷۴۲ھ کی تحریر ہے اور وہ نسخہ ہے جو حضرت جام زندہ پیل کے مقبرہ پر وقف ہوا تھا ۔ ور ایک نسخہ منطق الشفاء ۱۰۹۷ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ عالمگیری کا نسخہ ہے ۔ یہ کتاب ایک ہزار روپیہ قیمت دیکر خریدی گئی ہے ۔ حامد کاتب کی لکھی ہوئی بوستاں سعدی عجب دیدہ افروز کتابت کا نمونہ ہے ۔ بیحد پر زور قلم ہے ۹۰۰ھ کی لکھی ہوئی رباعیات حکیم سحابی خود مصنف کے قلم کی تحریر ہے ۔ ابن عبدالفتاح کی شرح قانونچہ ابن اسمٰعیل حسینی کی لکھی ہوئی بہت خوشخط ہے ۔ نورس شاہی کا نسخہ دیکھا کشید عطر کی ترکیبوں پر مشتمل ہے ۔ نظام الدین محمود کی تصنیف اور ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی نذر کے لئے لکھا گیا تھا ۔ تاریخ تحریر ۹۸۷ھ ہجری ہے ۔

اور بھی کئی جگہ گیا ۔ اب ممبری قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے ۔

۱۹ ۔ جنوری ۔ آج آٹھ ممبر ہوئے ۔ خواجہ محمد موسٰی صاحب رفیق کار رہتے ہیں آج شب کو وکیل اسکول بلڈنگ میں مسلمان طلبہ نے میلاد شریف پڑھوایا ۔ پانسو

آدمیوں کا مجمع رہا ہوگا۔ سب بیحد محظوظ ہوئے۔ خان بہادر محمد اعظم صاحب نے
زور دیا کہ ان رسایل ذکر مبارک کو شایع کر دیا جائے تو اچھا ہے۔ سلہ

۲۱۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب کے یہاں میلاد شریف پڑھا۔
خواجہ کریم اللہ صاحب نے بھی ذکر شریف پڑھوا کر سنا۔ اور شب کو
بیگم محمد اعظم صاحب نے میلاد پڑھوایا۔ آج ایک بزرگ طریقت سے ملاقات
ہوئی۔ آپ کے ایک ہزار مرید ایسٹرن بنگال میں ہیں۔ اُن سے بقول حضرت
شیخ ایک ہزار روپیہ سالانہ فتوح ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ معاش ہے۔

ڈھاکہ میں مسلمانوں کی حالت روز بروز گرتی چلی جاتی ہے۔ نواب سر سلیم اللہ
مرحوم کے عہد حیات تک قومی قوت قائم تھی۔ مگر انکی وفات کے بعد سے وہ
اقتدار مٹ گیا ہے۔ نواب حبیب اللہ صاحب نواب مرحوم کے فرزند جوانی
کے اطوار سے مغلوب اور مقروض ہوگئے تھے۔ گورنمنٹ نے ریاست کورٹ آف
وارڈس میں لے لی ہے۔ اور نوجوان رئیس کو عراق بھیجدیا ہے کہ شاید وہاں
انکی حالت درست ہو جائے۔ خیریت یہ ہے کہ جائداد سب وقف ہے ورنہ
ابتک مٹ مٹا کر برابر ہوگئی ہوتی۔

احسن منزل وسط بازار میں لب دریا واقع ہے ایک ہی احاطہ کے اندر تمام
اراکین خاندان کے مکانات محصور ہیں اور اچھی عمارت ہے۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب
میرے میزبان نہایت پختہ مزاج آدمی اور بہترین انسان ہیں انجمن کے ممبر
بنانے میں آپکی سرگرم کوشش بیحد قابل شکریہ ہے۔ تعلیم نسواں کے بہت بڑے
حامی اور تعلیم سے بڑھکر تربیت اور دستکاری کے دلدادہ ہیں۔ آپکی خاتون محترمہ

سلہ مرحوم کا عرصہ سے یہ ارادہ تھا مگر وقت نے مساعدت نہیں کی۔ اب انشاء اللہ اس سفرنامہ
کی اشاعت کے بعد رسایل میلاد شریف بھی شائع کر دئے جائیں گے۔ مؤلف

بڑی اعلیٰ درجہ کی دستکار ہیں۔ اُنکی بنائی ہوئی ٹوپیاں۔ تکیہ کے غلاف، زنانہ دستی رومال۔ میزپوش اور بہت سی چیزیں خواجہ صاحب نے مجھے دکھائیں۔ بیگم صاحبہ محدوحہ کئی نمایشوں سے چاندی کے تمغے بھی پاچکی ہیں۔ کھانا پکانے میں بھی خوب ہوشیار اور بڑی منتظمہ بی بی ہیں۔ آپکے دو ہونہار بچے ہیں۔ خدا انکی عمر میں دراز اور اُن کو صاحب اقبال کرے۔ اسوقت اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں دونوں تعلیم پارہے ہیں۔

نواب فضیلی میں خان بہادر محمد اعظم صاحب بھی یکتائے روزگار ہمدرد قوم وملت انسان ہیں۔ ہر مفید کام میں امداد دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ آجکل ڈہاکہ میں بنگالیوں کا بہت عروج ہے۔ مسلمانوں کے آباد محلے سب انھوں نے خرید لئے ہیں اور وہاں نفیس و وسیع عمارتیں بنواکر رہتے ہیں۔ چار پانچ مسلمان ڈپٹی مجسٹریٹ اور دو چار مسلمان وکلاء کا اب وجود ہوا ہے۔ مگر مسلمانوں کی کثیر آبادی کے لحاظ سے یہ تعداد ہیچ ہے۔ خدا ترقی کی صورت پیدا کردے۔

۲۲۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خواجہ عبدالحفیظ صاحب بازار ناراین گنج میں چاء کی دعوت کے ساتھ ایک جلسہ کا انتظام کرائے تھے کہ ۵ بجے شام کو انکی عالیشان کوٹھی پر مسلمان جمع ہوں اور مجھ سے ترقی اُردو کے متعلق تقریر کرائی جائے۔ مگر اتفاق سے دعوتی چیٹھی کا گشت نہیں ہوا تھا۔ آج وہ مجھکو لیکر ناراین گنج پہنچے تو وہاں جلسہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بیچارے خود دوڑ کر گئے اور بڑی کوشش سے چند مسلمانوں کو لے آئے۔ اُن سے کچھ کہا گیا۔ تین صاحب فوراً ممبر ہوگئے۔ ٹرین کا وقت تنگ تھا اسلئے جلد واپس جانا تھا۔ چند اصحاب اسٹیشن پر ملنے آئے۔ ٹرین روانہ ہوگئی اور یہ طے پایا کہ کمیلا جاتے وقت ناراین گنج میں ٹھہروں اور ایکبار پھر کوشش کیجائے۔ ۸ بجے شب کو ہم ڈہاکہ کو واپس پہنچ گئے۔ ایک دن وہاں قیام رہا۔ اسکے بعد ۲۵۔ جنوری کو میمن سنگھ آیا۔ شب کو وہاں

پہنچا۔ مسٹر ابوالفیض صاحب ڈویژنل افیسر کے یہاں ٹھہرا۔ نوجوان مہذب۔ ایم۔ اے۔ پاس۔ قابل اور اچھی معلومات رکھتے ہیں۔ کار منصبی کے ادا کرنے میں کوئی خاص تندہی نہیں کرتے اسلئے ترقی نہیں کر سکتے لیکن دم غنیمت ہے نواب عبدالطیف صاحب رئیس کلکتہ کے صاحبزادہ ہیں خلیق و مہماں نواز آدمی ہیں۔

میمن سنگھ میں اردو جاننے والے مسلمان اس قدر کم کہ گویا صفر تھے۔ کارروائی کیا کرتا۔ غفر گاؤں ضلع میمن سنگھ کے لوکل سکرٹری نصیرالدین صاحب نے فرمایا کہ اگر ہمارے اسلامیہ ہائی سکول میں اپنی لائبریری کی ایک شاخ کھول دیجئے اور مفت کتابیں دینے کا وعدہ کیجئے تو دس ممبر بنا دوں گا۔ چونکہ خاص طور پر مدعو کیا تھا اسلئے

۲۷۔ جولائی کو غفر گاؤں گیا۔ آج وہاں اسلامیہ ہائی اسکول کو کالج بنانے کی تجویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تھی۔ مدرسہ کے تمام ممبر اور بعض معزز مہمان موجود تھے۔ خواجہ محمد اعظم صاحب خان بہادر رئیس احسن منزل ڈھاکہ بھی مدعو تھے صاحب کلکٹر ضلع صدر نشین تھے۔ جلسہ میں میری بھی تقریر ہوئی۔ صرف چار ممبر ہوئے۔ میں نے لوکل سکرٹری صاحب سے کہدیا کہ بقیہ چھ ممبر آپ اور بنا دینگے تو میں بھی انجمن ترقی اردو کی لائبریری آپکے ہاں کھول دونگا۔

غفر گاؤں ایک قصبہ ہے۔ اسکے اطراف و جوانب میں پچاس ہزار مسلمان کاشتکار آباد ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد یہاں ۱۹۰۶ء میں پڑی تھی۔ پہلے جماعت مڈل تک تعلیم رہی پھر اب انٹرنس کلاس تک تعلیم ہوتی ہے۔ عمارت مدرسہ ۱۸ ہزار روپیہ میں بنی ہے۔ آہنی پیل پایوں اور اینٹ کی پختہ دیواروں پر ٹین کی چھت قائم ہے۔ ٹین کے نیچے خوشنما بانس کی چٹائی کا استر ہے۔ مستحکم اور سبک عمارت ہے تین ہزار روپیہ کی لاگت سے بورڈنگ ہاؤس الگ بنا ہے۔ اسمیں فی الحال تیئس مسلمان طلبہ قیام پذیر ہیں اور اسی قدر بورڈروں کی جگہ خالی ہے۔ مدرسہ صرف مسلمانوں کے

چندہ سے بنا ہے۔ اور ایک بورڈنگ ہاؤس پچاس آدمیوں کی گنجایش کا ہندو طلبہ کے لئے بھی بنوا دیا ہے اسمیں ۱۹ بورڈر ہیں۔ اسکول کے احاطہ میں پختہ مختصر تالاب مع گھاٹ کے بنا ہے۔ اسکے ایک کنارہ پر مسجد ہے۔ نئی بن رہی ہے۔ اندر پلاسٹر مکمل ہوگیا ہے اور باہر سے کام ہو رہا ہے۔ اسکول کے احاطہ کی جگہ خوب کشادہ اور خوش منظر ہے۔ اسکول میں بیس مدرس ہیں۔ دو اردو کے مدرس تین فارسی کے اور ایک مولوی صاحب عربی کے مدرس ہیں۔ مگر عربی تعلیم صرف قرآن کریم پڑھانے تک محدود ہے۔ تعداد طلبہ ۴۷۱ ہے۔ مسلمان ۳۱۵۔ ہندو ۱۵۶۔ ہیڈ ماسٹر پہلے ایک ہندو تھے۔ اب ایکماہ سے مسٹر مستفیدالدین ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہیڈ ماسٹر ہوکر آئے ہیں۔ پڑھانے میں قابل۔ مگر خاموش اور بے زبان ہونے کے باعث تربیت اور سچی روح اسلامی پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ مدرسہ کو گورنمنٹ سے ماہانہ ۔۔ رما ہوار گرانٹ ملتا ہے۔ فیس کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ اسی آمدنی سے سب خرچ پورا کرکے للعہ روپیہ ماہوار بچ جاتے ہیں۔ جب کبھی مدرسہ کے لئے سامان۔ فرنیچر۔ یا عمارت بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو عام مسلمانوں کے چندہ سے کام چل جاتا ہے۔ بورڈنگ میں نہایت سادگی ہے۔ دیواریں بانس کی جعفری کی چھت ٹین کی۔ کل صرفہ خوراک۔ دھلائی اور روشنی وغیرہ کا۔ فی کس چھ روپیہ ماہوار۔ لڑکے بہت سیدھے سادہ طریقے سے رہتے ہیں۔ وضع اور شان کا کوئی نام نہیں۔ بڑی سادگی اور حسب حال زندگی ہے۔ مدرسہ کے جنرل سکرٹری خاں بہادر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گورنمنٹ پلیڈر میمن سنگھ ہیں لیکن اصل میں اسکی جان اور روح رواں نصیرالدین خاں صاحب لوکل سکرٹری ہیں۔ آپ نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ اردو۔ معمولی بنگالی لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ اور خوشحال بھی زیادہ نہیں۔ ہاں شریف طینت، پرجوش۔ محنتی۔ اور نیک نیت آدمی ہیں۔ یہ تمام آثار خیر و برکت سب انکی ہمت کریمانہ اور صاحب دلی کی وجہ سے ہیں۔ اس

اسکول کا صدر مجسٹریٹ وکلکٹر ضلع ہوتا ہے۔

کالج کمیٹی کا جلسہ تین بجے دن کو آغاز ہوا۔ کالج کی ضرورت پر میں نے تقریر کی۔ خان بہادر محمد اعظم صاحب نے گورنمنٹ کی ہمدردی اور چندہ میں اعانت کا شکریہ ایک ایڈریس پڑھکر ادا کیا۔ صاحب کلکٹر ضلع نے فرمایا کہ آپ لوگ کم سے کم ایک لاکھ روپیہ جمع کر لیں تب کوئی وعدہ کر سکتا ہوں۔

ایک قابل تقلید اور سبق آموز بات جو یہاں دیکھی وہ یہ ہے کہ دو سو کے قریب مسلمان طلبہ ضلع غیر کے رہنے والے اس مدرسہ میں پڑھتے ہیں۔ یہ سب اسی جوار کے خوشحال کاشتکاروں کے یہاں رہتے ہیں۔ اور کھانا پاتے ہیں۔ ایسٹرن بنگال میں خاص دستور ہے کہ ہر ایک کھاتا پیتا آدمی دو ایک طالبعلم کو کھانا کھلانا ثواب سمجھتا ہے۔ اور ایسے کھانے کو جاگیر کہتے ہیں۔ یہ طلبہ اسی طرح اپنا پیٹ بھر کر نہایت شوق ومحنت سے علم میں ترقی کیا کرتے ہیں۔ جاگیر کا کھانا بہت سادہ ہوتا ہے۔ موٹے چاول۔ دال یا مچھلی تیل میں پکی ہوئی۔ ایک ہی برتن میں ڈالکر طالبعلم کو دیا جاتا ہے۔ اگر یو۔ پی۔ میں اسقدر کفایت اور ایسی سادگی کھانے میں ہوتی اور خوبی ونفاست کا لحاظ نہ کیا جاتا تو خدا جانے وہاں کے مسلمان ایسے کتنے مدرسے قائم کر کے غریب مسلمان بچوں کو علم کے زیور سے آراستہ کر سکتے تھے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اپنے وطن کے غریب سے غریب آدمی بھی اس طرح کھانا لینا گوارا نہیں کرتے۔ وہ بھیک مانگتے ہونگے مگر بھیک کا نام لیکر انکو کچھ دیا جائے تو لینے سے انکار کر دینگے۔ یہی وجہ ہے کہ گو وسط ہند کے باشندے اس طرح کھانا دے سکتے ہیں لیکن انگریزی خواں طلبہ یوں پیٹ پال کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ عربی خواں طلبہ آخر اسی طور پر شکم پری کرتے اور پڑھتے ہیں۔ چاہے یہ اس وجہ سے ہو کہ زیادہ تر بنگال وبہار یا پنجاب وغیرہ کے طلبہ ہوتے ہیں جنکو

یوں کھانا لینے میں عار نہیں ہوتا۔ بہرحال بنگال کے مسلمانوں کی یہ سادگی اور خیر پسندی بیحد قابل ستائش اور لایق تقلید ہے۔ اور ہمارے ہموطنوں کی نمود پسندی انکی طبیعت میں نخوت و پندار کی روح پیدا کر کے انکو ذلت و ادبار کی طرف لیجا رہی ہے۔

غفرگانوں کی آب و ہوا ایسٹرن بنگال میں بہت غنیمت ہے۔

۲۶۔ جنوری ۱۹۱۰ء۔ غفرگانوں سے ۲۵۔ کی شام کو واپس آیا۔ رات مسٹر فیض کے یہاں میمن سنگھ میں بسر کی۔ صبح کے ۸½ بجے لولائی کی طرف روانہ ہوا۔ لولائی تک ریلوے لائن نہیں ہے۔ صرف کشور گنج تک لائن نئی بنی ہے اسپر ٹرین نہایت آہستہ چلتی ہے۔ کشور گنج میمن سنگھ سے ۲۴ میل ہے۔ ٹرین کی سست خرامی سے یہ مسافت ۸ گھنٹہ میں طے ہوئی۔ میمن سنگھ ریلوے اسٹیشن تک مسٹر فیض ڈویژنل مجسٹریٹ اور خواجہ عبدالاحد صاحب رخصت کرنے آئے۔ یہ جوان بڑے زندہ دل ہیں۔ کشور گنج سے لولائی تک ۲ میل جانا تھا۔ گاڑی کرایہ کی اور پہنچا۔ مولوی مصلح الدین جواد صاحب کے یہاں ٹھہرا۔ کیا عرض کروں کہ یہاں کس لطف کیساتھ وقت کٹا۔ ایسی پاکیزہ صحبت بخت و اتفاق ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانیت کے جوہر میزبانوں کی شریف طبیعت میں اپنی آب و تاب دکھا رہے ہیں۔ ایک لحظہ بھی لطف و سرور سے خالی نہیں پاتا۔ مولوی مصلح الدین صاحب خورشید میاں صاحب خالد میاں صاحب۔ کریم خاں میر بحر بنگالہ کی اولاد ہیں۔ کریم خان دربار اکبری کیطرف سے بنگالہ کے میر بحر تھے۔ اس خاندان کے پاس بہت اچھی زمینداری تھی اور اب بھی ہے لیکن جوانوں کی جوانی اور تقسیم ترکہ کی پارہ سازی نے قرض کے چنگل میں الجھا دیا ہے تاہم اتنا زائد قرضہ نہیں ہے کہ ریاست جلد تباہ ہو جائے۔ ہاں سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا کریں تو بیش قرار آمدنی باقی رہ سکتی ہے۔ اس وقت ۴۰ ہزار روپیہ سال کے قریب منافع کی زمینداری ہے۔

اس خاندان کو یہ فضیلت ورثہ میں ملی ہے کہ اسمیں ہمیشہ ایک باعمل عالم ہوتا آیا ہے۔ آج سے ایک سال قبل تک مولوی عبدالحی صاحب اختر مرحوم بڑے عالم باعمل اس کنبہ میں موجود تھے۔ وہ وفات پاگئے۔ آنکا لڑکا خالد اس وقت آگرہ میں "دلگیر" کو شاد کر رہا ہے۔ مکانات پختہ ہیں۔ اور آجکل خاندان کے رکن رکین میرے میزبان جواد میاں صاحب ہیں۔ ایک نونہال احمد میاں علوم عربیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں۔ ایک اور صاحبزادے ایف۔ اے کلاس میں پڑھتے ہیں۔ یہ پہلے انگریزی خواں اس خاندان کے ہیں ورنہ ابتک ادھر کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ خورشید میاں صاحب جوار میں کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔

اسی خاندان کے خانہ داماد کا ایک اور خاندان ریاست میں ایک ثلث کا شریک ہے۔ اس خاندان کے موجودہ رکن اعظم سید شاہ محمد عزیز الحق صاحب ہیں قدیم وضع کے نورانی صورت بزرگ۔ صاحب دل صوفی منش۔ وظیفہ گزار۔ حاجی۔ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ بشرہ پر نور سیادت آشکارا ہے۔ جوانی میں مردانہ حسن وجمال کا نمونہ رہے ہونگے۔ بڑھاپے میں بزرگی کا نور اپنی چمک دکھلاتا ہے۔ نفیس مزاج۔ صفائی پسند ہیں۔ خلیق متواضع اور باسحبت آدمی ہیں۔ مجھ سے بڑے خلق کے ساتھ پیش آئے۔ شاہ صاحب کا مولد ومسکن قصبہ داؤدنگر ضلع گیا ہے۔ حضرت شاہ جلال رح کے ہمراہیوں میں سید ابراہیم ملک العلماء آئے تھے۔ آنکی اولاد میں ہیں۔ ہیبت نگر والوں سے انکی رشتہ داری یوں ہے کہ سید ابراہیم ملک العلماء نے اپنی بیٹی کالی داس گجدانی نومسلم سے بیاہ دی تھی۔ اور اس کا اسلامی نام سلیمان رکھا تھا۔ اسی سلیمان کا پوتا عیسیٰ خاں مسند عالی دربار اکبری کا ایک رکن ہوا۔ عیسیٰ خاں پہلے صوبہ دار بنگالہ مقرر ہوا تھا۔ مگر اس نے بغاوت کی اور خود مختاری کا اعلان کردیا۔ راجہ مان سنگھ اکبری دربار سے

اسکی سرکوبی کے لیئے آئے اور اس نے مغلوب ہو کر اطاعت قبول کرلی۔ اسکے بعد یہ دربار اکبری میں مختلف مناصب پہ مامور ہوتا اور ترقی پاتا رہا۔ عیسیٰ خاں کی نسل جنگل باڑی میں جاگیر و علاقہ پاکر آباد رہی۔ اس نسل کے آخری یادگار دیوان عظیم داد خاں اب موجود ہیں۔ ریاست و جاگیر سب تلف ہو چکی ہے۔ محض دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی معافی باقی ہے۔ ورنہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ توفیر کا علاقہ تھا۔ دیوان عظیم داد خاں کی روش ٹھیک نہیں۔ آنکے ہاتھوں سب جائداد تلف ہو چکی ہے اور باقی ماندہ بھی کچھ ہی دن کی مہمان ہے۔ افعال خواہ کیسے ہی ہیں لیکن اس رئیس کی فیاضی کا شہرہ بہت سنتا ہوں۔ غیروں کے لیئے اپنی دولت برباد کرنا اسی کا کام تھا۔ اب اسکے بعد خاندان کا چراغ گل ہو جائیگا۔ اور گو اسکے ایک جوان فرزند موجود ہے لیکن نام اور کام ہمیشہ دولت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دولت نہو تو حسب و نسب کی کیا قیمت۔ اس اطراف میں مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ریاست تھی۔ مگر مسلمانوں پہ ہر جگہ ادبار کا اثر ہے۔ یہاں کیوں نہ ہوتا۔ افسوس۔ میں دو گھنٹہ کے لیئے بولائی سے جنگل باڑی کو گیا اور پھر پلیٹ آیا۔

جمعہ کے دن بولائی میں مجھ سے میلاد شریف پڑھوایا گیا۔ مجمع بہت اچھا تھا۔ جواد میاں صاحب نے خوب حق مہمانداری ادا کیا اور وقت نہایت لطف کے ساتھ گذرا۔ آپ نے مزید عنایت یہ کی کہ مجھے اپنے ساتھ ہیبت نگر لے لیئے۔ وہاں کے رئیس اور شریک ریاست سید شاہ محمد حامد اللہ صاحب کا مہمان ہوا۔

**ہیبت نگر**۔ بولائی سے چار میل اور کشور گنج ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلہ پہ ہے۔ راستہ میں کشور گنج کے اسلامیہ بورڈنگ کا معائنہ کیا۔ بنگالہ کی خاص طرز کی عمارت معمولی پختہ دیواروں پہ ٹین کی چھت ڈالکر نیچے مختلف حصے کر کے کمرے بنائے گئے ہیں۔ جملہ خرچ فی طالبعلم سات روپیہ

ماہوار ہے۔ گوا میاں رسی سب ڈویژن میں ایک مدرسہ اسلامیہ انٹرنس تک ہے
یہ بورڈنگ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مدرسہ و بورڈنگ غفرگا نوں کا سا یہاں
بھی انتظام ہے۔ مولوی حشمت الدین صاحب مختار سکریٹری مسلم الیسوسی ایشن
کشور گنج اس مدرسہ و بورڈنگ کے بھی سکرٹری ہیں اور بہت پرجوش آدمی ہیں
میں نے اس ایسوسی ایشن میں میلاد شریف پڑھا۔ لوگ دو ایک روز روکتے اور
تقریر کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ لیکن میں جلد سے جلد ایسٹرن بنگال کے دورہ سے
فارغ ہونا چاہتا تھا اس لئے کمی فرصت کا عذر کرکے معافی مانگی اور ہیبت نگر پہنچا۔

رئیس صاحب سے رات کے گیارہ بجے ملاقات ہوئی۔ اخلاق کے ساتھ
ملے۔ منیجر صاحب کو بلوا کر حکم دیا کہ صبح کے وقت آپکو محافظ خانہ میں لے جاکر شاہی
اسناد اور دیگر کاغذات دکھا دینا۔ اِن رئیسوں کو عیسٰی خاں صوبہ دار بنگالہ کی اولاد
ہونے کا دعویٰ ہے۔ میں نے اسناد دیکھے۔ اکبری فرمان تو ایک بھی نہ تھا۔ ہاں
شاہ جہاں اور عالمگیر وغیرہ کے احکام اس قسم کے ملے کہ اس خاندان کا فلاں
جاگیردار فوت ہوگیا ہے۔ اُسکے بیٹے فلاں کو یہ جاگیر بعوض اسقدر سالانہ زرمالگزاری
کے دی گئی۔ البتہ ایک مرقع دربار اکبری (دستی مصوری) کا ان کے ہاں بہت
نادر ہے۔ اس مرقع میں اکبر۔ ابوالفضل۔ عرفی۔ بیربل۔ مان سنگھ۔ ٹوڈرمل۔
حکیم ابوالفتح وغیرہ کی تصویریں ہیں اور عیسٰی خاں کی بھی اس میں تصویر ہے۔
تبرُکاً سکے ہاتھ میں ہے۔ اب یہ بات کہ مرقع صحیح ہے یا نہیں اسکا علم خدا کو ہے۔
ہاں میں نے جو دیگر مرقعے دربار اکبری کے دیکھے ہیں اُن سے اسکی تصویریں ضرور ملتی ہیں۔

رئیس حال کو قدیم سکہ جات جمع کرنے کا بھی شوق ہے۔ مگر یہ امتیاز نہیں
کہ اسوقت کیا چاہیئے۔ راجہ رام چندر جی۔ بکرماجیت۔ نادر شاہ۔ محمود غزنوی وغیرہ
کے زمانہ کے بعض بہترین سکہ جات بھی ہیں اور موجودہ عہدہ کے یورپین سکہ جات

بھی و نیز کابل و ریاستہائے ہندوستان کے۔ جواب نہیں تو آیندہ زمانہ میں بہترین یادگار ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ محفوظ رہیں۔

ہیبت نگر کی موجودہ رئیسہ عائشہ اختر خاتون ایک ضعیف بی بی ہیں۔ انکے شوہر علیم دادخاں اپنی بیوی کی طرف سے کارپرداز ہیں ان کا ایک نوجوان فرزند بھی ہے۔ مگر باپ اور صاحبزادے دونوں پڑھے لکھے تک نہیں۔ اور اوصاف کا کیا ذکر۔ اطوار وحشیانہ اور خراب ہیں۔ ڈہائی لاکھ کا قرضہ ریاست پر کر رکھا ہے اور اندیشہ انجام سے غافل۔ دو چار سال میں رہے یا جائے۔ رئیسہ کے داماد سید عبید اللہ صاحب تعلیم یافتہ اور دنیا کے حالات سے باخبر ہیں۔ منتظم ریاست کے حالات دیکھکر اور ریاست کا انجام سوچ سوچ کر خون کے آنسوؤں سے روتے ہیں مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ میں بھی اس ریاست کا حال دیکھ اور سنکر سخت کبیدہ خاطر ہوا اور دوسرے ہی دن وہاں سے واپس ہوا۔

۲۳۔ فروری ۱۹۱۵ء۔ ۸ بجے صبح کو ڈھاکہ واپس آگیا ہوں اور اپنے محبت پرست میزبان خواجہ محمد موسیٰ صاحب کی مہمانی کا لطف اٹھا رہا ہوں۔ ڈھاکہ میں احسن منزل اور نواب ڈھاکہ کا مکان حیرت انگیز درس عبرت دیتا ہے۔ غدر سے کچھ پہلے سید عبد اللہ اور سید محمد دو کشمیری تاجر ڈھاکہ میں آئے تھے۔ یہاں انکے کاروبار کو خدا نے فروغ دیا۔ اور تجارت کے ساتھ زمینداری خریدتے رہے۔ تھوڑے ہی زمانہ میں وہ ایک بڑے زمیندار ہو گئے۔ دس بارہ لاکھ روپیہ کی جائداد پیدا کر لی۔ ان کے پوتے سید عبد الغنی نے اپنے وقت میں یہ تمام جائداد وقف کر دی اور وقف نامہ کی شرط یہ رکھی کہ ہر متوفی کا فرزند اکبر اسکے بعد متولی وقف ہوتا رہے گا۔ وقف میں جملہ اہل خاندان کے حصص شرعی تقسیم کے مطابق مقرر کر دئے اور لکھدیا کہ متولی وقف مصارف زمینداری اور ادائے مالگذاری سرکار

کے بعد تو خیر کی رقم کو حسب حصہ اراکین خاندان میں تقسیم کرتا رہے۔ یعنی سب خاندان والوں کو نقد نا نکار دیتا رہے۔ سید عبدالغنی صاحب کے بعد آنکے فرزند اعظم سید احسن اللہ صاحب متولی وقف ہوئے۔ آدمی خوش انتظام اور صاحب حوصلہ تھے گورنمنٹ میں رسوخ پیدا کیا۔ سر اور نواب کا خطاب پایا۔ پانچ لاکھ روپیہ ایک انجنیئرنگ کالج کے لئے عطا کیا۔ سر احسن اللہ خاں انجنیئرنگ کالج اسی روپیہ سے بنا اور آج تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اس سے ڈہاکہ اور ایسٹرن بنگال کے ہندو اور مسلمان ایکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ ہندو اپنی مستعدی اور شوق تحصیل کمال کے باعث زیادہ نفع اٹھا رہے ہیں۔ سر احسن اللہ خاں نے دوسرا کار خیر یہ کیا کہ اپنے خاص خرچ سے شہر ڈہاکہ میں واٹر ورکس قائم کیا اور بجلی کی روشنی بھی جاری کی۔ چنانچہ پہلے شہر کو بلا کسی محصول کے پانی ملتا تھا۔ اب میونسپلٹی نے پانی پر ہلکا سا محصول لگا دیا ہے نواب سر احسن اللہ خان کی وفات کے بعد فرزند اکبر نواب سر سلیم اللہ خاں (مرحوم) آنکے جانشین ہوئے۔ جوانی کا عہد تھا۔ با اختیار ہو کر عیش و عشرت کے رنگ میں رنگین ہو گئے اور بہت سا روپیہ برباد کر دیا۔ مگر خوبی بخت سے علی گڈہ پارٹی کے اقتدار میں آگئے اور اس جماعت نے آن کو قومی لیڈر اور ہمدرد قوم و ملت بنا دیا۔ اب نواب سر سلیم اللہ خاں ایسٹرن بنگال کے مسلم لیڈر اور پبلک و گورنمنٹ دونوں کے نزدیک صاحب اثر و اقتدار تھے تقسیم بنگال کے وقت وہ حکومت کے حامی اور اس تقسیم سے قومی فوائد حاصل کرنے کے درپے تھے۔ بنگالی ہندو اپنا نفع ہاتھ سے جاتے دیکھکر ایجی ٹیشن میں مشغول ہو گئے اور اتنی شورش مچائی کہ گورنمنٹ کو اپنا فیصلہ تقسیم بنگال کا منسوخ کر دینا پڑا۔ نواب سر سلیم اللہ پر حکومت کے اس ردیہ کا بہت بڑا

اثر ہوا۔ اور وہ اسی کو فت میں جوان مرگی سے ہم آغوش ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ نواب سلیم اللہ کے بعد ایسٹرن بنگال میں کوئی بڑا اور عام مسلمان لیڈر نہ رہا۔ اور نہ امید ہے کہ کوئی جلد تر انکی جگہ لے سکے۔ کیونکہ اس خطہ کے مسلمان روساء اور امراء کی جو حالت میں نے دیکھی ہے اس سے یہ امید نہیں ہوتی کہ کسی کو مسلمانوں کی عام ترقی کا اتنا شغف ہو جس قدر مرحوم نواب سلیم اللہ خاں کو ہو گیا تھا۔

نواب سر سلیم اللہ مرحوم کے بعد آن کے فرزند جوان سال نواب سید حبیب اللہ صاحب احسن منزل وقف کے متولی ہوئے۔ عنوان شباب نے رنگ رلیاں منانے کے سوا کسی خوبی کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ ریاست کو زیر بار کر لیا۔ اور اگر حکومت دخل نہ دیتی تو وہ اپنی کامل بربادی کر لیتے لیکن گورنمنٹ نے ریاست کورٹ آف وارڈس کے زیر انتظام کر لی اور نوجوان رئیس کو جنگ عراق کے سلسلہ میں بغداد روانہ کر دیا۔ کہ شائد اس طرح انکی کچھ اصلاح ہو جائے۔ اسوقت ریاست موقوفہ کا منیجر ایک انگریز مسمی ہارڈنگ ہے۔ اور اسٹیٹ کے صدہا ملازمین میں سے صرف ایک مسلمان چالیس روپیہ ماہوار کا نوکر ہے ورنہ سب ہندو بنگالی اور انگریز ہی ملازم ہیں۔ یہ ایک اسلامی وقف کا حال ہے۔ خدا ہی رحم فرمائے۔

اب احسن منزل عالی منش اور خوش خیال افراد سے خالی ہے۔ بوڑھوں میں ایک خواجہ محمد موسیٰ صاحب زمانہ دیدہ اور بہتر آدمی ہیں اور جوانوں میں خواجہ محمد اعظم صاحب سر سلیم اللہ مرحوم کے بہنوئی خوش مزاج اور باخبر آدمی ہیں۔ ان کو جس قومی کام میں لے لو آجاتے ہیں اور سوز دل سے کام کرتے ہیں۔ باقی ہوس۔

کمیلا۔ ۵۔ فروری ۱۹۱۸ء کو ڈھاکہ سے کمیلا کی جانب رہ سپار ہوا۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب مع اپنے نواسہ سید ثناء اللہ سلمہ اللہ کے اسٹیشن تک

مشائخت کو آئے۔ اور مولوی مصلح الدین جواد میاں صاحب ایک ملازم کے ساتھ نارائین گنج اسٹیشن تک ساتھ رہے۔ ۴ بجے ٹرین نارائین گنج پہنچی۔ ڈاک کا جہاز لگا ہوا تھا۔ اسپر سوار ہو گیا۔ ۷½ بجے شب کو چاند پور پہنچا۔ اور چاند پور سے آسام میل ملگئی جس نے ۱۱½ بجے شب کو کمیلا پہنچایا۔ نواب حسام حیدر صاحب کا اردلی مع انکے عزیز مسعود میاں صاحب کے مجھے لینے آیا تھا۔ ان کے ساتھ ۱۲ بجے نواب صاحب کے مکان پر پہنچکر سو رہا۔ رات کا کھانا جہاز کے ہوٹل میں کھالیا تھا۔

۶۔ فروری ۱۹۱۸ء۔ صبح کو جناب نواب حسام حیدر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کمال خلق و مروت اور نہایت تپاک سے ملے۔ یہاں کے رئیسوں کی ایک خاص شان ہے۔ ملنے میں نہایت بے تکلف۔ نہ حاجب ہے نہ دربان۔ وضع بالکل سادہ ایک تہبند معمولی قمیص۔ اوپر سے کوٹ۔ کسی تکلف یا تصنع کا نام تک نہیں اسی حیثیت کا کوئی رئیس اپنے ملک یعنی آگرہ و اودھ کا ہو تو اسکے حضور میں باریابی ہی مشکل سے ہوتی ہے۔ مگر یہاں نواب صاحب بفضل خدا ایک لاکھ روپیہ سالانہ سے زائد توفیر کا علاقہ رکھتے ہیں۔ اور ان اطراف میں ممتاز رئیس ہیں۔ ایسی سادگی اور بے تکلفی سے ملے کہ اسلامی اخوت کا لطف آگیا اور دل خوش ہو گیا۔ نواب صاحب ساداتِ بارہا کے خاندان سے ہیں۔ عہد شاہان مغلیہ میں ان سادات کا عروج محتاج بیان نہیں۔ نواب صاحب کے مورث اعلی سید جعفر صاحب ٹپرا کے راجہ صاحب کے استاد و اتالیق مقرر ہو کر ایسٹرن بنگال میں آئے اور یہیں رہ پڑے زمینداری پیدا کی۔ مال و دولت جمع کر کے عزت و جاہ بڑھائی۔ اور اب تک انکی اولاد خوش گذاران حالت میں ہے۔

نواب حسام حیدر صاحب سید جعفر صاحب سے چوتھی پشت میں ہیں۔ چار پشت سے ریاست کا سلسلہ چلا آتا ہے۔ اور ذاتی اثر اور وجاہت کے ذریعہ سے

خان بہادر و نواب کا خطاب پایا ہے۔ کمیلا کے میونسپل کمشنر ہیں اور مختلف کمیٹیوں کے صدر انجمن۔ بنگال کونسل میں مسلمانوں کے نمائندہ بھی رہ چکے ہیں۔ خان بہادری کا خطاب سنہ ۱۹۰۱ء میں پایا۔ اور سنہ ۱۹۱۱ء دربار دہلی کے زمانہ میں نواب ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

کمیلا کے حسب ذیل سربرآوردہ مسلمانوں سے ملا۔ پہلے منشی مولوی علی احمد صاحب آپکا خاندان بھی اکبری عہد میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے انکے یہاں ایک سند غازی الدین بادشاہ دہلی کی دیکھی (۹) جسمیں خلیفۂ حضرت قطب الاقطاب مخدوم شاہ شیخ منیر شاہ نور قطب عالم کو برائے دعائے دولت و اقبال موضع کلوائی پرگنہ بہلوہ ضلع نواکھالی میں عنایت ہوا تھا۔ یہ سند ۱۱۳۶ھ میں عطا ہوئی تھی اور موضع مذکور اب تک بصورت معافی خاندان میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ اور زمینداری بھی خرید کر لی ہے۔ اب میر خاندان منشی مولوی علی احمد صاحب ہیں۔ اور اسی خاندان کے ایک رکن واصل الدین احمد صاحب المعروف بہ رمضان میاں گورنمنٹ پوسٹل ڈیپارٹمنٹ میں نوکر تھے اب پنشن لے رہے ہیں۔ اس خاندان کو مولوی علی احمد صاحب ہی کی ذات تک ختم سمجھئے۔ آپ بنگلہ زبان کے من چلے طرفدار اور ہندو پارٹی کے خاص دوست ہیں۔ علمی مذاق بھی رکھتے ہیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب بی۔ اے۔ بی ایل۔ آپ ایسٹرن بنگال کے پرجوش مسلمانوں میں سے ہیں۔ دل میں قومی درد رکھتے ہیں۔ اس نواح کے مسلمانوں میں دو ہی چار آدمی اس رنگ کے دیکھنے میں آئے۔ ان کے مورث اعلیٰ عہد افغانان میں وارد ضلع میمن سنگھ ہوئے تھے ان کا نام تاج محمد صاحب تھا۔ اور مقصد تشریف آوری اشاعت اسلام۔ اصلاً ترکستانی تھے۔ انکا مزار مقام گلیاچوپڑا ضلع میمن سنگھ میں ہے۔ ہمیشہ سے یہ خاندان علماء و فضلاء کا گھر رہا ہے۔ ایسٹرن

بنگال میں پیران طریقت کو "خوندکار" کہا جاتا ہے۔ یہ خاندان بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ تین پشت سے بعض اشخاص ملازمت گورنمنٹ بھی کر رہے ہیں۔ مگر مولوی عبدالکریم صاحب نے وکالت کا آزاد پیشہ پسند کیا۔ اور بفضل خدا کامیاب وکیل ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ سچا جوش اور قومی درد رکھتے ہیں۔

مولوی محمد یونس صاحب ساکن موضع آکھدی ضلع مونگیر ایک فاضل بزرگ تین سال سے کمیلا میں ہیں اور مدرسہ حامیہ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ آدمی باخدا۔ پاکیزہ صفات اور خوش خیال ہیں۔ انکی صحبت سے روزانہ لطف رہتا ہے۔

نواب حسام حیدر صاحب نے میلاد شریف کی مجلس ترتیب دی۔ مجھکو پڑھنا پڑا۔ شرفاء کمیلا موجود تھے۔ سب نہایت محظوظ ہوئے۔

۸۔ فروری۔ نواب حسام حیدر صاحب ممبروں کی تلاش میں میرے ساتھ ہوئے۔ مولوی عبدالجلال خاں صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ سے ملنا ہوا۔ آپکے بزرگ بھی پٹھانوں کے عہد میں وارد ایسٹرن بنگال اور یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ مکان آپکا رائے کھالی بکرم پور میں ہے۔ انکے مورث شاہ محمد خاں صاحب فوجی سردار تھے۔

مولوی دلیل الرحمٰن صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ۔ شاہ قتال جنگادین کی اولاد میں ہیں۔

مولوی وحیدالدین صاحب بی۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کمیلا۔ ساکن کلکتہ معمولی مسلمان خاندان کے رکن اور ذاتی شوق و محنت سے کسب علم کرکے ملازمت سررشتہ تعلیم میں داخل ہوئے ہیں۔ اب ترقی کرکے ہیڈ ماسٹری پر آئے ہیں۔ اور یہ ایک خاص بات ہے کہ تمام ایسٹرن بنگال میں تعلیم کے صیغہ میں جن مسلمان مدرسین یا ماسٹراں سے مجھے سابقہ پڑا ہے۔ وہ سب کہ وبیش

ایسے ہی ملے۔

مدرسہ عزیزیہ تجویدیہ حافظیہ کا معاینہ کیا۔ دو بھائی حافظ کبیر محمدؐ و حافظ صغیر محمدؐ صاحبان اسکے مہتمم ہیں۔ زیادہ تر یہ مدرسہ نواب حسام حیدر صاحب کی داد و دہش سے چل رہا ہے اور کچھہ دوسری آمدنی بھی ہوجاتی ہے۔ ڈیڑھ سو طالبعلم زیر تعلیم ہیں اور ایکسو حافظ اور مجوّد ہو کر نکل چکے ہیں۔ یہ دونوں بھائی قرآن کریم کے حفظ سے ہندوستان میں فارغ ہوئے تھے۔ مگر فن تجوید مکہ مکرمہ میں حاصل کیا۔

نواب صاحب نے شہزادہ شجاع ابن شاہ جہاں بادشاہ کی ایک مسجد دکھلائی۔ یہ مسجد دریا کے کنارہ پر بنی ہے۔ عمارت میں کوئی خاص خوبی نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت شجاع اپنے بھائی عالمگیر کے خوف سے بھاگ کر ادھر آیا اور کمیلا میں ٹھہرا تھا تو یہاں سے جاتے ہوئے ایک انگوٹھی اپنے ہاتھ سے نکال کر دی کہ اسکی یادگار میں یہاں ایک مسجد تعمیر کردی جائے۔ مسجد میں کتبہ بھی لگا تھا مگر ہندوؤں نے اسکو اکھاڑ لیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جوار کی ایک ہندو ریاست کا ایک موضع اس مسجد کے خرچ کے لئے معافی میں ملا تھا۔ اور وہ کتبہ اسکی سند تھی۔ اب کتبہ کے غائب ہوجانے سے کوئی سند باقی نہیں رہ گئی اور موضع ضبطی میں آگیا۔ نواب حسام حیدر صاحب اس مسجد کے اخراجات کی بہت کچھہ کفالت فرماتے ہیں۔

نواب حسام حیدر صاحب نے ایک قرآن شریف قلمی مذہّب و مطلّا دکھایا۔ دبیز چکنے کاغذ پر خط ولایت لکھا ہوا ہے۔ بڑی تقطیع ہے۔ اسکے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوگئیں۔ خاص شہزادہ دارا شکوہ کی تلاوت کا مصحف ہے۔ مہر اسکی موجود ہے۔ ایک یورپین لیڈی سے نواب صاحب نے لیا تھا عجیب نادر مصحف ہے۔

۹۔ فروری۔ مدرسۂ عربیہ حسامیہ کے طلبہ نے مجھسے تقریر کرائی۔ انجمن ترقی

اردو کے اغراض و مقاصد تھے۔ مدرسہ کا رجسٹر دیکھا۔ ۲۰۴ طلبہ کے نام درج رجسٹر ہیں۔ ما عہ روپیہ ماہوار گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے۔ اور نواب حسام حیدر صاحب کے وقف سے ایکسو روپیہ ماہوار۔ فیس ماہانہ کی آمدنی ما روپیہ ہے۔ جملہ صمامہ عہ ماہوار آمدنی اور صمامہ عہ ماہوار خرچ ہے۔ مکان نواب صاحب نے عطا کیا ہے۔ گورنمنٹ بنگال کا منظور کردہ عربی نصاب زیر تعلیم ہے۔ اسمیں عربی علم ادب کی مقدار زیادہ ہے۔ اس قسم کے مدارس سے جو طلبہ کامیاب ہو کر نکلتے ہیں وہ قاضی کے منصب پر مامور ہو جاتے ہیں۔ اور انمیں سے اکثر دیوبند یا ندوۃ العلماء کے دار العلوم میں تکمیل علوم دینیہ کر کے وعظ و ارشاد کیا کرتے ہیں۔

ہنگولی - ۱۱ - فروری - نواب حسام حیدر صاحب اور رمضان میاں صاحب کی معیت میں ہنگولی ضلع چانگاؤں کو گیا۔ ریلوے اسٹیشن دھوم سے ہنگولی صرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں حضرت شاہ بدل صاحب کا مزار ہے۔ یہ بزرگ اس سرزمین میں ۶۰۰ سال ہوئے اشاعت اسلام کے لئے آئے تھے۔ دوسرا مزار شاہ مستان کن کا ہے۔ انکی وفات کو سوا سو برس کا زمانہ ہوا ہے ان دونوں مزاروں کے خادم سید شاہ معز الدین صاحب معمولی سجادہ نشینان وخادمان مزارات کے ہم مشرب ہیں۔ کوئی قدیم کاغذ یہاں نہیں جس سے قدامت کے آثار معلوم ہوں۔ نواب حسام حیدر صاحب نے دونوں مزار پختہ بنوا دیے ہیں اور ایک مختصر سی مسجد بنوا دی ہے۔ ہر سال معقول رقم اس آستانہ کو نذر کیا کرتے ہیں۔ سجادہ نشین صاحب تو آدمی ہیں کچھ سیماے بزرگی رکھتے ہیں۔ مگر انکے فرزند ارجمند تو ابھی کچھ بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ آگے چلکر بزرگ اطوار ہو جائیں۔

شب کو حضرت شاہ بدل کے آستانہ پر رہنا ہوا۔ یہاں جوار کے موضع

پراگل پور ضلع چاٹگاؤں کے زمیندار شیخ بذل السبحان صاحب نے مجھ پر کرم فرمایا اور ملنے کیلئے قدم رنجہ کیا۔ ایسے اخلاق سے ملے کہ دل خوش ہو گیا۔ اسوقت یہ گھر تعلیم کے زیور سے آراستہ ہے۔ پانچ بھائی ہیں اور سب تعلیم یافتہ۔ ان کے مورث اعلیٰ غزنی سے غوریوں کے زمانہ میں یہاں آئے تھے۔ انکے جد امجد جبرا خان ایک دستۂ فوج کے صوبہ دار میجر تھے۔ اگرچہ غزنوی الاصل افغان ہیں لیکن اب شیخ کہلاتے ہیں۔ ایسٹرن بنگال میں بہتیرے پٹھان گھرانے خود کو شیخ کہتے ہیں۔ شیخ بذل السبحان صاحب بی۔ اے۔ علیگ۔ آپ گھر کی زمینداری کا انتظام فرماتے ہیں۔ اور دیگر برادران شیخ ارادت بیرسٹر و سب جج۔ شیخ نور الاسلام بیرسٹر۔ شیخ مظہر الدین بیرسٹر۔ اور شیخ سراج الدین صاحب ہیں۔ شیخ سراج الدین صاحب بھی گھر کے کام میں مصروف رہتے ہیں اور بڑے بھائی کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ زمینداری تو صرف بیس ہزار روپیہ سالانہ کی ہے مگر خوش انتظامی کی وجہ سے حالت بہت اچھی ہے۔

۱۳۔ فروری۔ ہنگولی سے تین میل پر ایک انگریزی اسلامیہ ہائی اسکول ہے فجر کی نماز کے بعد رمضان میاں صاحب کو ساتھ لیکر اسے دیکھنے گیا نصف راستہ طے ہوا تھا۔ کہ عین راہ میں ایک شکستہ اور زمیں دوز مسجد کے آثار نظر آئے۔ نزدیک جاکر دیکھا۔ پاشاں پتھروں پر خط کوفی میں آیات کلام اللہ کھدی ہوئی پائیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں شہزادہ شجاع کے ایک ساتھی نے سکونت اختیار کر لی تھی اور اپنے نام پر سبحان نگر آباد کیا تھا گڑھی اور مسجد بنوائی تھی۔ اب ایکسو سال سے وہ خاندان فنا ہو گیا ہے۔ اسکی املاک پر گورنمنٹ قابض ہو گئی گڑھی مع دیگر سامان کے پیوند زمین ہو چکی ہے۔ مسجد کے آثار یہ ہیں۔ اس داستان الم افزا سے داغ بر جگر ہو کر آگے روانہ ہوا اور منزل مقصود تک پہنچا۔

اسکول ایک تالاب کے کنارہ بلند پشتہ پر بنا ہے۔ تالاب بہت بڑا ہے اور سامنے پہاڑی کا دلکشا منظر ہے۔ اسکول کا نام۔ رام سندر۔ رام گورہ۔ زور آور گنج ہائی اسکول ہے۔ مدرسہ تو اسلامیہ ہے۔ مگر ہندو مسلمان زمینداروں کی چشمک پر ایک ہندو ساہوکار نے عمارت بنوائی اور سات ہزار روپیہ اس شرط سے دیا کہ اسکول اسکے باپ کے نام سے موسوم ہو۔ اس مدرسہ کے سکرٹری اور روح رواں مولوی فضل القدیر صاحب بی۔ اے سب رجسٹرار ہیں۔ پریسیڈنٹ چودھری کامنی کنور ہیں۔ چندہ میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں۔ پندرہ مدرسین میں سے ۸ مسلمان اور ۷ ہندو ہیں۔ ہر چوتھے دن قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔ مسلمان طلبہ کو پابند نماز رکھا جاتا ہے۔ مسجد اور بورڈنگ بانس کی ٹٹیوں کے در و دیوار اور ستونوں سے بنے ہیں اور خس پوش ہیں۔ صرف مدرسہ کی عمارت پختہ اور ٹین پوش ہے۔ بورڈنگ میں چھ ہندو اور بیس مسلمان بورڈر ہیں۔ بہت سے طلبہ جاگیر پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مصارف بورڈنگ سات روپیہ ماہوار ہیں۔ مدرسہ کا موجودہ خرچ ۳۳۵ ماہانہ ہے۔ فیس سے ۱۷۵ روپیہ اور گورنمنٹ سے ایکسو روپیہ ماہوار آتا ہے۔ ساٹھ روپیہ کی کمی کبھی سکرٹری اور گاہے صدر انجمن کی جیب سے پوری کردی جاتی ہے۔ ہیڈ ماسٹر محمد معظم حسین صاحب بی۔ اے ہیں۔ آدمی صاحب دل اور اچھے ہیں۔ تین سال سے بڑی محنت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ۲۵۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ انمیں سے مسلمان صرف ایکسو ہیں۔

چاٹگاوں۔ اسکول کے معائنہ سے فارغ ہو کر ہنگولی واپس آیا۔ حضرت شاہ بدل رحمہ کے آستانہ کا لنگر کھایا۔ وہاں سے سب ایک بجے دن کو ریلوے اسٹیشن پر آگئے۔ میں چاٹگاوں کو چلا اور نواب حسام حیدر صاحب کمیلا کو واپس گئے۔ نواب صاحب نے مزید کرم یہ فرمایا کہ مولوی عبدالستار صاحب وکیل

کوتار دیدیا تھا۔ یہ بزرگ چاٹگاؤں ریلوے اسٹیشن پہ میرے استقبال کیلئے آگئے تھے۔ اپنے ساتھ لے گئے اور اسلامیہ ہوسٹل میں ٹھہرانا چاہا۔ مگر میں نے لڑکوں میں رہنا پسند نہیں کیا۔ اور ناجنسی کی وحشت میں مبتلا ہونے سے گریز کیا۔ آخر وہ مجھکو اسلامیہ ریڈنگ روم میں لے گئے اور وہاں جگہ دی۔ یہ ریڈنگ روم مسجد شائستہ خاں کے قریب ہوسٹل کی عمارت سے کچھ بلندی پر واقع ہے۔ بانس کے در و دیوار کی خس پوش عمارت ہے۔ اس مسکن میں دو انیس بھی ملگئے۔ ایک مولوی ظفر حسین صاحب علیگ اعظم گڈھی جو یہاں گورنمنٹ عربی مدرسہ میں دوم لکچرار عربی ہیں۔ اور دوسرے مولوی جمال الدین صاحب ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مولٰنا علیگ نہایت ذیعلم ذکی مہذب و متین۔ نیک طبع شریف خصال انسان۔ مولٰنا محمد فاروق چریاکوٹی رح کے شاگرد رشید۔ بڑے طباع اور سخندان و سخنگو آدمی ہیں۔ ایسے ہمجلیس کے ملنے سے بیحد خوشی ہوئی۔ مولوی صاحب میلاد شریف خوب پڑھتے ہیں۔ یہ ایک اور ہمرنگی ہے۔ مولوی جمال الدین صاحب مضافات چاٹگاؤں کے ایک دیہاتی شریف ہیں۔ اور دونوں صاحبوں کی مجالست لطف دے رہی ہے۔

مولوی عبدالستار صاحب بی۔ اے۔ بی ایل۔ وکیل۔ جنکا میں مہمان ہوں شیخ قریشی اور مضافات چاٹگاؤں کے رہنے والے ہیں۔ اسوقت گورنمنٹ پلیڈر ہیں۔ آنکے دادا اور والد بھی وکیل تھے۔ اور دادا صاحب وکیل سرکار رہ چکے ہیں آدمی سادہ مزاج۔ صاف دل اور سچے پر جوش ہیں۔ اُردو فارسی اور عربی نہیں جانتے رات کو آرام کرکے صبح کے وقت کام کے لئے اُٹھا۔ پہلے عبدالرحمٰن صاحب دوباشی کے یہاں گیا۔ یہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ خوشحال آدمی ہیں۔ بادبانی جہازوں کے بنانے اور چلانے کا کارخانہ ہے۔ دوباشی یوں کہلاتے ہیں کہ انکے بزرگ

یوروپین افسروں کے خانساماں تھے۔ اور اس ملازمت میں اپنی مادری زباں کے علاوہ انگریزی بھی بولنا سیکھ گئے۔ انکو لوگوں نے دوبھاشی یعنی دوزبانیں جاننے والا مشہور کیا۔ اسطرح یہ جماعت دوباشی کے نام سے موسوم ہوگئی ہے۔ علم وتہذیب کا انھیں کوئی چرچا نہیں۔ عادات عامیانہ ہیں۔ قومی اور علمی کاموں کا مذاق ہو تو کیونکر۔ لیکن دولت مند ہونے کی وجہ سے مرجع آمال ہیں اور قومی گداگر ان کے پاس بھی جاتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی نصیب کی بات ہے۔ میں گیا تو مجھ سے بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ اپنے مکان پر ٹھہرانے کی استدعا کی۔ مگر میں ایک جگہ بآرام ٹھہرا ہوا تھا۔ اس لئے معذرت کی اور انکی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔

۱۴۔ فروری کو شاہ امان اللہ صاحبؒ کے مزار۔ اور شاہ بدرؒ اور شاہ بایزید بسطامیؒ (؟) کے چلوں پر زیارت کے لئے گیا۔ کوئی جگہ بلحاظ عمارت قدیم نہیں معلوم ہوئی خصوصاً بایزید بسطامیؒ کا چلّہ تو محض غلط ہے۔ یہ بزرگ ہندوستان میں کبھی آئے ہی نہیں۔ ہاں کوئی دوسرے صاحب اس نام کے رہے ہونگے۔ میرے نزدیک بسطامی کی نسبت قطعاً غلط ہے اور اس سے دھوکا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چاٹگاؤں کی حالت عجیب ہے۔ مسلمان علماء اور صوفیہ کے درس وارشاد کے حلقے بکثرت ہیں۔ مگر ان سے یہ زہریلا اثر پیدا ہو رہا ہے کہ نہ دینی مسائل میں دو عالم متفق ہوتے ہیں اور نہ ارشاد وہدایت میں دو صوفی ایک جنس نظر آتے ہیں۔ ہر عالم ایک دوسرے کی تکفیر وتذلیل کے درپے ہے اور پیران طریقت اپنے مریدوں کو دوسرے پیروں سے بدظن بنانے میں سرگرم ہیں۔ اور اس ساری کارروائی کی اصلی غرض وغایت حدیث شکم ہے۔ افسوس! عالمانِ دینِ ہدیٰ اور سالکانِ طریقت صفا میں سے کوئی صاحب قابل ذکر نہیں نظر آتے مگر ایک بزرگ مولوی عبدالحمید صاحب

ضرور ایسے ہیں کہ اُنکا کچھ تذکرہ نکرنا ایک قسم کا جرم ہوگا - پنجاب میں حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی - اور چاٹگاؤں ہیں مولوی عبدالحمید صاحب وحی والہام کے مہبط ہیں - فرق صرف اسقدر ہے کہ مرزا صاحب ببانگ دہل تمام خلق کو اپنا الہام سناتے تھے اور مولوی عبدالحمید صاحب محض اپنے مریدوں سے سرگوشی کرکے وحیِ منزل کی اشاعت کرتے ہیں - سنتا ہوں کہ مولوی عبدالحمید صاحب مریدوں سے سجدۂ تعظیمی پر بہت خوش ہوتے ہیں - اس علاقہ کے بعض علماء نے ایسے سجدہ کو ناجایز قرار دیا ہے اور اسکے خلاف کچھ رسائل لکھے ہیں - اُن رسایل کا جواب عبدالحمید صاحب کے مرید با اختصاص اور خلیفہ خاص شاہ بدیع الزماں صاحب نے لکھا ہے - یہ رسالہ میں نے بھی دیکھا - پیر کو تعظیمی سجدہ کرنے کے جواز پر زور دیا ہے - زبان اُردو بالکل غلط - اور دلائل لاطائل -

ان مولوی صاحب کے ایک مرید اور داماد مولوی مستفید الرحمٰن صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں - چاٹگاؤں میں ان سے بھی لوگ خوش نہیں پائے جاتے -

شام کو میونسپل اسکول میں صاحب کمشنر کی زیر صدارت مولوی واحد حسین صاحب بی - اے - بی - ایل - کلکتہ کا لکچر تھا - میں بھی مدعو کیا گیا تھا - مولوی جلال الدین صاحب بی - اے - بی - ایل - پرجوش نوجوان - شیخ قریشی - قابل اور معزز گھرانے کے آدمی - انجمن اسلام چاٹگاؤں کے سکرٹری قومی اور تعلیمی کاموں سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں - اس انجمن میں ترقی اُردو کی مفت لائبریری کھول دی گئی -

چاٹگاؤں کے آثار قدیمہ ہیں - قدم رسول صلعم کی مسجد مشہور ہے - شاہجہان بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوئی ہے - کتبہ کوئی نہیں - معافی جو مسجد کیلئے تھی متولی صاحبان بیچکر کھا گئے - موجودہ متولی بیحد لاپروا - اور فضول خرچ ہیں - مسجد شکستہ ہو رہی ہے - دوسری مسجد شائستہ خاں صوبہ دار بنگالہ کی بنوائی ہوئی ہے - اس گورنر نے چاٹگاؤں کو

اسلام آباد کے نام سے موسوم کیا تھا۔ تاریخ تعمیر مسجد کا کتبہ موجود ہے اور حسب ذیل ہے۔

| | |
|---|---|
| خداوندے سلاطین قدر دیندار | رواجِ دینِ پاکِ مصطفٰے کرد |
| خلیل آسا ہمایوں مسجدے ساخت | کہ از وے رونقِ دینِ ہدیٰ کرد |

خرد گفتا بگو تاریخ تعمیر
بعالم کعبۂ ثانی بنا کرد

سنہ ۷۸ اہجری

میں نے اس مسجد کو سنہ ۱۳۳۶ھ میں دیکھا۔ اس حساب سے آج بہ ۲۵۸ سال کی قدیم تعمیر ہے۔ اسلامیہ ہوسٹل اسکے قرب میں ہے۔ اُسکی وجہ سے خوب آباد رہتی ہے۔ مقامی مسلمانوں نے باہمی چندہ سے صحن میں ایک خوبصورت سائبان لگا دیا ہے۔ جسکے نیچے اسوقت سنگ مرمر کا فرش لگوا رہے ہیں۔ اور نصف کام میرے سامنے ہو چکا تھا۔

خطاب یافتہ خاں صاحب عبدالعزیز خان بی۔ اے انسپکٹر سررشتۂ تعلیم کمشنری چاٹگاؤں نئی تحریکوں میں سب سے بڑا حصہ لیا کرتے ہیں۔ آپ موجودہ روشن خیالی کے اعتبار سے خاص آدمی ہیں۔ اگرچہ سرکاری ملازم ہیں۔ لیکن قومی کاموں اور خاصکر مسلمانوں کے تعلیمی اعمال سے بے انتہا دلچسپی رکھتے ہیں اور اسبارہ میں سراپا عمل ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں عام مسلمانوں سے ۵۸ ہزار روپیہ چندہ جمع کرکے وکٹوریہ اسلامیہ ہوسٹل بنوایا۔ ۴۸ طلبہ اسوقت ہوسٹل میں رہتے ہیں اور ۹۰ طلبہ کی جگہ ہے۔ جملہ خرچ ۱۰۰ روپیہ ماہوار ہے۔ جسمیں کھانا۔ پلنگ میز۔ کرسی۔ اور روشنی وغیرہ سب چیزیں ملتی ہیں۔ آپنے ہیڈ ماسٹری سے ترقی کرکے یہ منصب پایا ہے۔ اپنے کام میں نہایت مستعد ہیں۔ اور قومی محبت کے نشہ میں سرشار۔ اشاعتِ اسلام کے بھی بڑے دلدادہ ہیں۔ مگر مولوی صاحبان کی

فرض ناشناسی کام میں نا واجب سستی۔ اور کچھ خلقی کے بیحد شاکی ہیں بہر حال آپ ایک مہذّب۔ متین۔ کارکن۔ اور محب قوم آدمی ہیں۔ اور یہاں کی محمڈن ایجوکیشنل سوسایٹی کے سکرٹری بھی ہیں۔

چاٹگاؤں آنے کے تیسرے دن شام کو جلال الدین صاحب کے ساتھ ساحل دریا پر گیا۔ نہایت خوشنما گھاٹ ہے۔ دریا بہت بڑا اور وسیع ہے۔ اسمیں جہازرانی ہوتی ہے۔ لب ساحل ہر وقت جہاز۔ بوٹ۔ بجرے۔ سنپان۔ اور بادبانی جہاز لنگرزن اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ ساحل سے چھ میل آگے چلکر یہ دریا سمندر میں مل جاتا ہے۔

مولوی غلام قادر صاحب دیوبند اور دہلی کے تعلیم یافتہ فارغ التحصیل عالم ہیں۔ زمینداری بھی وسیع رکھتے ہیں۔ ان کے والد شیخ اشرف علی فاروقی ہیں۔ مورث اعلیٰ خلجی سلاطین کے عہد میں وارد بنگال ہوئے تھے۔ اور یہیں رہ گئے۔ آدمی منتظم اور صاحب خیر ہیں۔ جدید اسکیم کے مطابق اپنے موضع سنوا۔ تھانہ بانس کھالی ضلع چاٹگام میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا ہے۔ اسمیں عربی علوم کے ساتھ انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ میں ڈیڑھ سو طلبہ ہیں۔ اور تیس کو اپنے پاس سے کھانا بھی دیتے ہیں۔

آنریبل خانصاحب مولوی امان علی صاحب زمیندار و پلیڈر۔ پرانے وقت کے آدمی۔ ہفتاد سالہ۔ غوری افغان۔ نواب مرشدآباد کے ساتھیوں میں تھے۔ انکے مورث اعلیٰ امیر محمد خاں یہاں آرہے تھے۔ پہلے سکونت موضع باکھلیا ضلع چاٹگاؤں میں تھی۔ اب خاص شہر میں ماندوبود ہے ١٩١٦ء میں بنگال کونسل کے ممبر ہوئے۔ میونسپلٹی چاٹگاؤں کے چیرمین۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔ زمانہ کی انقلابی تحریک سے طبعاً سخت خلاف ہیں۔ چاٹگاؤں میں کوئی شریف مسلمان

ان سے زائد معمر اور باا ثر نہیں حقیقت میں بزرگ اور بزرگی کے شایاں ہیں۔

چاٹگاؤں میں عربی تعلیم کا بہت رواج ہے۔ ماشاءاللہ تمام مسلمانوں کی آبادی ہے۔ یعنی بیشتر مسلمان آباد ہیں۔ یہاں پردہ نسواں بہت سخت ہے۔ سڑکوں اور گلیوں یا بازار میں عورت کی شکل بہت ہی کم نظر آئیگی۔ مسلمان صوم وصلوٰۃ کے بیحد پابند ہیں۔ اور منکرات شرعیہ سے بظاہر بالکل بری۔

چاٹگاؤں کی زبان بنگالی زبان سے اسقدر مختلف اور الگ ہے کہ بنگالی اسکو بالکل سمجھ نہیں سکتے۔ (خ) کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔

چاٹگاؤں۔ ساحل دریا پر ایک پہاڑی جگہ ہے۔ قصبہ نہایت خوبصورت بسا ہوا ہے۔ مٹی کی ٹیکریاں دور تک مسلسل چلی گئی ہیں جنکی نشیب میں اور بلندی پر بھی عمدہ عمدہ بنگلے بنے ہیں۔ بازار سلیقہ کا ہے۔ اور ٹاؤن صاف وستھرا۔

۲۶۔ فروری کو چاٹگاؤں سے کمیلا واپس آگیا۔ یہاں پہنچا تو نواب حسام حیدر صاحب کے یہاں بنگال محمڈن کالج اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا وفد آیا ہوا تھا۔ یہ ایسوسی ایشن اسلئے بنی ہے کہ جو کلکتہ کالج کے مسلمان طلبہ اس ایسوسی ایشن کے عہدہ دار ہوں وہ جملہ مسلمان طلبہ کی تعلیمی شکایات اپنی وساطت سے افسران سررشتہ تعلیم تک پہنچائیں اور اُن سے چارہ جوئی کیا کریں ایسوسی ایشن ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی پہلے سکرٹری مولوی فضل الحق ساکن نواکھالی ایسٹرن بنگال نوجوان فوت ہوگئے۔ نواب سید اکبر علی بی۔ اے۔ سکرٹری ہوئے ہیں اور حسب ذیل ارکان وفد گشت کر رہے ہیں۔ سکرٹری سید اکبر علے بی۔ اے۔ چودھری نورالحق ایم۔ اے۔ محمد عبد اللہ بی۔ اے۔ اور محمد عبدالرزاق بی۔ اے۔ ارکان۔ یہ تمام اضلاع ایسٹرن بنگال میں دورہ کر کے ایسوسی ایشن کی شاخیں کھولتے اور مسلمان طلبہ میں باہمی اتحاد ویگانگت

کارشتہ قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ خدا انکی سعی بار آور کرے۔

چاٹگاؤں کے متعلق ایک مدرسہ کا ذکر رہگیا تھا۔ وہ یہاں لکھتا ہوں۔ یہ سیتیا کنڈ ضلع چاٹگاؤں کا اسلامیہ ہائی اسکول ہے اسمیں چارسو طالبعلم زیر تعلیم ہیں۔ مسلمان ۲۴۰۔ ہندو ۱۵۰۔ بودھ ۱۰۔ اس مدرسہ کے سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب عربی مدرسہ کے سپرنٹنڈنٹ بھی ہیں۔ چھ سو روپئے ماہوار خرچ اور اسی قدر آمدنی ہے۔ گورنمنٹ سو روپیہ ماہوار دیتی ہے اور پانسو روپیے فیس سے آتے ہیں۔ اسکی عمارت کے فنڈ میں جمال برادر تاجر رنگوں نے پانچہزار روپیہ عطا کیا ہے۔ محبوب الٰہی صاحب ایم۔ اے۔ ٹی۔ ایل۔ ایم۔ آر۔ ایس۔ ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ڈہائی سال سے بخوبی تمام کام کرتے ہیں۔ پرجوش۔ علم دوست اور حقیقی قومی ہمدرد انسان ہیں۔ انگریزی اور بنگلہ زبان میں چند کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ پرشین گرامر بنگلہ زبان میں۔ اور انگریزی میں چند یونٹریاں لکھی ہیں۔

چاٹگاؤں کی آب وہوا خشک تر ہے۔ ایسٹرن بنگالہ میں آب وہوا کے لحاظ سے یہ بہترین جگہ ہے۔

۱۸۔ فروری کو کمیلا سے لکھشام آیا۔ دولت گنج تک جانے کے لئے دو گھنٹہ ٹرین کا منتظر رہنا پڑا۔ پیادہ پا لکھشام سے روانہ ہوا تاکہ چھم گانوں کی سیر کر لوں۔ ڈہائی میل کا فاصلہ تھا۔ ایک گھنٹہ میں طے ہوگیا۔ مولوی حکیم سکندر علی صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ آپ چھم گانوں کے رئیس اور حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ کے مرید ہیں دہلی میں فن طب حاصل کیا ہے۔ زندہ دل اور یار باش آدمی ہیں۔ ستار بجانے کا شوق ہے اور اچھا بجاتے ہیں گانے کا بھی ذوق ہے۔ مگر باخدا لوگوں کا سا۔ آپ نواب محمد علی چودھری صاحب رئیس چھم گانوں کے چچازاد بھائی ہیں۔ جدی سلسلہ شاہزادہ جہاندار شاہ سے ملتا ہے

یہ شہزادہ شاہنشاہ عالمگیرؒ کے عہد ۱۰۷۳ھ میں ٹپیرا ایسٹرن بنگال کے راجہ۔ رتن نانک کی گوشمالی کے لئے آئے تھے۔ یہ راجہ سرکش ہو گیا تھا۔ اُس سے صلح کر کے اپنے فرزند اکبر ہمایوں کو یہاں کا نگراں بنایا۔ ہمایوں نے ہمایوں آباد نامی قصبہ آباد کر کے اسی ملک میں رخت اقامت ڈال دیا۔ پرگنہ ٹپیرا میں یہ قصبہ آجکل ہمنا باد کے نام سے موسوم ہے۔ عہد سلطنت انگلشیہ میں اس خاندان کے سرغنہ چودھری سلطان خاں موجود تھے۔ انکا عرفی نام گورا غازی تھا۔ انکی اولاد میں اب خان بہادر محمد علی۔ نواب۔ نواب بہادر۔ چودھری موجود ہیں۔ ۲۲۔ جون ۱۸۹۶ء میں خان بہادر کا خطاب اور ۱۹۱۴ء میں نواب بہادر کا خطاب پایا ہے۔

اسٹیٹ کی آمدنی ۵۶ ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ شان ریاست نبھاتے ہیں۔ اور عالی منش آدمی ہیں۔ دولت گنج ریلوے اسٹیشن سے چھچھ گانوں تک عام راستہ ہے۔ رئیس کا مکان نیم یورپین وضع کا ہے۔ اور قصبہ میں لب تالاب ایک مسجد ہے۔ عمارت اسکی قدیم معلوم ہوتی ہے۔

مولوی حکیم سکندر علی صاحب ایسٹرن بنگالہ میں مجھکو پہلے شخص ملے جو دولت وجائداد رکھنے کے ساتھ علم و ہنر کے زیور سے بھی آراستہ ہیں۔ فن طب میں کامل مہارت ہے اور صورت و شکل سے دہلی کے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے پاس میں نے ایک خط فیروز شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی کا دستخطی اور مُہری دیکھا۔ یہ خط حکیم صاحب کے والد چودھری یعقوب علی صاحب مرحوم کے نام سے ۱۲۷۰ھ میں بادشاہ نے یہ خط بھیجا ہے اسکی عبارت حسب ذیل ہے۔

"چونکہ عزم بالجزم ما بدولت و اقبال جہت سیر و معائنہ عجائبات کلکتہ بخاطر عاطر بود۔ چونکہ عزیز موصوف از خاندان ما ہستند لہذا می خواہم کہ دیدار شما کنم" مہر وغیرہ کو میں نے غور سے دیکھا۔ یہ خط انکے شاہی خاندان سے تعلق کی

سند ہے۔ میں نے مولوی سکندر علی صاحب کے یہاں میلاد شریف پڑھا۔ یہیں
مولوی سید اظہر الحق صاحب ساکن طرف پویل ضلع سلہٹ سے ملاقات ہوئی۔
سید قطب الاولیا کی اولاد۔ اور چودھرائن بدر النسا صاحبہ کے شوہر ہیں۔
چودھرائن موصوفہ خاندان چھچم گانوں کی ایک معزز رکن ہیں اور اپنے والد مرحوم
کے حصہ کی کل جائداد کی مالک۔ مولوی سید اظہر الحق صاحب بی بی کی طرف سے
ریاست کے کارپرداز ہیں۔ ماشاء اللہ پانچ ہونہار لڑکے ہیں۔ ایک صاحبزادہ
صاحب ریاست کے انتظام میں شریک ہیں اور چار تعلیم پارہے ہیں۔ بڑے
صاحبزادہ سید غازی الحق صاحب ایم۔ اے۔ ہو چکے اب بی۔ ایل کی تیاری
کررہے ہیں۔ دوسرے بیٹے بی۔ اے۔ میں ہیں۔ تیسرے صاحبزادہ۔ ایف۔ اے
میں اور چوتھے صاحب انٹرنس کی جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ سید اظہر الحق صاحب
آدمی منتظم ہیں۔ مگر خلق و مروت میں کم مایہ۔ خاندان والوں سے انکی ان بن
رہتی ہے۔ اس ریاست میں انکی زوجہ سب سے بڑی حصہ دار ہیں۔ لیکن سید صاحب
بالکل سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

مولوی محمد ایوب صاحب پسر مولوی حکیم سکندر علی صاحب انٹرنس تک
انگریزی تعلیم اور کسی قدر فن طب سے بہرہ ور۔ شرافت و نجابت کے حامل۔
نہایت سعید نوجوان ہیں۔ مجھپر خاص عنایت فرماتے رہے۔ زمینداری کا انتظام
یہی کرتے ہیں۔ اپنے والد کے فرماں پذیر ہیں۔

۲۱۔ فروری ۱۹۱۵ء کو چھچم گانوں سے واپس ہوا۔ اور ۷ بجے شام کو کمیلا
پہنچگیا۔ مولوی عبد الکریم صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کے یہاں ٹھہرا۔

۲۲۔ فروری۔ مولوی رقیب الدین صاحب سب ڈپٹی مجسٹریٹ کمیلا سے
ملاقات ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ سلطان جان ملک غور سے آئے تھے۔ نواب شدآباد

کے فوجی سرداروں میں سے تھے۔ آپ قومی درد ومحبت اور اسلامی جوش سے معمور ہیں۔ اس ضلع کی محمڈن ایجوکیشنل سوسائیٹی کے سرگرم رکن ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔

مولوی لطف الرحمٰن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل منصف۔ ساکن کشتیا ضلع ندیا۔ آدمی ذی علم اور اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں۔ مجھے صبح کو ناشتہ پر مدعو کیا اور باخلاق تمام پیش آئے۔

آج مجھے سہراب علی خاں صاحب رئیس چھروپور ضلع گونڈہ نے ذریعۂ ٹیلیگرام ۳۔ مارچ ۱۹۱۸ء تک بلایا ہے۔ خدا نے چاہا تو ضرور ان کی دعوت قبول کرونگا

نواب حسام حیدر صاحب نے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر مجلس ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب دی۔ اور مجھے پڑھنا پڑا۔ سہ پہر کو مجھے ناشتہ پر مدعو کیا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

سید امداد الحق صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ موضع بکسر پرگنہ ہمنا باد کے باشندے ہیں۔ بچھیم گانوں کے خاندان سے دامادی کا رشتہ ہے۔ ضلع سلہٹ کے رہنے والے۔ بندگی سید شاہ نصیر الدین کی اولاد ہیں۔ سید ممدوح سید جلال مجرد سلہٹی کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ اہل قلم ہیں۔ ایسٹرن بنگال کی اسلامی اور عام تاریخ سے پورے واقف ہیں۔ بنگلہ زبان میں ایک اسلامی تاریخ "اسلام جگوتری ہسٹری" لکھی ہے۔ کتاب اسوقت زیر طبع ہے۔ ہمنا باد کی بھی ایک تاریخ لکھ رہے ہیں۔ میں نے حکیم مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے بعد انکو اسلامی ہسٹری سے خاص تعلق رکھنے والا پایا۔

مولوی قاضی مظفر احمد۔ ڈاکخانہ مرادنگر ضلع تپارہ کے رہنے والے۔ نہایت خوش مزاج اور مسلمان آدمی ہیں۔ جوش اسلامی سے بہرہ ور صاحب تصنیف ہیں۔ اردو اور فارسی میں چند کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب اسلامی عقائد

پر ا ور ایک مقالہ حیات اقلیدس کے حل پر مشتمل ہے۔ سرمایہ ہوتا تو یہ کتابیں شائع کرتے۔ زبان کی خامی کے باعث کوئی صاحب مطبع ان کتابونکو کیا شایع کریگا۔

آج میں نے مولوی باڑی میں میلاد خوانی کی۔ ابتدائے عہد انگریزی میں یہ ایک بڑی جگہ تھی۔ اس خاندان کے چودہ افراد صدر اعلیٰ اور منصف تھے۔ مگر اس وقت سونی بستی ہے۔

مولوی تاج الدین صاحب چاٹگامی۔ آپ کے والد ناصرستان شاہ صاحب ایک مجذوب درویش تھے۔ آپ نے ہندوستان میں کسب علم کیا ہے اور خدائی قابلیت کی برکت سے منصب رفیع پر مامور ہیں۔ اپنے عزیزوں کو بھی بڑے عہدوں پر پہنچایا ہے۔ نہایت عالی حوصلہ انسان ہیں۔

۲۵۔ فروری ۱۹۱۸ء کو کمیلا سے براہ راست کلکتہ چلا۔ نواب حسام حیدر صاحب و دیگر شرفاء کمیلا اسٹیشن تک پہنچانے آئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب گورنمنٹ پلیڈر جنکا میں اس وقت مہمان تھا۔ ایک سشن کے مقدمہ میں الجھے تھے۔ چلتے وقت ان سے ملاقات نہو سکی۔ کمیلا میں یہ آخری چار دن انکے یہاں بہت پرلطف گذرے۔ انکی عنایتوں کا بیحد شکر گذار ہوں۔

کمیلا سے روانہ ہوکر ۷ بجے شام کو کالی باڑی اسٹیشن پر اترا۔ مولوی عبدالباسط صاحب ایم۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ اسٹیشن پر موجود تھے۔ مجھے لینے آئے تھے۔ آپ شیخ صدیقی ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب شائستہ خاں کے عہد میں فوجی سردار ہوکر یہاں آئے تھے۔ خود مولوی صاحب اگرچہ ایم۔ اے۔ ہیں لیکن وضع ولباس بالکل اسلامی سادہ اور مولویانہ۔ نہایت دیندار۔ سادہ مزاج۔ نیک نفس۔ پابند صوم وصلوٰۃ عاشق رسول اور پاکباز مسلمان ہیں۔ آپکا مسکن شہر ڈہاکہ ہے۔ محلہ ڈیوڑھی دیسارام میں مکان ہے۔ میں آپکے ساتھ چاندپور گیا۔ چاندپور ریلوے

جنکشن ہے۔ اور ضلع نیاکھالی کا سب ڈویژن۔ چونکہ ساحل دریا پر واقع اور
جہازوں کا گھاٹ ہے۔ اور کلکتہ اور ڈھاکہ سے برابر سلسلہ آمد و رفت جہازات
قائم رہتا ہے اسلئے مسافروں کی بھیڑ رہتی ہے اور بستی کی رونق۔ یہاں مولوی عبدالستار
صاحب بی۔اے۔ بلیڈر تھوڑے دنوں سے پریکٹس کر رہے ہیں۔ آدمی خوش اخلاق
اور شریف ہیں۔ ان سے اور مولوی عبدالباسط صاحب سے دو تین گھنٹہ تک
لطف ہمنشینی حاصل ہوا۔ مولوی عبدالباسط صاحب نے میرے واسطے ڈاک بنگلہ
میں ٹھہرنے اور کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانا وہیں کھایا۔ یہاں ایک اسلامیہ
ہائی اسکول بھی ہے۔ مولوی صاحبان موصوف اور مولوی سید الرحمٰن صاحب
منصف کی کوششوں سے اسی سال ماہ جنوری میں قائم ہوا ہے۔ دو سو مسلمان طلبہ
اسمیں تعلیم پاتے ہیں جنمیں سے ۱۵۰ جاگیر کے ذریعہ سے پڑھتے ہیں۔ یہاں کا جاگیر سسٹم
مسلمانوں کی ترقی تعلیم کا بہت قابل قدر ذریعہ ہے۔ اس مدرسہ کے مصارف کے لئے
پیسہ فنڈ قائم ہے جس میں اسوقت تک سو روپیہ نقد جمع ہو چکا ہے۔

میں ۱۲ بجے شب کو کھانے سے فارغ ہو کر چاندپور گھاٹ پر آیا اور جہاز پر سوار ہو گیا
سیکنڈ کلاس میں ایک برہمن ہندو بنگالی ڈپٹی مجسٹریٹ پورے کمرہ پر قابض تھے۔
میرے آنے سے سخت جز بز ہوئے۔ مگر آخر کار جگہ دینے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ میں اپنے
لطف فرما میز بانوں سے خدا حافظ کہکر آرام سے لیٹ رہا اور سو گیا۔ جہاز ۴ بجے
شب کو روانہ ہوا۔ کہر کی وجہ سے رفتار آہستہ تھی۔ گوالندو گھاٹ پر تین گھنٹہ دیر سے
پہنچا۔ یہاں اُترتے ہی خفیہ پولیس کے ہندو کارکن اسباب کی جانچ کرنے آ گئے۔
اور بکس کھولکر دکھانے پر مُصر ہوئے۔ مجھے مذاق کا ولولہ پیدا ہوا۔ اُن سے کہا کہ
حضرت اس بکس میں بمب ہے۔ اگر وہ پھٹے تو میری ذمہ داری نہیں۔ اب کیا تھا
اصرار میں خوب ترقی ہو گئی۔ دیر تک تنگ کرنے کے بعد میں نے بکس کھول دیا بہت

خفیف ہوئے۔ اور چپکے چلے گئے۔ اصل یہ ہے کہ انارکزم سے صرف بنگالی ہندؤں کا تعلق ہے اور پولیس انکے ساتھ شریک۔ لہذا کارگذاری دکھانیکے لئے مسلمانوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

۲۶۔ فروری کی صبح کو ۹ بجے کلکتہ دفتر اخبار جمہور کولوٹولہ اسٹریٹ میں پہنچا۔ قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر جمہور دہلی گئے ہوئے تھے۔ میں نے وہیں قیام کیا۔ رات بھر مچھروں نے خون پیا اور سونے نہیں دیا۔ ایک دن کلکتہ رہنا پڑا۔ اور ۲۸۔ فروری ۱۹۱۸ء کو وہاں سے روانہ ہوا۔ مغلسرائے اور گونڈہ ہوکر بلرام پور اسٹیشن تک ریل پر اور بلرام پور سے یکہ پر موضع پیری میں آگیا۔ سہراب علی خاں صاحب چشم براہ تھے۔ انکے سوا برس کے بچہ نظام علی خاں سلمہ اللہ کی شادی ان کے برادر کلاں امجد علی خاں صاحب کی ہشت ماہہ دختر سے تھی۔ اور سہراب علی کی دختر شش سالہ کا پیوند امجد علی خاں کے گیارہ برس کے لڑکے عظمت سلمہ سے ہونیکو ہے۔ پیری آکر معلوم ہوا کہ عقد کی تاریخ ۸۔ مارچ ۱۹۱۸ء ہے۔ اس لئے یہاں چار دن زائد قیام کرنا پڑا۔ تاریخ پر والدین کی ولایت میں دونوں عقد باندھے گئے۔ مولوی فدا علی صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ بلرام پور نے نکاح پڑھایا۔ میں۔ مقصود علی خاں۔ امجد خاں صاحب اور محمود الحق خاں صاحب گواہ ہوئے۔ دس مارچ تک سہراب علی خاں صاحب نے روکا ۱۱۔ مارچ کو پیری سے براہ بلرام پور۔ گونڈہ۔ ڈیگھا گھاٹ و پٹنہ جنکشن روانہ ہوا۔ اور ۱۳۔ مارچ کو پھر کلکتہ میں تھا۔ سہراب علی خان صاحب کے یہاں تقریب میں حسب ذیل سہرا اندر اخلاص کے طور پر پیش کیا۔

## سہرا

سیکھتا جاتا ہے انداز لڑکپن سہرا
بنگیا ہے کسی معشوق کا بچپن سہرا

| | | |
|---|---|---|
| ایک سہراب کے برزو ہیں اک مجد کے اسد<br>تیرے دادا کو سلامت ہوں یہ چھوٹے دولھے | | شیروں کے شیر سے جلیبا نہو رہزن سہرا<br>تیرے بابا کو سلامت ہو یہ احسن سہرا |
| | یہ نظام اور یہ عظمت بڑہیں پروان چڑہیں<br>باپ کا طرّہ ہو اور ماں کا ہو کنگن سہرا | |

**کلکتہ** - ۱۴- مارچ ۱۹۱۸ء - کلکتہ میں کام کا روز آغاز ہے - آج شب کو سیٹھ غلام حسین صاحب عارف کے یہاں گیا تھا - وہیں شیخ محبوب علی صاحب سے ملاقات ہو گئی - دوسرے دن صبح کو انکے وہاں گیا - نہایت خلق و محبت سے ملے خود ممبر ہو گئے اور ایک اور ممبر بنا دیا - اور وعدہ کیا کہ زائد ممبروں کی فراہمی میں ساعی ہونگے - رات کو دفتر جمہور کے عملہ سے پر لطف باتیں ہوتی رہیں - اور اخلاص احمد صاحب کے مکان پر آرام کیا - اخلاص احمد صاحب دہلی کے پنجابی تاجروں میں سے ہیں - کولوٹولہ میں انگریزی ادویات کی دکان کرتے ہیں - نہایت خلیق اور ملنسار آدمی ہیں -

**سیٹھ غلام حسین عارف صاحب** عربی الاصل شریف ہیں آپکے مورث اعلی محمد بن قاسم کے زمانہ میں قصبۂ رندیر ضلع سورت میں آئے تھے - اور وہیں توطن تھا - آپ کے والد کلکتہ چلے آئے اور یہاں تجارت شروع کی - خدا کے کرم سے حالت ترقی پذیر ہوئی - اور ریشمی کپڑے بننے کی مل قائم کر دی یہ مل اس وقت بہت اچھی حالت میں چل رہی ہے - تین لاکھ روپیہ مالیت کی جائداد از قسم مکانات وغیرہ وقف ہے - مختلف مدارس وغیرہ میں کشادہ دلی سے مدد دیتے ہیں - ان کے والد نے منیر الدولہ وزیر فرخ سیر کے خاندان میں جو اسوقت پٹنہ میں رہتا ہے شادی کی تھی - غلام حسین صاحب کی شادی بھی اسی خاندان میں ہوئی ہے - آپ کلکتہ میں میونسپل کمشنر بھی ہیں - قومی کاموں میں شرکت کا بہت شوق

ہے۔ تجربہ کار آدمی ہیں۔ آپ کا ایک لڑکا ولایت میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ قانون میں ڈاکٹر ہو چکا اور اب تجارت کا کام سیکھتا ہے۔ آپ چھ سال تک بنگال کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے علیحدہ ہونے کے بعد وہ جگہ آنریبل فضل حق صاحب کو ملی ہے۔ انگریزی۔ بنگالی۔ اور اردو زبانوں سے پورے طور پر واقف ہیں۔

۱۷۔ مارچ۔ شیخ محبوب علی صاحب سے ملنے گیا۔ آپ اپر سرکلر روڈ کلکتہ میں رہتے ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپکے والد شیخ محمد علی غدر کے بعد کلکتہ چلے آئے تھے لکھنؤ کے ایک شریف شیخ مراد علی تلاش معاش میں بنگال آئے۔ اور آکیاب میں تجارت کا مشغلہ شروع کیا تھا۔ خدا نے کاروبار میں برکت دی اور وسیع پیمانہ پر ہو گیا۔ انھوں نے شیخ محمد علی صاحب کو پایا۔ اور گوہر نجابت دیکھکر اپنی دختر سے پیوند کر دیا۔ تین بیٹے اور دو بیٹیاں ان سے ہوئیں اب صرف شیخ محبوب علی صاحب باقی ہیں۔ تجارت کا سلسلہ قطع ہو گیا ہے بس کچھ جائداد سندربن میں ہے اور کلکتہ میں دو چار مکان ہیں۔ کلکتہ کی ہر اسلامی تحریک میں حصہ لیتے ہیں۔ مسلم لیگ کلکتہ کے خزانچی اور انڈین مسلم ایسوسی ایشن کے ممبر بھی ہیں۔ نیز میونسپل کمشنر۔ انگریزی۔ اور عربی وغیرہ جانتے ہیں۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ صوفیائے کرام سے عقیدت خاص رکھتے ہیں۔

**پنجابی تاجر صاحبان۔** دہلی کے پنجابی تاجر کلکتہ میں بساط خانہ کی تجارت پر حاوی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صاحب کرامت ولی اللہ کی خارق عادت بزرگی دیکھکر ان کے آبا و اجداد مسلمان ہو گئے تھے۔ اور انھی بزرگ کی دعا سے انکی تمام برادری خوشحال اور تجارت پیشہ ہے۔ کلکتہ میں اس جماعت کے افراد ۱۸۴۸ء میں وارد ہوئے۔ یعنی غدر سے قبل۔ کولوٹولہ اور اسکے اطراف کی سڑکوں اور محلّوں کی آبادی ماشاء اللہ اسی جماعت سے معمور رہے۔ انکی قومی خدمتگذاری اور اسلامی حمیّت

محتاج بیان نہیں سب اہل خیر اور سچے مسلمان ہیں۔ مگر انکی خاص برادری نے اجتماعی
کام اور باضابطہ کوشش کا سلسلہ اسی وقت سے شروع کیا جبکہ بہار کے علاقہ میں
کٹار پور کا واقعہ ہائلہ ہوا تھا۔ مسلمان باشندگان کٹار پور پر جو مظالم ہوئے انکی یاد سے
دل خون ہوجاتا ہے۔ قلم کو انکی تحریر کا یارا نہیں۔ ۱۹۱۷ء میں یہ مظالم ہوئے تھے۔
اور انکی صدا ہندوستان کے ہر گوشہ میں گونج اٹھی تھی۔ اس حادثہ کے آفت زدہ
لوگوں کیلئے جوش اعانت و ہمدردی پیدا ہوا۔ اعلیٰ حضرت شہریار دکن دام ملکہ
نے ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا۔ اور اطراف ہند میں ہر جگہ چندہ کھلا۔ کلکتہ کے
پنجابی تاجروں نے اس موقع پر اپنی اسلامی حمیت کا پورا ثبوت دیا۔ اگرچہ یہ لوگ
خیر و خیرات کے ہمیشہ دلدادہ رہے۔ لیکن باقاعدہ اجتماعی کام اسی وقت انمیں
شروع ہوا۔ اعانت مظلومان بہار کے لئے ان کی ایک باضابطہ انجمن قائم ہوئی
اور تمام برادری نے متحدہ حیثیت سے اسمیں کام کیا۔ اس انجمن کے سکرٹری محمد
امین صاحب تھے۔ جائنٹ سکریٹری فضل الٰہی صاحب۔ اور صدر انجمن شیخ محمد
ابراہیم صاحب۔ خود اس جماعت کے افراد نے تیس ہزار روپیہ چندہ دیا۔ اور
بڑی پابندی کے ساتھ کام کیا۔ جزاہم اللہ خیرا۔ اس برادری کے جن لوگوں سے ہمیں
مل سکا وہ حسب ذیل ہیں۔

حاجی شیخ اللہ بخش صاحب جنرل مرچنٹ کولوٹولہ۔ کلکتہ۔ مکان میرٹھ
میں ہے۔ آپ کے والد شیخ مولا بخش نے کلکتہ آکر کام شروع کیا۔ آدمی مخیر بے انتہا
نیک اور پرہیزگار ہیں۔ دواؤں کی تجارت کرتے ہیں۔ قومی کاموں سے پوری
دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

اللہ دیا صاحب چاندنا۔ پنجابی۔ کلکتہ میں کاروبار کر رہے ہیں۔ اصل سکونت
دہلی کی ہے۔ ۱۸ سال سے یہاں ہول سیل یعنی تھوک فروشی کرتے ہیں۔ انکے صاحبزادے

محمد اسحٰق صاحب ایف۔اے تک تعلیم پائے ہیں اور اب وہی سب کام کرتے ہیں
اللہ دیا صاحب بڑے خدا ترس آدمی ہیں۔کولوٹولہ نمبر۱ میں دکان ہے۔
شیخ عبدالخالق صاحب خلف شیخ عطاء اللہ صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔
بی۔دہلوی نمبر ۱۱ کولوٹولہ کلکتہ میں دکان ہے۔علی گڈھ کے تعلیم یافتہ ہیں محمد رفیع پارٹی
کسنائی سیل اسٹریٹ کلکتہ۔میں رہتے ہیں۔انجمن اعانت نظربندان اسلام کے
سکرٹری۔دہلوی پنجابی۔اور پرجوش مسلمان ہیں۔
کلکتہ میں جن اصحاب سے روشناس ہوا انمیں خان بہادر عبدالمومن بی۔
اے۔ساکن بردوان انڈر سکرٹری گورنمنٹ بنگال بھی ہیں۔آپ سنہ ۱۹۱۰ء میں
خان بہادر ہوئے۔بی۔اے پاس کرنے کے بعد ہی ڈپٹی کلکٹری پائی اور اب ترقی
کرکے سکرٹریٹ میں آگئے۔سات سو روپیہ تنخواہ ہے۔مسلمانوں کی تعلیم سے بہت دلچسپی
رکھتے ہیں۔اچھے آدمی ہیں۔نواب مولوی عبدالجبار صاحب سی۔آئی۔ای۔کے
منجھلے بیٹے ہیں۔جبار منزل لوئر سرکلر روڈ کلکتہ میں رہتے ہیں۔انکا ننہال انصاریوں
میں ہے۔آپکے ماموں عبدالرزاق صاحب انصاری سے یہیں ملاقات ہوئی۔
یہ اڑہ دار ضلع بردوان میں رہتے ہیں اور تمام بنگال میں انصاریوں کا یہی ایک
خاندان مجھکو ملا ہے۔مولوی عبدالمومن صاحب کے دو بیٹے ہیں۔
۲۲۔مارچ سنہ ۱۹۱۸ء۔آج سید سعید حسین صاحب زمیندار مونگیر سے ۱۹ سال
کے بعد اتفاقیہ ملاقات ہوگئی۔عدم مراسلت کی شکایت فرماتے رہے۔آدمی
بڑے لطف کے ہیں۔
۳۰۔مارچ۔اشرف علی خاں صاحب بیرسٹر۔لوئر سرکلر روڈ۔نبیھٹو ضلع
مراج شاہی کے رہنے والے۔زمیندار بھی ہیں۔پریکٹس معمولی ہے۔
مودود الحسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔شیخ صدیقی۔ساکن ہگلی۔اب تین پشت سے

خاص کلکتہ مسکن ہے۔جد اعلیٰ شیخ فقیر محمدؒ دربار مرشد آباد سے فوجی تعلق رکھتے تھے۔
نوجوان خوش خلق ۔قومی کاموں سے بیحد دلچسپی لینے والے۔بنگال مسلم لیگ کے
آنریری جائنٹ سکریٹری ۔بنگال ہوم رول لیگ کے اسسٹنٹ سکریٹری۔اور میونسپل
کمشنر ہیں۔خوشنحیالی اور ملنساری کے زیور سے آراستہ ہیں۔

ملا محمود ملا ہاشم نمبر ۱۵ تا ۱۷ اچھوا بازار اسٹریٹ کلکتہ ۔عربی النسل۔راندیر
ضلع سورت کے رہنے والے ہیں۔ان کے دادا غلام محمدؒ صاحب کلکتہ میں آئے
تھے۔برہما میں جواہرات کی تجارت کرتے تھے اور اُن کے والد کے وقت تک رنگون
میں دکان رہی۔اب یہ بالکل کلکتہ میں رہا کرتے ہیں۔زمینداری اور مکانات
برہما میں ہیں۔معمولی کاروبار ہے۔علم دوست آدمی ہیں۔قومی کاموں کا مذاق
کم ہے۔ملا محمود صاحب کی بھانجی مریم بی بی صبیحہ احمد عارف بھام نہایت تعلیم یافتہ
خاتون ہیں۔تہذیب لنسواں۔شریف بی بی۔خاتون وغیرہ زنانہ رسایل کی مضمون نگار
انگریزی اور اُردو کا خاص ذوق رکھتی ہیں۔۵ سال کی تھیں جب والدہ انتقال کر گئیں۔
ماموں نے پرورش کی اور تعلیم دلائی۔اب شادی بھی کردی ہے۔

سیٹھ عبداللطیف احمد صاحب۔مالک کارخانہ حاجی نور محمدؒ زکریا۔
امرتلا لین کلکتہ میں مکان اور آفس ہے۔اصلاً ملک کچھ کے رہنے والے۔۷۵ سال
کی مدت اور تین پشت سے کلکتہ میں کاروبار کر رہے ہیں۔انکے نانا سیٹھ حاجی نور محمدؒ
بڑے سمجھدار سوداگر تھے۔اپنے زمانہ میں کلکتہ کے پولٹیکل آدمی تھے۔ناخدا کی مسجد
اور اُسکے ساتھ کا مدرسہ انھیں کا بنایا ہوا ہے۔بڑے باخدا اور فیاض آدمی تھے۔
اسوقت فرم کے مالک عبداللطیف احمد اور احمد حاجی نور محمد صاحب ہیں۔کاروبار کا
کا اختیار کلی عبداللطیف احمد صاحب کو ہے۔۲۹ سالہ نوجوان۔اور قومی کاموں
سے پورا شغف رکھتے ہیں۔پرجوش آدمی ہیں۔بنگال مسلم لیگ کے جائنٹ سکریٹری اور

کلکتہ ہوم رول لیگ کے نائب صدر رہیں۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس کلکتہ میں ہوا اُسکے جملہ مصارف مبلغ پچیس ہزار روپیہ تنہا آپ ہی نے عطا کئے۔ ہر ایک قومی کام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

مولوی محمد قاسم صاحب آروی۔ شیخ فاروقی۔ ان کے مورث عہد سلاطین مغلیہ میں اس طرف آئے۔ مورث اعلیٰ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ آرہ میں بعہد سلطنت اسلام قاضی ماہرو صاحب قاضی تھے۔ انکی اولاد میں ہیں۔ عربی کے فاضل ہیں۔ انگریزی انٹرنس تک پڑھی ہے۔ ۲۲ سال سے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ملازم ہیں۔ ایسٹ ہوسٹل کلکتہ مدرسہ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں اسوقت ۶۱ سال عمر ہے چھ لڑکے ہیں۔ ایک ولایت میں سول سروس کی تیاری کر رہا ہے۔ دو میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہیں اور باقی تین بھی انگریزی پڑھتے ہیں۔ نہایت علم دوست اور اُردو زبان کے حامی ہیں "گنیا فزک" نامی ایک انگریزی کتاب کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا ہے مگر اسکی اشاعت نہیں ہوئی۔

مولوی واحد حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ متوطن بھاگلپور۔ تین پشت سے کلکتہ مسکن ہے۔ بنگال اُردو ریڈرس کے مولف ہیں۔ بچوں کے لئے اُردو ریڈر ہی لکھی ہیں۔ فارسی سے انگریزی۔ اور انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کی مشق پر کئی مختصر رسالے لکھے ہیں۔ قومی کاموں میں بہت حصہ لیتے ہیں۔ کلکتہ کے اجلاس کانفرنس کے استقبالیہ کمیٹی میں سکریٹری تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے ایگزیمنر اور ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن و آئرلینڈ کے ممبر ہیں۔ کلکتہ کی ایجوکیشنل سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی سکریٹری ہیں۔

مولوی محمد اکرم خاں صاحب اڈیٹر اخبار محمدی بنگالی نمبر ۲۹ اپر سرکلر روڈ کلکتہ میں قیام ہے۔ ۱۲ سال سے یہ ہفتہ وار اخبار نکال رہے ہیں۔ انجمن علماء اسلام بنگالہ کے سکریٹری بھی ہیں۔ خوبیوں کے آدمی ہیں اور کارکن۔ آپکا مکان بموضع حکیم پور

ضلع چوبیس پرگنہ میں ہے۔

انجمن علماء اسلام بنگالہ ۱۹۱۳ء سے قائم ہے۔ بنگلہ زبان میں "اسلام" نامی ایک رسالہ نکالتی ہے۔ اور ۵۰ مکاتب ابتک قائم ہو چکی ہے۔

سید حسین صاحب شوستری اثنا عشری۔ ایرانی الاصل۔ ۱۷ نمبر پارسی چرچ اسٹریٹ کلکتہ میں قیام ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری کی اولاد ہیں۔ آپ کے پردادا سید محمد صادق کلکتہ میں تشریف لائے تھے۔ شیعہ وقف پراپرٹی کے متولی ہیں۔ مذہبی تعصب سے بالکل پاک اور کلکتہ کے تمام قومی کاموں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ بنگال پراونشل مسلم لیگ۔ یتیم خانہ کلکتہ۔ اور سنٹرل ایسوسی ایشن کے نائب صدر ہیں۔ محرم شریف میں سات اور دس تاریخ کو دو دن نہایت شان سے علم نکالتے ہیں۔

۸۔ اپریل کو یتیم خانہ اسلامیہ کلکتہ کا معاینہ کیا۔ یتیم خانہ اپنے خاص مکان سید صالح لین نمبر ۸ کلکتہ میں ہے۔ سہ منزلہ عمارت ہے۔ اسوقت ۷۵ لڑکے اسمیں ہیں۔ قرآن کریم۔ زبان اردو اور بنگلہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ پانچویں جماعت تک انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ کئی لڑکے۔ کالج کلاسز میں تعلیم پارہے ہیں۔ اور کئی کامیاب ہوکر نکل چکے ہیں۔ صنعت و حرفت کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ کارخانوں سے انتظام ہے۔ خیاطی۔ بوٹ سازی۔ اور خوشنویسی وغیرہ سکھاتے ہیں۔ اس سال لڑکیاں ۱۸ ہیں۔ انکو علیحدہ مکان میں رکھا ہے۔ انتظام معقول ہے۔ مگر بہت عمدہ نہیں۔ یتیم خانہ ہذا ابو الحسن خاں صاحب مرحوم بیرسٹر جج عدالت خفیفہ کلکتہ نے قایم کیا تھا۔ ٹرسٹیوں کی نگرانی میں بہت خوبی سے چل رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ جگہ کم ہے اسی وجہ سے بہت سی درخواستیں مسترد کردی جاتی ہے۔

۱۲۔ اپریل۔ اپنے دوست جگت نراین صاحب کپور سے ملنے کے لئے محلہ

بھوانی پور کو گیا۔ آپ کلکتہ میں ٹرسٹ کا کام کرتے ہیں اور دہلی کے رہنے والے
ہیں۔ ان کے مکان کے قریب ہی مکرجی کا وہ مکان ہے جسمیں کنگ ایڈورڈ ہفتم
۱۸۷۵ء میں آکر مہمان ہوئے تھے۔ یہ مکان اسی حیثیت پر قائم ہے۔

سیٹھ حاجی اعظم غلام حسین نمبر ۱۲۔ امرتلا لین کلکتہ میں رہتے ہیں۔
عربی النسل راندیر کے باشندے ہیں۔ خیراتی کاموں سے بہت ذوق ہے۔
راندیر کی ڈسپنسری آپ ہی نے بنوائی ہے۔

عبدالرزاق صاحب کچھی۔ ایک نہایت خلیق اور دلچسپ آدمی ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی بیرسٹرایٹ لا ممبر رائل ایشیاٹک
سوسایٹی لندن اور آئرلینڈ۔ ایران سے افتخار الملتہ خطاب پایا ہے۔
عربی النسل شریف الاصل ہیں۔ آباے کرام دیار عرب سے ہندوستان میں
آئے اور پہلے امیر آباد پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپکے پردادا
پیرزادگی کی حیثیت سے بنگالہ میں تشریف لائے۔ ان کا نام سراج الدین
تھا۔ انھوں نے موضع بیاس پور ضلع میدنی پور میں اقامت اختیار کی۔
مولوی عبیداللہ العبیدی آپکے والد ڈھاکہ کے عربی مدرسہ کے پرنسپل تھے۔
ڈاکٹر عبداللہ نے وہیں تعلیم پائی ڈھاکہ کالج کے گرایجویٹ ہوئے۔ بی۔ اے۔
اور ایم۔ اے۔ کی دونوں ڈگریاں حاصل کیں۔ پھر ولایت گئے۔ وہاں ڈاکٹر
آف لا اور بیرسٹر ہوئے۔ بزمانہ قیام لندن حالت طالبعلمی میں وہاں
اسلامک سوسایٹی قایم کی۔ شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی اور شیخ عبدالقادر
صاحب بیرسٹر ان اس سوسایٹی کے سرگرم ممبر تھے۔ بقول ڈاکٹر صاحب
انھوں نے ہندوستان واپس آکر اس سرزمین کو کسی اسلامی کام کے
اٹھان کے قابل نہیں پایا۔

خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی بہن بڑی ذی علم اور قابل بی بی ہیں۔ اردو عربی۔ اور فارسی کے علاوہ انگریزی تعلیم سینیر کیمبرج تک حاصل کی ہے۔ زیادہ تر خاص اپنے خرچ سے ایک مدرسہ نسواں قایم کر رکھا ہے۔ اے لڑکیاں اسمیں زیر تعلیم ہیں۔ گورمنٹ سے بھی مدرسہ کو امداد ملتی ہے۔ بیگم صاحبہ مصنفہ ہیں۔ "آئینۂ عبرت" انکی مشہور تصنیف ہے۔ تہذیب نسواں وغیرہ زنانہ رسائل میں مضامین دیتی ہیں۔

مسٹر زاہد سہروردی بیرسٹر ڈسٹرکٹ جج انکے شوہر اور چچا کے بیٹے بھی ہیں۔ دو لڑکے ہیں۔ ایک حسن شاہد سہروردی۔ یہ اس وقت روس میں ہیں۔ اور دوسرے فرزند حسن شہید سہروردی کلکتہ میں بیرسٹر ہیں۔

۱۳۔ اپریل کو سیٹھ عبدالکریم جمال برادر۔ رنگون۔ کے پاس گیا۔ آپ نہایت اخلاق سے ملے اور وعدہ کیا کہ تمہاری معرفت انجمن ترقی اردو کو ایک ہزار روپیہ دونگا۔ چنانچہ چک عطا بھی کردیا۔ آپ کچھی میمن ہیں۔ رنگون اور کلکتہ میں وسیع کاروبار ہے۔ سراپا خیر اور فیض۔ ہر اسلامی کام میں کشادہ دلی سے بھاری رقمیں عطا کرتے ہیں اور اسکو اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ آج کل منجھلے لڑکے کی علالت کی وجہ سے کلکتہ آئے ہیں۔

۱۴۔ اپریل۔ شاہ علی حسن صاحب ردولی سے رنگون جاتے ہوئے کلکتہ میں ملے۔ نہایت خوشی ہوئی۔ اسی دن خواجہ محمد موسیٰ صاحب رئیس ڈھاکہ کلکتہ تشریف لائے اور مجھ سے ملنے کے لئے قدم رنجہ فرمایا۔ میں بھی ملاقات بازدید کرنے انکی قیامگاہ پر گیا۔

۱۹۔ اپریل۔ نواب شجاعت علی خاں صاحب نصیر الممالک کونسل مقیم

کلکتہ۔ ایران کے کانسل جنرل تھے۔ مگر اب ایک ایرانی کے آجانے سے صرف کانسل رہگئے ہیں۔ آپ کے والد کا تعلق نواب مرشد آباد کی سرکار سے تھا۔ آپنے وہیں تعلیم پائی اور ریاست کے کارپرداز ہوگئے۔ نواب فریدوں جاہ ناظم بنگالہ کے خاندان میں شادی ہوئی۔ اب کلکتہ میں قیام ہے کلکتہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس کو آپ ہی نے مدعو کیا تھا۔ محسن فنڈ بنگالہ کے پریذیڈنٹ ہیں۔ شعروسخن سے خاص مذاق ہے خودبھی شاعر نازک خیال ہیں۔ عارف تخلص فرماتے ہیں۔ قومی کاموں میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیتے ہیں۔ لیگ اور کانفرنس کے ممبر اور کلکتہ میونسپل بورڈ میں کئی عہدوں پر فائز ہیں۔

انجمن مفیدالاسلام کلکتہ نمبر ۱۴۔ آئس فیکٹری لین میں دفتر ہے۔ ۱۹۱۵ء میں قایم ہوئی۔ چھوٹا سا کتب خانہ اسکے ہال میں موجود ہے۔ ایک ابتدائی مدرسہ بھی کھول رکھا ہے۔ آمدنی ماصعہ ماہوار ہے۔ ماہ رواں سے سیٹھ عبدالکریم جمال تاجر رنگون نے اطفال کے واسطے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ انجمن کو دیا ہے۔ اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسپتالوں میں فوت ہوئے والے لاوارث مسلمانوں کی تجہیزو تکفین۔ (۲) کتب خانہ قایم کرنا۔ (۳) مفت دینی تعلیم دینا۔ (۴) دارلمطالعہ حافظ نذیر احمد صاحب ساکن کلکتہ اسکے سکرٹری اور نواب سید علی چودہری صاحب پریزیڈنٹ ہیں۔ یہ انجمن کلکتہ میں بہت مفید کام کررہی ہے۔

آنربیل مولوی فضل حق صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ پلیڈر پہلے باریسال میں پریکٹس کرتے تھے۔ بعدازاں پریذیڈنسی مجسٹریٹ ہوگئے۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں آنربیل ہوئے۔ مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ اور کلکتہ کے آزادخیال مسلمانوں میں

ہیں۔ طبیعت میں انکسار بہت ہے۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ آپ کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس فرماتے ہیں مسلمان قانون پیشہ اصحاب میں یہاں آپ سب پر فایق ہیں۔

نواب سید نصیر حسین خاں صاحب خیال۔ ساکن محلہ حاجی گنج پٹنہ مورث اعلیٰ بارہہ میں رہتے تھے۔ عہد سلطنت مغلیہ میں آپ کے اجداد پانی پت اور وہاں سے بہ تعلق ملازمت پٹنہ آئے۔ یہاں قیام کیا۔ زمینداری حاصل کی۔ خوشحال زمیندار ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اور انگریزی میں بخوبی مہارت رکھتے ہیں۔ علمی مذاق نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ خوش مزاج یار باش اور خلیق آدمی ہیں۔ جدی سلسلہ نسب سے بارہا کے سادات میں اور ننھیال کی طرف سے انصاری ہیں۔ پٹنہ میں آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔ اب پبلک لایف سے کنارہ کش ہو کر علمی مشاغل مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے پریزیڈنٹ بھی ہوے تھے۔ اسوقت زیادہ تر کلکتہ میں قیام رہتا ہے۔

خان بہادر نواب چودھری سید نواب علی صاحب رئیس دھن باڑی ضلع میمن سنگھ ایسٹرن بنگال۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ممبر۔ مسلم لیگ کے نائب صدر۔ اور اسوقت ہندوستان کے تمام سرکاری اور پبلک کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔ مورث اعلیٰ سید عشق اللہ بغداد سے دہلی آئے۔ انکی اولاد میں سید سلطان نے دہلی سے بنگالہ آکر یہاں توطن اختیار کیا۔ آپ نے سنہ ۱۹۰۶ء میں خان بہادر اور سنہ ۱۹۱۲ء میں دہلی دربار کے موقع پر نواب کا خطاب پایا ہے۔

قاضی ظہور الحق صاحب انٹرپریٹر ساکن ڈھاکہ۔ پہلے ڈھاکہ مدرسہ میں

عربی اور اسکے بعد ذاتی شوق سے انگریزی پڑھی بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہو کر ڈھاکہ میں پانچ سال پریکٹس کی۔ اب عرصہ سے کلکتہ ہائی کورٹ میں انٹرپریٹر ہیں بہت خوب آدمی ہیں۔

۲۴۔ اپریل تا ۵۔ مئی ۱۹۱۸ء دعوتوں کے لطف اور سیر و تفریح کے مزے حاصل کرتا رہا۔ خواجہ محمد اعظم صاحب اور حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ڈھاکہ سے بنگالہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر اخبار جمہور کلکتہ۔ آنریبل فضل حق صاحب اور خان بہادر میرزا شجاعت علی بیگ صاحب نصیر الممالک کے یہاں خوب دعوتیں ہوتی رہیں۔ کئی دن بہت پر لطف مجمع رہا۔ رات کو مسٹر کلامی سے گپ اڑا کرتی تھی۔ کلکتہ کے قیام میں یہ چند دن یادگار رہیں گے۔ انور میاں صاحب کا احسان ہے کہ ان کے یہاں نہایت آرام ملا۔ کھانے کا بار شیخ اخلاص احمد صاحب نے اٹھایا۔ ان کے والد ماجد مسلم صاحب تو پورے صوفی مشرب اور پابند مذہب بزرگ ہیں اپنی نظمیں سنا کر محظوظ فرماتے رہتے ہیں۔ محمد رفیع باڑی صاحب سے پر لطف صحبت رہتی ہے۔

مالدہ ۔ ۱۱۔ مئی ۱۹۱۸ء سیٹھ احمد حاجی نور محمد زکریا سیٹھ احمد عبداللطیف مسٹر مودود الرحمٰن بیرسٹر۔ اور قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر جمہور۔ کے ساتھ مالدہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شرکت کے لئے مالدہ جانا ہوا۔ ڈاک بنگلہ میں قیام رہا سیٹھ احمد حاجی نور محمد زکریا صاحب اس کانفرنس کے صدر تھے بنگالہ میں اردو کو ترقی دینے کے رزولیوشن پر میری بھی تقریر ہوئی۔ رات کو لوگوں نے پھر مجھ سے باصرار کچھ کہلایا۔

مالدہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر بنگالہ کا قدیم دار السلطنت لکھنوتی معروف

گوڑ اور مقام پانڈوا واقع ہے۔ یہاں آکر مجھے اسکے دیکھنے کا شوق دامنگیر ہوا
قاضی عبدالغفار صاحب اور سیٹھ احمد عبداللطیف صاحب تو کانفرنس کے
جلسوں سے فارغ ہو کر کلکتہ واپس چلے گئے۔ مگر میں مسٹر احمد حاجی نور محمد زکریا اور
مسٹر مودود الرحمٰن بیرسٹر کے ساتھ ہاتھی کی سواری پر لکھنوتی گیا۔ مالدہ سے وہاں تک
عمدہ سڑک بنی ہے۔ ۱۰ بجے دن کو گوڑ پہنچ گیا۔ ۸ میل کے دور میں تمام مسلمانوں کے
آثار قدیمہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اب انکی نگہداشت کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈ
نے لیا ہے۔ ہم لوگوں نے آثار کا معائنہ سونا مسجد سے شروع کیا۔ یہ مسجد بہت
شکستہ حالت میں ہے۔ کتبہ پڑھا نہیں جا سکا۔ اسکے بعد لعل مسجد کو دیکھا۔
مشہور یہ ہے کہ اس مسجد کو کسی طوائف نے بنوایا تھا۔ مگر "ریاض السلاطین"
کا مؤلف کہتا ہے کہ یہ سلطان یوسف خاں کی تعمیر کردہ ہے اور ۸۸۰ھ ہجری میں
بنی ہے۔ اینٹوں کی عمارت ہے اور اینٹوں کے روکار پر چینی کا منقش کام ہے۔
چینی کا رنگ زیادہ تر اڑ گیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں کچھ باقی ہے وہ اپنی آب و تاب
سے بہترین رنگ ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ پہلا گنبد مع چھت کے نو ۹ عدد
دروازوں پر قایم ہے۔ اور دوسرے درجہ میں تین چھوٹے گنبد پانچ دروں پر بنے
ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ اگرچہ شکستہ ہے لیکن ابھی قایم ہے۔ اور شکستہ بھی
اسقدر نہیں جتنا کہ صحن۔ کیونکہ صحن کے تو آثار مٹ چکے ہیں۔ منارے سب گر گئے ہیں
اسکے بعد قاضی باڑی کی مسجد دیکھی۔ یہ قاضی عمر کی تعمیر کردہ ہے۔ قاضی عمر اور
انکے بھائی ذوالقرنین کے سنگی مزارات مسجد کے صحن میں بنے ہیں۔ قبروں کے تعویذ پر
آیت الکرسی لکھی ہے۔ کتبہ نہایت مشکل سے پڑھا گیا۔ یہ بھی چھوٹی سرخ اینٹوں کی
عمارت ہے۔ اور خدا جانے کس مصالحہ سے اینٹیں باہم پیوست کی گئی ہیں کہ
ایک سے دوسری اینٹ کا جدا کرنا مشکل ہے۔ اینٹوں ہی سے نقاشی اور منبت کاری

کی ہے اور اتنی دلفریب کہ اسکو دیکھنے سے طبیعت آسودہ نہیں ہوتی۔ تاریخ تعمیر ۸۵۰ھ ہجری ہے۔ چار ستون پتھر کے ہیں۔ گیارہ در ہیں لیشت اور بغل کی پوری دیوارین قائم ہیں۔ چھت گر گئی ہے۔ اتنی عمارت کے علاوہ باقی سب حصے منہدم ہو گیا ہے۔

دروازہ لوکاچوری۔ قلعہ میں داخلہ کا دروازہ تھا۔ اسکے اوپر بھول بھلیاں بنی ہے اس دروازہ کا صرف ایک حصہ سلامت ہے۔ سنہ تعمیر کا پتہ نہیں چلا۔ اسی دروازہ کے ساتھ قدم رسول صلعم کی عمارت ہے۔ اور قدم رسول صلعم کے احاطہ میں فتح خاں کا مزار ہے۔ سلطان نصرت شاہ ابن حسین شاہ نے قدم رسول صلعم کا قبہ بنوایا تھا سن تعمیر ۹۳۷ھ ہجری ہے۔ اس قبہ کے متعلق عمارت کا ایک بڑا سلسلہ تھا۔ حفاظ اور علماء کے کمرے تھے طلبہ کا دارالاقامۃ تھا۔ مگر اس وقت تمام عمارت کی صرف دیواریں کھڑی ہیں اور چھت گر کر نابود ہو گئی ہے۔ قبہ قدم رسول صلعم کی عمارت اینٹوں کی بنی ہے اور اسکی چھت ابتک قائم ہے۔

چھوٹا مسجد۔ ایک ہی گنبد کی مسجد ہے۔ اندر کا حصہ بالکل قائم ہے ہاں در ہیں۔ منار گر گئے صحن نابود ہو گیا۔ اینٹوں کی عمارت ہے۔

اثر قدم رسول صلعم۔ سونا مسجد۔ اور بعض بزرگوں کے مزارات سلطان حسین شاہ و نصرت شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے خود مختار بادشاہان بنگالہ میں نہایت شان و شکوہ کے حکمراں گذرے ہیں۔

فیروز منار۔ فیروز شاہ کا بنوایا ہوا۔ ابتک اچھی حالت میں ہے۔ تاریخ تعمیر معلوم نہیں ہو سکی۔ اسکے قریب ہی ایک سنگی بارہ دری ہے۔ قرینہ کہتا ہے کہ وہ مسجد رہی ہوگی۔ اب تو بارہ دری کے نام سے مشہور ہے۔ راج شاہی کے خاکی رنگ پتھر کی عمارت ہے۔ دو حصے اندر کے ابتک سلامت ہیں۔ باقی چھت اور دیواریں

احاطہ۔ اور حجرے وغیرہ سب منہدم اور معدوم ہو چکے ہیں۔

یہ سب دیکھ کر ۱۲ بجے ہم ڈاک بنگلہ میں واپس آئے۔ دوپہر کا کھانا کھایا کچھ آرام کیا۔ نماز ظہر پڑھی۔ نماز کے بعد میں پھر جنگل میں نکل گیا۔ ہزاروں قبریں کس مپرسی کی حالت میں نظر آئیں۔ کسی پر دو اشک حسرت ٹپکائے اور کہیں فاتحہ خوانی کی۔ مسلمانوں کے عہد عروج کے ماتم دار چمگادڑ یہاں ہر طرف مرثیہ خوانی کر رہے ہیں۔ کوسوں کے فاصلہ تک مسلمانوں کی بہترین یادگاروں کا پتہ ملتا ہے۔ اس رقبہ میں جھیلیں۔ تالاب۔ منہدم خندقیں۔ غرضیکہ ہر چیز ہے لیکن بنانے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ کوئی کتبہ نہیں ملتا۔ اور نہ کسی سے دریافت کرنے کی کوئی صورت ہے۔ کیونکہ متوطی صاحبان یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں اور ویرانہ سے باہر اپنی بستی بسائی ہے۔

شام کو ہم لوگ مالدہ واپس آ گئے۔ سیٹھ صاحب اور بیرسٹر صاحب اسیوقت کی ٹرین سے کلکتہ چلے گئے۔ مجھکو پانڈوہ کی سیر کا شوق تھا۔ اس لئے مالدہ میں ٹھہر گیا۔ رات ڈاک بنگلہ میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی احمد عبدالظاہر صاحب سب رجسٹرار نے بلوا بھیجا۔ ضلع رنگ پور کے رہنے والے علی گڈھ کے گریجویٹ ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ انکے ہاں آرام سے فروکش ہوا۔

شام کو چار بجے قدیم مالدہ کی سیر کرنے گیا۔ اسوقت ویران اور سنسان بستی ہے۔ مسلمانوں کی یادگار ایک جامع مسجد ہے۔ اسکی بھی عمارت کچھ اچھی نہیں۔ اب آبادی تمام نیو مالدہ میں ہے جسکو انگریزی بازار کہتے ہیں کچہریاں۔ دفاتر۔ وکیلوں کے مکان۔ تاجروں کی دکانیں سب اسی آبادی میں ہیں۔ مصنف "ریاض السلاطین" یہیں کے رہنے والے تھے۔ انکے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ چونکہ ایک مورخ تھے اس لئے ہندو اصحاب نے اس کے

مزار کی قدر کی ہے اور ایک کتبہ اسپر لگا دیا ہے۔ انگریزی بازار میں ایسٹ انڈیا
کمپنی کی ریشم کی کوٹھی اور اُسکا کارخانہ تھا۔ ریشم کا کاروبار اس ضلع میں اب
بھی بہت ہوتا ہے۔ قدیم کمپنی کے کارخانہ کی عمارت آجکل مجسٹریٹ ضلع کی عدالت
اور اسکے دفاتر کے کام میں آرہی ہے۔ رات کو بہت سے اصحاب نے مجھپر کرم فرمایا
اور اپنی تشریف آوری سے میری عزت بڑھائی۔ ازآنجملہ خاں صاحب عابد علی خاں
سب ڈویژنل آفیسر۔ پی۔ ڈبلو۔ ڈی۔ یوسف زئی پٹھان۔ نہایت علم دوست
اور ذی علم آدمی ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انگریزی میں رسالۂ نماز۔
اور ایک اور کتاب لکھی ہے۔ اردو میں پرائمر تالیف فرمائی ہے۔ اس ضلع کے مسلمان
زیادہ تر خطۂ بہار کی ہندی زبان بولتے ہیں۔ اُن کی عام حالت اچھی نہیں تعلیم
اور کسب کے ذرایع کم ہیں۔ افلاس وبے کاری میں مبتلا ہیں۔

احمد عبد الظاہر صاحب رجسٹرار۔ ہگلی کے رہنے والے۔ ذی علم اور
علم دوست آدمی ہیں۔ خُلق و مروت انکی سرشت میں ہے۔

عبد الغنی صاحب مختار۔ مالدہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکرٹری۔ محنتی اور
کام کرنے والے آدمی ہیں۔ آپ مالدہ کے مسلمانوں میں علم کا چرچا پھیلانے کی سعی
فرما رہے ہیں۔

یہاں ایک اسلامی مدرسہ بھی ہے۔ اُسکے سکرٹری چودھری محمد اسحاق صاحب
مختار ہیں۔ مدرسہ کمیٹی کا صدر کلکٹر ہوتا ہے۔ نائب صدر خاں صاحب مولوی عبد العزیز
پلیڈر ہیں۔ اور خاں صاحب مولوی قادر بخش پلیڈر بھی۔ یہی معدودے چند صاحب
مسلمان اچھی حالت میں ہیں اور اپنی بستی میں پڑے ہوئے بھائیوں کو اٹھانے
اور انکی حالت بہتر بنانے میں کوشاں خدا انکی سعی مشکور فرمائے۔ آمین۔

مولوی محمود علی صاحب نے ناشتہ اور سواری کے لئے بیل گاڑی کا اہتمام فرمایا۔

اور میں ۱۱ بجے شب کو پانڈوا کی طرف روانہ ہوا۔ ٹھیک ۶ بجے صبحکو آدینہ کے ڈاک بنگلہ میں آگیا تھا۔ نماز فجر اور حوائج سے فراغت کرکے جامع مسجد آدینہ کو دیکھنے گیا۔ کیا لکھوں کہ اس عمارت کو دیکھکر میری کیا حالت ہوئی۔ دل تڑپ اٹھا۔ آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ عمارت کے آثار اسکی وسعت و فسحت کا پتا دیتے ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسجد کے چاروں جانب ہر سمت ۳۶ در تھے۔ جنمیں سے ہر ایک در کی چوڑائی آٹھ ہاتھہ ہے۔ اسوقت صرف دو درجوں کے اٹھارہ در مع چھت کے قائم ہیں۔ اور باقی تمام حصہ مع ملحقہ عمارتوں کے منہدم اور پیوند خاک ہوچکا ہے۔ اگر پوری مسجد میں نماز ہوتی تو اندازہ یہ ہے کہ پچاس ہزار آدمی بیک وقت اسکے اندر سما سکتے۔ مسجد میں داخلہ کا دروازہ اپنی ساخت سے عیاں کرتا ہے کہ مندر سے مسجد بنی ہے۔ اور بہ فحوائے ؎ بہیں کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ + کہ گر خراب شود، خانۂ خدا گردد۔ بتوں کی پرستشگاہ اب خدائے واحد کا معبد ہے۔ مسجد کے پہلپائے سنگ موسٰی کے ہیں۔ اور طرز عمارت قدیم ہندوانہ۔ مسجد کی محراب میں سورۂ والفجر اور آیۃ الکرسی منبّت کاری کے ساتھ لکھی ہے۔ کتبہ بہت ڈہونڈا۔ مگر نہ مل سکا۔ اور پشت پر ایک کتبہ ملا بھی تو اتنی بلندی پر کہ پڑھا نہیں جاسکا۔ مسجد کی دیواریں ہنوز قائم ہیں نصف سنگ موسٰی کے ہیں اور باقی نصف چھوٹی پختہ اینٹوں کے جنپر منبّت گل کاری نہایت خوبی سے کی ہے اور دیکھنے میں یہ عمارت قریب ترین زمانہ کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ عمارت کی عام حالت نہایت خراب ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے محض ایک چوکیدار اسکی نگرانی پر مامور ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مقام میں مسلمانوں کی کتنی آبادی رہی ہوگی جنکے لئے یہ مسجد بنوائی گئی۔ تاکہ وہ اسمیں سما سکیں۔ مجھپر اسقدر عبرت طاری ہوئی کہ دو گھنٹہ تک ہر در و دیوار کو دیکھہ دیکھہ کر روتا رہا۔ مسجد کو دیکھکر۔ ڈاک بنگلہ میں واپس آیا۔ ناشتہ کھایا۔ اور بعدہٗ لکھی گنبد کو دیکھنے گیا۔ جو ڈاک بنگلہ سے دو فرلانگ پر

واقع ہے۔ یہ بھی اینٹوں کی عمارت ہے۔ اور اسمیں راجہ چند وسنگھ اور اُسکے دو بیٹو نکی قبریں ہیں۔ چند وسنگھ راجہ کنس کا فرزند تھا۔ اور حضرت شاہ جلال تبریزی کے ہاتھوں مشرف باسلام ہو گیا تھا۔ اسکا اسلامی نام جلال الدین رکھا گیا۔ اور اس راجہ نے آٹھ دس سال نہایت دبدبہ کے ساتھ فرمانروائی کی۔ گنبد کے منارہ گر گئے ہیں۔ اندر کا حصہ بالکل قائم ہے۔ یہ گنبد دیکھکر آگے چلا۔ حضرت مخدوم علاء الحق لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا۔ مخدوم صاحب کے بیٹے احمد نور قطب عالم کا مزار بھی والد بزرگوار کے پاس ہے۔ قبر کھلی ہوئی ہے۔ یعنی اُسپر چھت نہیں۔ صرف پختہ چبوترہ بنا ہے۔ چلہ کے مقام پر گنبد بنا ہے۔ قبرستان بہت بڑا ہے۔ مسجد۔ نقارخانہ۔ تالاب۔ کچہری۔ مہماں سرا۔ عمارتیں اُسکے ساتھ بنی ہیں۔ مسجد بالکل گر گئی ہے۔ مزار کو مزبلہ بنا رکھا ہے۔ صفائی بالکل نہیں شکست وریخت کی تعمیر و مرمت کہاں سے ہو۔ جنگل اُگتا اور بڑھتا چلا آتا ہے۔ سجادہ صاحب کو کچھ فکر نہ پرواہ۔ سال میں دو ایک مرتبہ بھی مقبرہ پر نہ آتے ہونگے۔ چھ ہزار روپیہ سالانہ کی معافی مدد معاش کے لئے ہے۔ کچہری ہے۔ ملازمین ہیں۔ نام کے دس خادم بھی ہیں۔ دو ہزار روپیہ سالانہ سے کم چڑھاوا نہ آتا ہوگا۔ مگر مزار کی یہ گت ہے۔ آخر معافی کس مد میں خرچ ہوتی ہے۔ بس اسی پر کہ دو چار ملنگ فقیر روزانہ دال چاول پا جاتے اور یہاں پڑے رہتے ہیں۔ انھیں کے کھانے میں اتنا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ سجادہ نشین مجید الرحمن صاحب موضع رول ضلع بانگڑا میں رہتے ہیں۔ عُرس ۲۳ سے ۲۷ رجب تک رہتا ہے۔ اور صاحبزادہ کا عُرس شعبان میں ہوتا ہے۔

ایک اور چلہ حضرت شاہ جلال تبریزی کا ہے۔ اسکے متعلق بائیس ہزار روپیہ سالانہ کی معافی ہے۔ اور یہاں کی حالت اور ابتر ہے۔ حال ہی میں متولی کو کسی نے مار ڈالا۔ اور جدید متولی کے تقرر کا مسئلہ حاکم ضلع کے یہاں پیش ہے۔ وراثت کے

قاعدہ سے تولیت ہوئی ہے۔ نئے متولی شائد کچھ انتظام کریں۔ اس چلّہ میں بھی مسجد۔ مہمان سرا۔ اور علماء و فضلاء کے مکانات بنے ہیں۔ مسجد شاہ نعمت اللہ صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس جگہ کا داروغہ نہایت خلیق آدمی ہے۔ معلوم ہوا کہ مہمانداری کے مصارف کے لئے اسکو متولی کی طرف سے فقط ۵؎ روپیہ ماہوار ملتے ہیں۔ اور اسی میں روشنی۔ صفائی۔ اور وارد و صادر کا کھانا سب کچھ ہے۔ چار پانچ ملنگ ہمیشہ یہاں پڑے رہتے ہیں۔ تاہم یہ بیچارہ خرچ چلاتا جاتا ہے۔ ہاں صفائی کا انتظام نہیں کرسکتا۔ اس جگہ آبادی معقول ہے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر اور کچھ آرام کرکے نماز ظہر سے فارغ ہوا۔ اور آدینہ ریلوے اسٹیشن کو چلا جو کہ یہاں سے دو کوس پر ہے۔ چھ بجے ٹرین ملگئی اسپر کلکتہ روانہ ہوا۔

۱۷۔ اپریل۔ اب کلکتہ میں کام نہیں چلتا۔ فضول دوا دوش سے تھک کر کبیدہ ہوجاتا ہوں۔ تو اخلاص احمد صاحب۔ انوار احمد صاحب فضل الٰہی صاحب محمد امین صاحب۔ اور اشفاق اللہ صاحب کی ہم نشینی سے دل بہل جاتا ہے۔ کسی دن محمد رفیع باڑی کے یہاں چلا جاتا ہوں۔ خیال ہے کہ دارجلنگ جاؤں۔ سفر کا سامان کر رہا ہوں۔ کلکتہ میں تین ماہ ہوگئے۔ خوب کام کیا۔ سیر کی۔ اب دل آسودہ ہوگیا ہے۔

۵۔ جون ۱۹۱۸ء۔ آج تین ماہ کے بعد کلکتہ سے روانہ اٹھتا اور ۵ بجے شام کی ٹرین سے جو دارجلنگ میل کہلاتی ہے دارجلنگ کو روانہ ہوتا ہوں۔

۶۔ جون۔ ۸ بجے صبح سلی گوڑی پہنچا۔ اور ۹ بجے میٹر گیج ٹرین پر سوار ہوکر بلندی کوہ کا مسافر بنا۔ سطح زمین سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر چڑھ رہا ہوں۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے ہلکی ہلکی پھوار برسا رہے ہیں۔ پہاڑی جنگل کا دلکش منظر ہے۔ جابجا چائے کے باغات، سرو کے خوشنما درختوں کی قطاریں۔ کوہی آبشاروں کی

چادریں۔ ٹرین کی رفتار کے ساتھ ان مناظرہ کا بدلنا۔ نگاہ کو طلسم کا دھوکا دے رہا ہے۔ دو بجے دن کو دارجلنگ اسٹیشن پر پہنچا۔ وہاں مولوی ولی الحسن صاحب استقبال کے لئے موجود ملے۔ پر تپاک تحیت و سلام کے بعد آن کے ساتھ انجمن اسلامیہ دارجلنگ کے مکان میں آیا۔ مولٰنا عیلنی نے براہ کرم میرے ٹھہرنے کا انتظام کیا تھا۔ مسافرخانہ کا ایک پورا کمرہ مع جملہ سامان آسایش کے لے رکھا تھا۔ وہیں فروکش ہوا۔ سامنے دلکشا منظر تھا۔ یاراں انیس ہم جلیس ہوتے ہیں۔ وقت نہایت لطف سے گذر رہا ہے۔ مولٰنا عینی اور آنکے بھائی مولوی ولی الحسن صاحب اسقدر توجہ و اہتمام مرعی رکھتے ہیں کہ نہایت آرام مل رہا ہے۔ اور صوم بڑے اطمینان سے رکھ رہا ہوں۔ ایک پہاڑی عورت اوپر کا کام کاج کرنے کے لئے نوکر رکھائی ہے۔ اس سے گھر والونکا ہاتھ بٹ جاتا ہے۔

دارجلنگ میں کوئی قدیم تاریخی عمارت نہیں ہے۔ صرف ایک مہاکال کی پہاڑی ہندوؤں کا متبرک مقام ہے۔ اسپر مہاکال کی مورت رکھی ہے۔ عوام روایت کرتے ہیں کہ مہاکال کو حاتم طائی نے قتل کیا تھا۔ پہاڑی کے نزدیک ہی ایک بہت طویل غار ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ یہ غار نیپال تک چلا گیا ہے۔ میں ایک ہزار فٹ تک غار کی گہرائی میں اترا۔ راستہ صاف ہے۔ ہاں غار کی دیواروں اور چھت سے پانی اسقدر ٹپکتا رہتا ہے کہ میرے تمام کپڑے بھیگ گئے۔

انجمن اسلامیہ دارجلنگ سنہ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی۔ وٹرنیری ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب جالندھری (پنجاب) اس کے بانی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہاں تشریف لائے تو انپر اسبات کا خاص اثر ہوا کہ دارجلنگ میں مسلمان مسافروں کے لئے کوئی قیام کی جگہ نہیں تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خیال انپر اسقدر حاوی ہوا کہ انھوں نے مسافرخانہ اسلامیہ کی بنیاد ڈال دی۔ سید محمد مصطفٰے صاحب

بھاگلپوری۔ ماسٹر محمد صدیق صاحب کشمیری۔ خواجہ عبد الصمد صاحب کشمیری اور حکیم احمد جان دہلوی (مرحوم) اس کارخیر میں معاون ہوئے اور کام پورا ہوگیا۔ اب اسوقت جبکہ میں دیکھہ رہا ہوں مسافرخانہ کی عمارت مکمل اور جامع مسجد نہایت عمدہ بنگئی ہے۔ مسافروں کو یہاں نہایت آرام ملتا ہے۔ اور غربا کو تین دن کھانا بھی یہیں سے دیا جاتا ہے۔ ابتک ان عمارتوں پر مبلغ ۶۵ ہزار روپیہ خرچ ہوچکا ہے۔ لارڈ رانلڈشے اور لارڈ کارمائیکل گورنران بنگال۔ انجمن کا معاینہ کرچکے ہیں۔ انجمن کے ماتحت دو ابتدائی مدرسے ایک زنانہ اور دوسرا بچوں کا جاری ہے۔ زیادہ تر اعانت قالین اور چمڑہ کے کشمیری تاجران فرماتے ہیں۔ بنگالی مسلمان جو انجمن کے اراکین تھے اختلاف و نقیض ڈالکر کام کے درپے تخریب ہوئے۔ اس لئے انکو خارج کرنا پڑا۔ اسکے بعد انجمن بہت اعلی درجہ کا کام کر رہی ہے۔ اور ساڑھے ۳۵۰ روپیہ ماہوار کا مستقل خرچ ہوتا ہے۔ مسجد کے امام صاحب۔ موذن۔ اور مدرسین کی تنخواہیں وارد و صادر کی ضیافت طعام اور انکی آسایش و قیام کا انتظام کرنے کے مصارف سب اسی میں شامل ہیں۔ حافظ وزیر محمد صاحب اور شیخ نواب صاحب بہت کچھہ مالی اعانت کرتے رہتے ہیں جزاہم اللہ۔

سیٹھہ عبد الکریم جمال نے اشاعت اسلام کی مد میں سو روپیہ ماہوار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس علاقہ کی پہاڑی قومیں اسلام کی طرف بہت راغب ہیں۔ صرف ایک مستعد تبلیغی مشن کی ضرورت ہے۔

اس انجمن کے جان ڈاکٹر عبد العزیز صاحب ہیں۔ اور وہ بھی اشاعت اسلام کے بہت دل دادہ ہیں۔ لیکن کریں کیا کہ کوئی اچھا کام کرنے والا اور فرض شناس عالم نہیں دستیاب ہوتا۔ یہ انجمن سب سے بہتر اور بے مثل

کام یہ کرر ہی ہے کہ مسلمانوں کے تمام مقدمات خواہ دیوانی کے ہوں یا فوجداری وغیرہ کے سب اسی انجمن کے ذریعہ سے طے ہوتے ہیں۔ بارک اللہ۔

ایک ماہ دس یوم دارجلنگ میں بآرام تمام رہکر۔ ماہ شوال کی تیسری تاریخ کو واپس روانہ ہوا۔ مولوی عینی صاحب اور حافظ وزیر محمد صاحب رفیق سفر ہوئے اور ایک سو کے قریب مسلمانان دارجلنگ کمال لطف وعنایت سے اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے۔ انھیں سے شاہ عبدالرزاق صاحب مرشد آبادی گھوم اسٹیشن تک ساتھ رہے۔ آپ نہایت آزاد درویش ہیں اور بیحد اہل دل۔ مجھے آپ سے خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ سلّی گوڑی تک سب ساتھ رہے۔ اسکے بعد مولنا عینی چاٹگاؤں کو۔ اور حافظ وزیر محمد صاحب کلکتہ کو گئے۔ اور میں پاربتی پور کی طرف روانہ ہوا۔ پاربتی پور سے کٹھیار۔ مقامہ گھاٹ مغلسرائے۔ الہ آباد کٹنی۔ اور بینا کے راستہ سے بھلسہ آیا۔ ۱۹- جولائی ۱۹۱۸ء کو رودلی سے ترک سکونت کر کے میری بیوی اور بچیاں بھی بھلسہ میں آگئی تھیں۔ اب یہاں برادران عزیز عبدالرؤف اور محمد ابوایوب سلمہما اللہ کے ساتھ ہوں اور راحت وآرام سے رہتا ہوں۔ دو ماہ کی سالانہ رخصت ہے۔ ۲۰- جولائی سے ۲۵- ستمبر ۱۹۱۸ء تک بھلسہ میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں صرف دو مرتبہ بھوپال جانا ہوا۔ اور کہیں نہ جاسکا۔



## دورۂ بہار

۲۹- ستمبر ۱۹۱۸ء کو بھلسہ سے روانہ ہوکر۔ اٹارسی۔ جبلپور۔ الہ آباد کے رستہ سے گیا پہنچا۔ سفر میں زکام ہو گیا تھا اور سخت تکلیف تھی۔ گیا میں اتر کر سید ہا مولنا خیرالدین صاحب کے یہاں چلا گیا۔ حکیم شمس الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور طبیعت کو سکون حاصل ہونے پر۔ ۳- اکتوبر کو بانکی پور میں

حافظ محب الحق صاحب کے یہاں پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ حافظ صاحب بہ کمال لطف و محبت مہماں نوازی فرما رہے ہیں۔ روزانہ کوشش کے لئے میرے ساتھ رہتے ہیں۔ مسٹر محمود بیرسٹر سے سابقہ شناسائی تھی۔ ان کے ہاں گیا تو فوراً آمادہ ہو گئے۔ میں نے مسٹر مظہر الحق صاحب سے ملا دینے کی درخواست کی۔ شام کو وہاں پہنچکر مجھے ملے۔ مگر مسٹر مظہر الحق صاحب گھر پہ نہ تھے۔ ۸ بجے رات تک انتظار کیا۔ اسکے بعد واپس ہوئے۔ مسٹر مظہر الحق صاحب کے مکان سے متصل مسٹر سید حسین بیرسٹر رہتے ہیں۔ آپ حافظ احمد رضا خاں صاحب مخاطب بہ نواب سکندر جنگ عہدہ دار سرکار نظام دام ملکہ کے نواسے ہیں۔ آپ سے بھی ممبر ہونیکی درخواست کی گئی جسکو بخوشی منظور فرمایا۔

سید نور الہدیٰ صاحب بیرسٹر پنشنر ڈسٹرکٹ جج سے ملا۔ آپ پٹنہ کے رئیس ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں بیرسٹر اور کیمبرج سے بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ہوئے پانچ سال پریکٹس کرکے ڈسٹرکٹ ججی پر مامور ہوئے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ خود اپنی کمائی سے معقول جائداد پیدا کی ہے۔ اولاد کوئی نہیں۔ ایک مدرسہ قدیم عربی تعلیم کا درس نظامیہ کے مطابق قائم کیا ہے۔ مدرسہ اور دار الاقامۃ کی عمارتیں بنگئی ہیں۔ مسجد بننے والی ہے۔ دو سو کے قریب طلبہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں۔ چالیس بورڈر ہیں۔ باقی ڈے اسکالر۔ بورڈروں کو کھانا دار الاقامۃ سے ملتا ہے مدرس گیارہ ہیں۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ ما ۲۵۰ روپیہ ماہوار تنخواہ مدرسین اور ایکسو ساٹھ روپیہ ماہانہ بورڈروں کا خرچ ہے۔ مصارف مدرسہ کے لئے پندرہ سو روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد وقف کر دی ہے۔ سید صحیح النسب بغدادی الاصل ہیں۔ آپکے جداعلیٰ شہنشاہ عالمگیر کے وقت میں وارد ہندوستان ہوئے تھے۔

مولوی شرف الدین صاحب (مرحوم) ممبر کونسل صوبہ بہار نے رؤسائے

ضلع گیا کے نام کے خطوط لکھدئے ہیں۔ مگر جنگ یورپ کی وجہ سے ملک میں بڑی پریشانی پھیلی ہے۔ کام کی رفتار بہت سست ہے۔ کوشش کر رہا ہوں۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء بانکی پور سے ٹرین پر سوار ہو کر ایک بجے دن کو اسٹیشن ترگنا پر اُتر گیا۔ ڈاکٹر سید محمد یحییٰ صاحب سب اسسٹنٹ سرجن سے ملا۔ آپ خاص لطف کے ساتھ ترقی اردو کے ممبر ہوئے۔

مسوڑھی۔ پٹنہ سے گیا جاتے وقت دوسرا ریلوے اسٹیشن۔ اور غلّہ کی بڑی منڈی ہے۔ اس اسٹیشن سے مسلمان زمینداروں کے متعدد مواضعات نزدیک پڑتے ہیں۔ میں وہاں پہنچا۔ مسوڑھی میں مسلمان آبادی بہت کم اور متفرق تھی۔ تین سال گذرے کہ ایک مسلمان سب انسپکٹر پولیس رحمت خاں صاحب نے اسٹیشن کے قریب چندہ سے مختصر سی خوبصورت مسجد بنوا کر اسکے اطراف میں نوربافت مسلمانوں کو آباد کر دیا ہے۔ یہ آبادی رحمت گنج کے نام سے موسوم ہے۔ اور نوربافت بھائی مسجد کے نگراں ہیں۔ مسلمان مسافروں کو ایک آرام کا ٹھکانا تو مل جاتا ہے کیونکہ یہاں سرائے کوئی نہیں۔ بہار کا راستہ سیلاب کی وجہ سے بیحد خراب ہو گیا ہے۔ یکہ نہیں جاسکتا۔ فٹنس کے انتظار میں رات کو ٹھہرنا پڑا۔ مولوی سید محمد یحییٰ صاحب سب اسسٹنٹ سرجن نے بکمال عنایت اپنے یہاں جگہ دی۔ ۱۴۔ اکتوبر۔ کرایہ کی ٹمٹم پر مسوڑھی سے روانہ ہوا۔ خان بہادر سید ظہیر الدین صاحب وائس چیرمین پٹنہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہم سفر تھے۔ آپ بڑے معلومات کے آدمی ہیں۔ سیلاب کی وجہ سے راستہ خراب تھا۔ جابجا سڑک بہ گئی تھی۔ قریب پانچ میل کے پیادہ چلنا پڑا۔ خدا خدا کر کے نتول پہنچا۔ یہ عرفی نام ہے۔ اس جگہ کا اصل نام چک بی بی حنیفہ اور چک بی بی کمال ہے۔ یہاں کے معزز خاندان کے سرکردہ مولوی شیخ خلیل الرحمٰن صاحب ہیں۔ آپ انصاری اور حضرت ابوالدرداؓ کی اولاد میں ہیں۔ اسی بستی میں یہ خاندان ڈیڑھ سو

سال سے رہتا ہے۔ ہندوستان میں ان کے اجداد کی آمد کا زمانہ زمانہ تغلقیہ کا عہد ہے
یہ خاندان ہمیشہ مسلمان سلاطین ہند کے درباروں میں ممتاز عہدہ پر رہا۔ مولوی خلیل الرحمن
صاحب کے دادا مولوی عبد القادر صاحب مرحوم وکیل کلکتہ ہائی کورٹ تھے اور آپ ولایت
میں امتحان سول سروس کی تیاری کر رہے تھے کہ چار سال کے بعد مورث اعلیٰ کی وفات نے تکمیل تعلیم سے
روک دیا۔ اور آپ کو وطن واپس آنا پڑا۔ گھر پہ آئے تو ریاست کے انتظام نے
پابند کر لیا۔ آدمی نہایت خوش انتظام ہیں۔ خاندان کے دو رکن مولوی خلیل الرحمن صاحب
و مولوی محمد مسعود احمد صاحب ہیں۔ تیسرے رکن سید منظر علی صاحب اس گھر کے
نواسہ اور مادری ترکہ کے وارث ہیں۔ ان کا اصل خاندان موضع فرید پور میں
رہتا تھا۔ اب ننہال ہی کے ہو گئے۔ جائداد کی آمدنی دس ہزار روپیہ سالانہ ہے۔
مولوی شیخ بشیر احمد صاحب بھی مولوی خلیل الرحمن صاحب کے رشتہ دار اور دو ہزار
روپیہ سالانہ آمدنی کے زمیندار ہیں۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب کے دادا صاحب
نے ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد مصارف خیر کے لئے وقف کی تھی۔
یہ اسکے متولی ہیں۔ اب ضعیف ہو گئے ہیں۔ دو صاحبزادے آپ کے ہیں۔
سید حبیب الحسن صاحب بھی اسی بستی میں رہتے ہیں۔

نتول کے جوار میں اورنگ پور پکورا ایک گاؤں ہے۔ اسمیں حضرت سید
حیدر مشہدی شہید کا مزار ہے انکی اولاد وہاں رہتی ہے اور اپنے آپکو ستی کہتے ہیں۔
زمینداری معمولی ہے۔ ملازمت بھی کرتے ہیں۔ اب تعلیم انکی بڑھ رہی ہے۔

**موضع نرایاں** میں سیدوں کے چند گھر ہیں۔ یہ سب پریشان حال ہیں۔
موضع برایاں میں سیدوں اور شیخوں کی مختلط آبادی ہے۔ اسمیں چند گریجویٹ اور
ملازم گورنمنٹ اشخاص ہیں۔ موضع فرازی میں بھی شیوخ و سادات کی آبادی ہے
اسمیں صرف ایک خاندان معمولی خوشحال ہے اور مابقی مفلس و پریشان روزگار۔

مولوی خلیل الرحمن صاحب مع برادرزادہ ستر ہزار روپیہ سالانہ نکاسی کی جائداد رکھتے ہیں۔ اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ ایک صاحبزادہ اور تین لڑکیاں ہیں۔ مسعود میاں صاحب کے تین فرزند ہیں۔ عالیشان کوٹھی وسیع کمپاؤنڈ میں بنوائی ہے۔ میں بھی اس عمارت میں ٹھہر کر راحت اندوز ہوا۔ نیورہ اور کرائے پرسرائے کے معزز گھرانوں سے قرابت ہے۔ اور یہ شرفائے بہار کا ایک خوشحال اور نامور گھرانا ہے۔ مسٹر حسن الدین احمد صاحب کمشنر سالٹ مولوی خلیل الرحمن صاحب کے ممیا خسر تھے ان کا پیوند سید واحد حسین صاحب رئیس باڑہ کی دختر سے ہوا ہے۔

اس موضع میں سید لار صاحب کا مزار ہے۔ یہ بزرگ کب اور کہاں سے آئے۔ کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ نام کی بھی پوری تحقیق نہیں ہوئی کہ کیا ہے۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب نے یہ مزار پختہ بنوادیا ہے۔

**کاکو**۔ ۱۵۔ اکتوبر۔ بسواری فٹن کاکو میں وارد۔ اور مولوی عبدالرحمن صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ یہ موضع مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ قریب ڈیڑھ سو گھر شرفا کے یہاں ہیں۔ جو یہاں کی زمینداری میں حصہ دار بھی ہیں۔

عہد حکومت اسلامیہ میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ یہاں تشریف لائے انکا نام شاہ شہاب الدین عرف پیر جگ جیوت ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس سرزمین میں آکر اشاعت اسلام اور روحانیت کی ضوافشانی فرمائی اور یہیں قیام کیا۔ اسی بستی میں آپ کا مزار ہے۔ عمارتیں کچھ خاص خوبی کی نہیں ہیں۔ نہ سب قدیم ہیں۔ عیدگاہ۔ اور مزار کے داخلہ کا پھاٹک یہ دو قدیم عمارتیں کہی جاتی ہیں۔ پھاٹک پر تاریخ کا کتبہ ہے اسمیں پانچ خانے ہیں پہلے خانہ میں "ہرکہ در خدمت درویشان است۔ در صحبت ایشان است" لکھا ہے دوسرے خانہ میں تحریر ہے "بنا کرد واحد حسین" خانہ سوم میں یہ عربی ابیات لکھی ہیں

الا یا ساکن القصر المعلّی ستدفن عن قریب فی التراب + لہ ملک ینادی کل یوم
لدو اللموت وابنوا للخراب + چھٹے خانہ کی تحریر ہے۔ دہم شہر ذی الحجہ سنہ سبعین
وسبع مائۃ سنہ ۷۷۰ ہجری + اور پانچویں خانہ میں پھول بنا ہوا ہے + لوگ کہتے ہیں
کہ پہلے مسجد بھی بنی تھی۔ لیکن اب اسکا کوئی نشان تک نہیں۔ ہاں ایک کتبہ تاریخ
کا ضرور رکھا ہوا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

## تاریخ مسجد

| | | | |
|---|---|---|---|
| عہد این کامگار ظل اللہ | شاہ محمود بن محمد شاہ | وقت خان معظم اعظم خان | در قبا و کلہ۔ ولی اللہ |
| عز دین و بین عمارت مسجد | کردہ امیدوار عفو گناہ | یا رب از فضل خود بیامرزش | بندۂ توبہ تو گرفتہ پناہ |
| قبۂ گنبد و بلند ورش | در ربودہ ز فرق چرخ کلاہ | سال او ہفت صد و نود بود ۷۹۹ | شد مرتب بعشر شہر اللہ |

حضرت پیر جگ جیوت کی دختر بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال یہاں رہیں۔ اور یہ مخدوم
شیخ شرف الدین بہاری کی خالہ تھیں۔ بی بی کمال کا خاندان یہاں سب سے زیادہ
ممتاز ہے۔ اور اس گھرانے کے علاوہ دیگر بزرگوں کے یادگار بھی یہاں رہتے ہیں
اور وہ سب کچھ نہ کچھ زمینداری رکھتے ہیں۔

کاکو میں بزرگان طریقت کے بہت سے مزارات ہیں۔ مشہور ترین مزاروں
کا ذکر کرتا ہوں۔ (۱) مخدوم شیخ شمس الدین دو النقی بستی کے مشرقی گوشہ پر
لب آہر مزار ہے۔ عرف عام میں شمس روضہ کہلاتا ہے۔ آپکی اولاد میں مولوی
یوسف حسین صاحب اور مولوی عبد العزیز صاحب ہیں۔ خاندان میں کچھ نئی
تعلیم کا چرچا ہے اور معاش مختصر ہے۔ مولوی عبد العزیز صاحب کے ایک بیٹے
مولوی عبد الودود بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ گیا میں وکیل ہیں۔ اور ایک اور صاحبزادے
امپیریل سروس میں ہیں۔ (۲) حضرت سید سلیمان سیاح۔ انکی اولاد نہیں ہے۔
انکا مزار بی بی کمال کے پائیں مزار ایک ٹیلہ پر ہے (۳) شاہ رکن الدین بستی کے

مشرق میں دوسرے گوشہ پر مزار ہے۔ آپکی اولاد میں شاہ فرید صاحب ہیں۔ اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحب۔ معاش وحالت معمولی ہے۔ (۴) مخدوم مولانا سلیمان لنگرزمین۔ مشرقی گوشہ ہی میں مزار ہے۔ ان کی اولاد، دانا پور، پٹنہ، شیخپورہ، بوڑہ تالاب، اور بہار وغیرہ میں پھیلی ہے۔ یہ بزرگ امام تاج فقیہ کے پوتے ہیں۔ (۵) سید شاہ علی اکبر صاحب دانشمند۔ قصبہ کاکو سے پورب میں اٹیانامی مقام پر مزار ہے۔ اولاد اور حالات لاپتہ ہیں۔ (۶) سید شاہ قیام الدین بستی کے پورب ہواری بیگہ میں مزار ہے۔ اولاد نہیں۔ نہ حالات کا پتہ چلتا ہے (۷) حاجی سید سلیمان شاہ رح۔ اولاد کا پتہ نہیں ملا۔ (۸) شاہ علی اکبر رح۔ ٹہرایں مزار ہے۔ اولاد کا پتہ نہیں۔ (۹) شاہ ارزانی رح۔ مزار موجود مگر اولاد مفقود ہے۔ (۱۰) شاہ مبارک رح۔ ایک کھیت میں مزار ہے۔ اولاد نہیں ہے۔ (۱۱) سید ابراہیم رح۔ ان کی اولاد میں میر محمد یونس صاحب موجود ہیں معاش معمولی ہے۔ (۱۲) شاہ محمد شاہ رح۔ آپ کے پرپوتے سید شاہ غزالی صاحب موجود ہیں۔ حالت معمولی ہے۔

کاکو میں مختلف شرفا کے خاندان موجود ہیں۔ انمیں سے اکثر معمولی معاش پر بسر کر رہے ہیں۔ سبکی زندگی چھوٹے اور معمولی زمینداروں کی سی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہاں مڈل تک ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول قائم ہوا ہے۔ اسکی وجہ سے انگریزی تعلیم کا چرچا پھیل چلا ہے۔ گو ابھی ابتدائی منزل ہے۔ بہم طلبہ پڑہتے ہیں۔

شیخ موسی رضا صاحب۔ کاکو کے خاندان قضات میں سے ہیں۔ عالم اور شہسرام میں ملازم ہیں۔ انکے مورث اعلی تاج محمد صاحب چھ سو سال ہوئے یہاں آئے تھے۔ اس وقت سے یہ خاندان یہاں آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ انصاری ہیں۔ مگر جدا اعلی کا نام نہیں بتا سکتے۔ صرف ۹ نو پشت کا نسب نامہ معلوم ہے۔

سید شاہ غفور الرحمن، صاحب۔ رئیس۔ بہترین معاش اور اچھی طبیعت کے آدمی ہیں۔ شاعر اور اہل قلم ہیں۔ ایک کتاب "آثار کاکو" نامی ترتیب دی ہے۔ مسلمان شرفائے کاکو کی خاندانی تاریخ ہے اور انکو زندگی دوام بخشنے کا ذریعہ۔ مگر ابھی شائع نہیں ہوئی۔ آپ سید شاہ عبد الرحمن رضوی کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ تاج الدین سیودہ ضلع پٹنہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ آپکے تین لڑکے ہیں۔ بڑے بیٹے ایف۔ اے میں پڑھتے ہیں اور دو باقی بھی انگریزی پڑھ رہے ہیں

خواجہ عبد القدوس محمد اسلم رشیدی جعفری۔ اسی قصبہ کے ایک صوفی مشرب عالم تھے۔ آنکے مرید اور شاگرد مولوی شاہ علیم اللہ بدایونی بھی اچھے بزرگ اور ذی علم گذرے ہیں۔ انہوں نے کتاب فصوص الحکم (مصنفہ محی الدین ابن العربی رح) کی ایک شرح لکھی تھی۔ ۱۰۳۳ھ میں کتاب لکھی گئی تھی۔ اسکا قلمی نسخہ خانقاہ پھلواری شریف میں موجود ہے مصنف نے اپنے پیر صاحب کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ پچاس سال گذرے جبکہ یہاں ایک نامی طبیب حکیم احسان علی صاحب ہوے ہیں۔ آجکل مولانا حکیم سید سخاوت حسین صاحب عربی کے فاضل اور طبیب ہیں۔ اور حکیم اخلاق حسین صاحب بھی مطب کرتے ہیں۔

موضع سید آباد پرشائیں۔ ضلع گیا۔ کاکو کے قریب ہے۔ سادات کی بستی شرفا کی آبادی ہے۔ تعلیم انگریزی کا اب کچھ چرچا ہو چلا ہے۔ حالت اچھی نہیں۔ صرف شیخ شمس الہدیٰ عباسی وہاں کے زمینداروں میں کسی قدر خوش حال ہیں۔ وہ سید ظفر نواب صاحب رئیس گیا کے یہاں نائب ریاست ہیں۔ باقی سب کاشتکار ہیں۔ ایک صاحب علوم عربیہ کے فارغ التحصیل بھی ہیں۔ یہاں شاہ فیروز رح کا مزار ہے۔ مگر انکے حالات اور اولاد کا پتہ نہیں۔

اسلام پور۔ ضلع پٹنہ۔ کاکو سے میں اسلام پور آیا۔ کہار و نیر پہ سفر ہوتا ہے

۹ بجے رات کو یہاں پہونچا۔ محرم کی ۱۳۔ تاریخ ہے اور عرس ہو رہا ہے۔ صاحب مزار سید شاہ ولایت علی رح سید علی ہمدانی جامع اوراد فتحیہ کی اولاد میں سے تھے۔ موجودہ سجادہ نشین شاہ محمد عبدالقادر صاحب ہیں۔ آدمی ذی علم۔ روشن خیال۔ اور خوش خلق ہیں۔ غیر مرید سے نذر نہیں لیتے۔ قبرستان صحن مسجد میں ہے۔ دہیں دس بجے شب کو مزار پر قُل پڑھا گیا۔ کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی ہوئی۔ اور اسکے بعد خانقاہ میں مجلس قوالی ترتیب پائی۔ مجلس سے فراغت کے بعد کھانا ہوا۔ اسکے بعد میں سو رہا۔ صبح کو اٹھا تو مولوی محمد عثمان صاحب ملگئے لکھنؤ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ آج سولہ برس کے بعد پھر ملنا ہوا۔ وہ مجھکو یہاں کے رئیس اعظم چودھری صاحب کے خاندان سے ملانے اپنے ساتھ لے گئے۔

چودھری صاحب کا خاندان چودھری ملک فریدوں کی یادگار ہے۔ اس وقت ریاست خاندانی چودھری ظہور الحق صاحب کی دو لڑکیوں کی اولاد پر منقسم ہے۔ نواسے وارث اور قابض ہیں۔ ایک بیٹی کی اولاد دو لڑکے مولوی شاہ حمید الدین احمد عارف اور مولوی شاہ اکرام الدین احمد عرفان۔ ہیں۔ یہ دونوں نوجوان رئیس۔ ذی علم اور منتظم ہیں۔ ان کا جدی سلسلہ نسب مخدوم شیخ شعیب رح بہاری سے ملتا ہے۔ جو کتاب "مناقب الاصفیا" (حالات خانوادۂ فردوسیہ) کے مصنف تھے۔ زبیری ہاشمی یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ بہار میں یہ خاندان چھ سو سال کے قریب سے آیا۔ دوسری دختر کے چار بیٹے ہیں منظور احمد خاں نور احمد خاں۔ عمر دراز خاں۔ اور۔ وجیہ احمد خاں۔ ریاست کی مجموعی آمدنی اسوقت سوا لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ قرضہ بھی ہے مگر بہت کم۔ رئیس زادے سب خلیق اور ملنسار ہیں۔ سرسری ملاقات کے بعد مراسم عرس کی شرکت کے لئے چلا آیا۔ عرس نہایت سادہ طریقہ سے ہوتا ہے میلہ کوئی نہیں لگتا۔ دو دن سجادہ نشین صاحب کی طرف سے اور ایک دن

چودھری صاحب کے خاندان کی جانب سے مہمانداری ہوتی ہے شہسرام۔ اور آرہ کے قوال آئے تھے۔ جوار کے اکثر شرفاء شریک عرس تھے۔

قوالی دن کو صبح کے ۹ بجے شروع اور ایک بجے دن کو ختم ہوجاتی ہے۔ دن کا کھانا نماز ظہر کے بعد دو بجے دن کو ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت ۹ بجے بعد نماز عشا قوالی کا آغاز اور ۱۲ بجے شب کو اختتام۔ اسکے بعد کھانا ہوتا ہے۔ ان اطراف میں جہاں میرا جانا ہوا یہی معمول پایا کہ لوگ دن کو زوال کے بعد اور رات کو گیارہ۔۱۲ بجے کھانا کھاتے ہیں۔ عرس کی رسمیں اسی قدر رہیں۔ ۱۵ محرم کو مجلس مشاعرہ ترتیب پائی۔ یہ عرس کا تتمہ تھا۔ مصرع طرح تھا "کہیں بیمار محبت کی دوا ہوتی ہے"
مجھ پر بھی غزل کہنے کا زور ڈالا گیا۔ چنانچہ پاس خاطر کے سوا چارہ نہ دیکھا اور یہ غزل سنائی۔

## غزل

دھوم مقتل میں ہے مہمان قضا ہوتی ہے
آج آراستہ بزم شہدا ہوتی ہے

ہم جو مرجائیں تو بدنام جفا ہوتی ہے
وہ کریں ذبح تو خوش نام ادا ہوتی ہے

شکر صد شکر وہ آئے ہیں عیادت کے لئے
مژدہ اے درد محبت کہ شفا ہوتی ہے

غل ہے زنجیروں میں طوقوں میں ہے ماتم برپا
کیا کسی مجرم الفت کی سزا ہوتی ہے ؟

جب کبھی سیر کو باغوں میں چلے جاتے ہو
کبک شرماتے ہیں پامال صبا ہوتی ہے

جادۂ عشق حقیقی کے مسافر کے لئے
منزل فقر بھی اک عالم لا ہوتی ہے

اپنی ہستی کو مٹا کے فنا ہو جانا
یہی قوت ہے جو بندہ میں خدا ہوتی ہے

عشق کی راہ میں چلنا نہیں آساں اے دل
ہمت شیخ مگر راہ نما ہوتی ہے

خیر ہو مظہر بے چین کی تجھ سے شب ہجر
چلتی پھرتی ترے سایہ میں قضا ہوتی ہے

اس عرس میں موضع انڈوس کے رئیس مولوی عبدالمجید صاحب سے ملاقات ہوئی میرا وطن دریافت کیا۔ ردولی کا نام سنکر فرمایا کہ "وہاں ایک بزرگ مولوی محمد سلیم صاحب تھے۔ ان سے اور میرے والد سے مدینہ منورہ میں بہت اکجائی رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں"۔ میں نے کہا کہ۔ ہاں وہ میرے پدر بزرگوار تھے۔ اب وصال ہو گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی کمال محبت سے بغل گیر ہوئے اور برادرانہ الفت کا اظہار کیا۔ مولوی سید شاہ غفورالرحمٰن کاکوی بھی عرس میں آئے تھے۔ رات کو ۱۲ بجے تک اپنا کلام سناتے اور مجھ سے بھی کچھ سنتے رہے۔ نہایت لطف کے ساتھ وقت کٹا۔

اسلام پور کے رئیس قاضی ظہور الحق صاحب چودھری نے ایک باغ نہایت دلکشا اور وسیع بنوایا تھا۔ باغ کا دروازہ بہت شان کا ہے۔ قیصر باغ لکھنؤ کے دروازوں کا نمونہ ہے مگر عمارت ناتمام تھی کہ آن کی رحلت ہو گئی باغ اور عمارت کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ یہی رنگ رہا تو کچھ عرصہ میں عمارت پیوند خاک اور باغ راغ ہو جائیگا۔

امیتھوا۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ دس بجے دن کو ناشتہ کے بعد اسلام پور سے روانہ اور ایک بجے دن کو امیتھوا میں وارد ہوا۔ امیتھوا۔ پرگنہ بھلاوا ضلع گیا میں ہے۔ مگر پٹنہ سے قریب پڑتا ہے۔ ملا محمد شفیع صاحب ملائے دربار شاہ عالمگیر غازی فتاوائے عالمگیریہ کے جامعین میں سے تھے۔ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے۔ یہ نانہالی سلسلہ ہے۔ دادہالی سلسلہ میں شیخ فاروقی ہیں۔ یہ موضع انکی جاگیر میں تھا۔ اور بھی مواضع تھے۔ اب خاندان کے بزرگ شاہ محی الدین صاحب ہیں۔ آپکے دو چھوٹے بھائی اور ایک چچازاد بھائی نصیرالحسن صاحب ہیں۔ سابق جاگیر کا کچھ حصہ اب تک زمینداری کی حیثیت سے قبضہ میں ہے۔ شاہ محی الدین صاحب ہر سہ برادران سات ہزار روپیہ

سالانہ آمدنی۔ اور نصیر الحسن صاحب تین ہزار روپیہ آمدنی کی جائداد رکھتے ہیں۔ معمولی اردو پڑھے لکھے ہیں۔ نسب نامہ اور فرامین شاہی محفوظ ہیں۔ پہلی سند اراضی بنام ملا شفیع مدد معاش بشرط جمع فتاوائے عالمگیریہ ۔۔ ۲۶۔ رجب ۱۵ سنہ جلوس مطابق ۱۰۸۲ھ کی ہے۔ دوسری سند مدد معاش بنام ملا محمد فائق و ملا محمد اکرام ۴۔ ذی الحجہ ۱۶ سنہ جلوس مطابق ۱۰۸۳ھ کی ہے۔

دیگر شرفاء کے دس پندرہ گھر ہیں جنمیں تعلیم اور زمینداری کچھ نہیں۔ بعض کاشتکار ہیں اور چند معمولی ملازمت کرکے بسر اوقات کررہے ہیں۔ ایک بزرگ مولانا سید شاہ محمد حیات مرحوم یہاں تھے۔ سید تھے اور مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی کے خلیفہ۔ وہ مخدوم بندگی سالار کی اولاد سے تھے۔ ان کا خاندان موضع میاں بیگہ ضلع پٹنہ میں تھا۔ ایتھوا میں سسرال تھی۔ یہیں آرہے۔ ایک ہندو رئیس نے دو ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کی معافی دی تھی۔ رئیس کی وفات کے بعد اسکے بیٹوں نے ضبطی کا دعوی کیا ہے اور عدالت ضلع سے ڈگری پاگئے ہیں۔ سید شاہ محمد عزیز صاحب فرزند اور سجادہ نشین مقدمہ لڑرہے ہیں۔ ہائیکورٹ میں اپیل کیا ہے۔ لیکن روپیہ پاس نہیں۔ ان بزرگوں کے مورث اعلی قاضی محمد شاکر پرگنہ بہار کے قاضی ہوئے تھے۔ محمد شاہ غازی کے عہد میں۔ اس زمانہ میں معافی بھی ملی تھی۔ مگر اب کچھ نہیں ہے۔

قاضی سرائے۔ ضلع گیا۔ شام کو ایتھوا سے قاضی سرائے میں آیا۔ قاضی شاہد حسین صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ کے یہاں ٹھہرا۔ آپ اس بستی کے ممتاز رئیس ہیں۔ نہایت منتظم ہیں۔ جائداد ہر قسم کے بار سے بالکل پاک ہے۔ دادیہال آپ کا نتول میں ہے۔ اس سلسلہ سے انصاری ہیں۔ اور نانہالی ترکہ کی وجہ سے قاضی سرائے میں رہتے ہیں۔ انصار میں کس بزرگ صحابی کی اولاد ہیں۔

اسکا کوئی پتہ نہیں۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ چچازاد بھائی ہیں وہ سب بھی لاولد ہیں۔ بھلیجے اور بھانجیاں ہیں۔ ان کا قیام و مکان بہار شریف میں ہے۔

قاضی سرائے قاضی عبدالرشید خاں صاحب نے آباد کیا تھا۔ ان کے مورث حضرت شاہ قاضی محمد یوسف صاحب موضع ٹالی متصل جہان آباد میں رہتے تھے۔ قاضی عبدالرشید محمد شاہ کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے اور نواب و خان کا خطاب مع ۲۳ مواضع کی جاگیر کے پایا۔ اب اس میں سے ۹ مواضع زمینداری کے طور پر قاضی شاہد حسین صاحب کے حصہ میں ہیں اور باقی مواضع دیگر اراکین خاندان کے حصوں میں گئے ہیں۔ سب زمیندار ہیں۔ اور ٹالی اور قاضی سرائے میں آباد ہیں۔ رات قاضی سرائے میں بسر کی۔ اور صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد کاکو روانہ ہوا۔ دوپہر سے قبل کاکو پہنچا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب میرے میزبان میرا انتظار ہی کر رہے تھے۔

شیخ عبدالرحمن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔ کاکو میں سب سے زائد خوش حال اور صاحب ریاست ہیں۔ با اثر۔ خلیق۔ بامروت۔ وسیع الخیال۔ قومی کاموں سے باخبر اور انکے صحیح متین اور پختہ مزاج۔ خوش انتظام آدمی ہیں۔ آجکل نوجوان بیٹے کی وفات سے دل گرفتہ ہیں۔ لیکن اللہ نے صبر و ضبط کا اس صدمۂ عظیمہ کے باوجود تمام کام بدستور کرتے رہتے ہیں۔ آپکا اصل خاندان جہان آباد کے شرفاء میں سے ہے۔ کاکو میں ننہالی ترکہ پایا ہے۔ اور یہیں قیام فرما ہیں۔ مرحوم بچہ بیرسٹر تھا اور کام کر رہا تھا۔ افسوس۔ کاکو میں آپ ہی کے یہاں میرا قیام رہا۔ نہایت عنایت و محبت فرماتے رہے۔ اب گیا جانیکا ارادہ ہے۔

**جہان آباد ضلع گیا**۔ ۲۷ ستمبر کو آیا۔ خان بہادر اشفاق حسین صاحب کلکٹر دربھنگہ کی دختر پروردہ کا عقد تھا۔ بیاہ و شادی کی رسمیں غور سے دیکھتا رہا بالکل اپنے وطن کے دیہات میں رہنے والے شرفاء کی سی رسمیں بہار کے شرفاء کے

یہاں بھی دیکھیں۔ کچھ برائے نام فرق پایا۔ شادی کی بھیڑ بھاڑ میں یہاں کام کرنے کا موقع نہیں دیکھا۔ اور گیا سے واپسی میں آنے کا ارادہ کرکے گیا چلا گیا۔

گیا۔ ۲۸۔ ستمبر کو گیا۔ آیا۔ سید ظفر نواب صاحب رئیس کے یہاں فروکش ہوں۔ آپ سید عالی نسب۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد اور شہر گیا کے مسلمان رؤسا میں سب سے بڑے رئیس ہیں۔ انتظامی ملکہ بہت اعلیٰ درجہ کا رکھتے ہیں۔ وسیع المعلومات آدمی ہیں۔ آزادہ رو، آزاد مزاج۔ نہایت عالی منش انسان ہیں۔ چالیس ہزار روپیہ قیمت کا عمدہ کتب خانہ اپنے گھر کا عام پبلک کو دیدیا ہے۔ انکی محبت اور مہمان نوازی نے مجھکو اسقدر راحت دی ہے کہ انہیں کے یہاں قیام پذیر ہوں۔ افسوس یہ ہے کہ آپکے خاندانی کاغذات اور اسناد و شرافت نسب سب ضائع ہوگئے ہیں۔ آپکے اجداد کی اصل امجھر شریف کی ہے۔ جائداد اور املاک کا بیشتر حصہ انکے دادا کا ذاتی مکسوبہ ہے۔

شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب۔ اصل مکان نیورہ ضلع پٹنہ میں ہے۔ گیا میں دوسری شادی کی ہے اور اس لئے اب یہیں رہتے ہیں آپکا ننہال ملا سید احمد زیدی الواسطی کی نسل سے ہے جو بعہد شاہ جہانگیر ہندوستان میں آئے۔ اور انکی اولاد میں نواب حاجی سید محمد سعید خان صاحب امیر الوزراء فیروز جنگ وزیر سلطنت ہوئے۔ فیروز جنگ موصوف کی دختر کا میر سلامت علی خاں رئیس نیورہ سے پیوند ہوا۔ اور میر سلامت علی کی بیٹی کرائے پر سرائے کے میر امداد علی سے بیاہی گئیں۔ ان صاحبزادی کے بطن سے شمس العلماء خان بہادر مولوی سید وحید الدین پیدا ہوئے۔ ان کے فرزند شمس العلماء نواب سید امداد امام ہیں۔ نیورہ کا خاندان سید حسین خنگ سوارؒ

کی اولاد ہے۔ ابتدائے عہد انگلشیہ میں اس خاندان کے رکن میر سلامت علی خاں صاحب افسر عدالت تھے۔ انکی اولاد میں بہت سے نامی آدمی ہیں میر راحت علی خاں ڈپٹی کلکٹر شمس العلما نواب سید امداد امام۔ آنربیل مولوی شرف الدین خاں بہادر۔ مولوی سید نصیر الدین سی آئی۔ اور خاں بہادر سید ظہیر الدین وغیرہ وغیرہ۔

نواب امداد امام صاحب نہایت ذیعلم۔ ذہین۔ طباع اور عالی دماغ ہیں۔ عربی علوم کی پوری تحصیل فرمائی۔ انگریزی میں مطالعہ کی مدد سے اعلےٰ زباندانی کی مہارت پیدا کرلی۔ ہومیوپیتھی۔ ایلوپیتھی۔ یونانی طب۔ اور تمام اصناف علاج جو دنیا میں رائج ہیں ذاتی مطالعہ سے انہیں کمال حاصل کرلیا ہے علاج ایسے معرکہ کے کئے کہ لوگ حیران رہگئے۔ شکار کا بیحد شوق ہے۔ آدمی بڑی خوبی کے ہیں۔ ورزش کے پابند۔ یہی وجہ ہے کہ ستر سال کی عمر میں جوانوں کے قوئی کومات کرتے ہیں۔ شاعر نازک خیال۔ بلند پرواز اوج معانی و مضامین۔ اور صاحب تصانیف ہیں۔ مرآۃ الحکما۔ فلسفہ قدیمہ و جدیدہ۔ کتاب الاثمار۔ کتاب الزراعت دیوان اثر۔ اور کئی دیگر مفید کتابیں آپکی تصنیف ہیں۔ پہلی بیگم صاحبہ سے سر سید علی امام اور سید حسن امام دو فرزند ہیں۔ اور دوسری شادی سے سید حسین امام ایک فرزند اور دو لڑکیاں ہیں۔

خان بہادر سید خیرات احمد صاحب موسوی ہیں۔ قدیم شجرہ تلف ہوگیا اپنی یاد سے شجرہ ترتیب دیا ہے۔ ہندوستان میں مورث اعلےٰ کی آمد کا زمانہ معلوم نہیں۔ ایک فرمان ۵۵۰ھ قاضی برخوردار کی وراثت تقسیم کرنے کا دکھایا۔ ورثا کے نام شیخ معز الدین اور شیخ عبد الغفور درج ہیں۔ سادات ہونیکا اس سے ثبوت نہیں ملتا۔ آپ کے آبائے کرام قصبہ کرائے پرسرائے میں رہتے تھے۔ اب

موضع باَلی میں توطّن ہے۔خاندان تعلیم جدیداور خوشحالی سے بہرہ ور رہے۔موجودہ وجاہت واعزاز کے بانی میر اشرف علی صاحب مختار عدالت ہوئے۔خان بہادر ممدوح نے ۱۸۷۹ء میں وکالت کا امتحان بی۔ ایل۔ پاس کر کے گیا میں کام شروع کیا۔خوب روپیہ پیدا کیا۔جائداد خرید کی۔بچوں کو بیرسٹری کی تعلیم دلوائی۔ ممبر میونسپل بورڈ ہوئے۔اب آنریری مجسٹریٹ ہیں۔وکالت اب نہیں کرتے۔خانہ نشینی اور پبلک لائف میں وقت صرف کرتے ہیں۔انجمن امامیہ مع اسکول کے قائم کی ہے۔سرِدست اسکول صرف درجہ دوم تک ہے۔ڈیڑھ سو طلبا ہیں۔ڈسٹرکٹ بورڈ اور عام چندہ کی امدادی رقوم کے علاوہ انجمن امامیہ سے پچاس روپیہ ماہوار مدرسہ کے خرچ میں دیئے جاتے ہیں۔اب ۱۹۰۱ء میں خان بہادر ہوئے۔امامیہ اثنا عشریہ ہیں۔دو نور نظر لائق اور اہل آپ کے ہیں۔ ان کے نام سید ہادی حسین اور سید سلطان احمد ہیں۔سید ہادی حسین صاحب بیرسٹر ہیں۔خان بہادر کو علمی ذوق ہے۔کئی کتابیں لکھی ہیں۔اکثر مذہبی۔اور ایک سوشیل تصنیف "عصمتکدہ" بہت اچھی ہے۔

سید حسن امام اور سید حسین امام۔جدی سلسلہ نسب مورث اعلیٰ سید شاہ مینا سے ملتا ہے۔ان بزرگوار کے حالات کا پتہ نہیں چلا۔ننہال کے خاندان میں یہاں جو صاحب آئے۔ان کا نام خواجہ اسد اللہ سلطان گنج نشین ہے۔مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ سے ملنے آئے تھے۔اور خواجہ عبداللہ چشتی بھکری کی اولاد تھے۔ان کا یہیں انتقال ہو گیا۔مزار قصبہ شیخپورہ میں ہے۔ان کی اولاد میں خواجہ تاج محمود حقانی ایک اچھے بزرگ ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب کے داماد مولوی مظہر امام صاحب نے وکالت کا امتحان دیا۔ اور ابتدائے عہد انگلشیہ میں گیا کے ایک کامیاب وکیل تھے۔بہت جائداد

پیدا کی۔ اور اپنے فرزند۔ حاجی سید علی امام۔ مرحوم کو بیرسٹر کرایا۔ میرا اور مرحوم کا سفر حج میں ساتھ رہا تھا۔ بڑی خوبی کے آدمی تھے۔ سید حسن امام اور سید حسین امام انھیں کے فرزند ہیں۔ نہایت پرجوش اور باحمیت مسلمان ہیں اور ضلع گیا کے تمام مسلمانوں کا شہر گیا میں ایک اجتماعی مستقر قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ خدا انکو کامیاب کرے۔ انجمن معین الاسلام کے بانی ہیں۔ سید حسن امام صاحب اس انجمن کے ناظم ہیں۔ باخدا۔ دین پرور۔ اور نیک نیت ہیں۔ آپ آنریری مجسٹریٹ بھی ہیں۔ اور ہردو برادر سید ظفر نواب صاحب کے بھانجے اور داماد بھی ہیں۔

حکیم شمس الحق صاحب سہسوانی گیا میں ممتاز طبیب اور دل دردمند رکھتے ہیں۔ قوم پرور ہیں شیخ جلال الدین تھانیسری کی اولاد ہیں۔

خان بہادر قاضی فرزند احمد صاحب۔ آپ قاضی صدر جہان کی اولاد ہیں۔ اس خانوادہ میں بعہد شاہجہاں صاحبقراں شیخ منور اللہ جد دا عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ انکے بعد خاندان میں یہ عہدہ قائم رہتا آیا۔ شیخ منور اللہ سے قبل راجہ ٹکاری نے اس خاندان کا گھر لوٹ لیا تھا۔ شیخ ممدوح نے دربار دہلی میں استغاثہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ چند فرمان میں نے خود دیکھے ہیں۔ ایک ۱۱۸۴ء کا ہے جو شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے شیخ رحمت اللہ کے نام ہے۔ دوسرا فرمان رجب ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۷۹۷ء کا ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے حاکم بہار نے دیا ہے۔ یہ دونوں فرمان فارسی میں لکھے ہیں۔ اور تیسرا فرمان ملکۂ وکٹوریا آنجہانی قیصرۂ ہند کے عہد کا ہے۔ یہ فرمان قضاۃ ماہ جون ۱۸۵۶ء میں گورنر کلکتہ کے اجلاس سے بنام قاضی احمد بخش صاحب صادر ہوا ہے۔ اور اردو زبان میں لکھا ہوا ہے۔ مہر قدیم طرز کی ہے۔ آپ شیخ

فاروقی ہیں۔ اور نسب نامہ محفوظ ہے۔ کچھ خاندانی حالات اپنی معلومات سے قلمبند کئے ہیں۔ ولادت آپکی ۱۲۸۳ھ ہجری میں ہوئی۔ خیر خواہ گورنمنٹ ہیں۔ ۱۸۸۷ء میں خان بہادر۔ اور ۱۹۱۵ء میں تمغۂ قیصرِ ہند کا اعزاز پایا۔ تمغہ خود گورنر صاحب نے آپکے سینہ پر آویزان کیا تھا۔ کئی گورنران اور وائسرائے کے خطوط آپکی وفاشعاری سرکار اور اعزاز خاندان کے اعتراف میں آپکے نام آئے ہیں۔ صوفی مشرب، فارسی زبان کے شاعر خوش گو۔ فیاض۔ عالی نفس۔ اور مسافر نواز ہیں۔ دستِ کرم دراز ہے۔ اسی وجہ سے چالیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد رکھتے ہوئے بھی قرضدار ہیں۔ ایک نورِ نظر انوار الحق نام نہایت سعید اور رجوش لیاقت تھے۔ وہ عین نوجوانی میں پدر بزرگوار کو داغِ مفارقت دے گئے ہیں۔ افسوس! اب مرحوم فرزند کے دو بچوں سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ انوار الحق مرحوم کی شادی سید ظفر نواب کی بہن سے ہوئی تھی۔

۵۔ نومبر ۱۹۱۸ء۔ آج سید حسین امام صاحب کے ساتھ حضرت مخدوم شاہ درویش چشتی نظامی رح کے مزار کی زیارت کرنے ٹیٹھو شریف آیا۔ مخدوم صاحب حضرت شاہ مبارک بلبلی کے فرزند اور مخدوم اشرف جہانگیر رح کے خلیفہ اور بھانجے حضرت نور العین رح کی اولاد میں تھے۔ یہاں کا عرس شعبان میں ہوتا ہے۔ دس تاریخ کو قل اور گیارہویں کو میلہ ہوا کرتا ہے۔ مزار پہلے پختہ بغیر قبہ کے تھا۔ اسکے گرد معمولی چاردیواری تھی۔ چاند میاں شاہ صاحب موجودہ سجادہ نشین نے بڑی عمدہ عمارت بنوا کر اعلیٰ پیمانہ پر عرس کرنا شروع کیا تھا۔ گذشتہ سال کے سیلاب عظیم میں خانقاہ اور باورچیخانہ وغیرہ کی عمارت منہدم اور نذرِ آب ہوگئی۔ یہ پورا موضع اولادِ صاحبِ مزار

کو معافی کے طور پر ملا ہے۔ درگاہ کے چراغ بتی کے لئے بیس بیگہ زمین کی معافی الگ ہے۔ مزار لبِ دریا پُر فضا جگہ پر واقع ہے۔ ندی کا نام ہلکو ہے اور یہ دریائے سون کی ایک شاخ ہے۔ بستی سادات کی ہے۔ جو سب غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ معمولی اُردو فارسی کی تعلیم کے سوا انگریزی یا عربی کا یہاں کوئی چرچا نہیں۔ زیادہ تر کاشتکاری اور کچھ چھوٹے زمینداروں کی ملازمت پر بسر اوقات ہے۔ خانہ جنگی اور مقدمہ بازی جو دیار زدہ شریفوں کا عام شیوہ رہگیا ہے اسکا مذاق یہاں بھی ہے۔

بہار کی سرزمین میں مسلمانوں کی آمد کا آغاز ۵۹۹ھ ہجری میں ہوا تھا۔ سب سے پہلے یہاں "ملک بختیار خلجی" آیا۔ ملک محمد نعیم صاحب آنریری مجسٹریٹ و زمیندار موضع جہان آباد ضلع گیا۔ اپنی کتاب "ریاض النعیم فی احوال ملک سیدابراہیم" میں لفظ ملک پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ "ملک" ایک شاہی خطاب ہے اور یہ مسلمانوں کی ہر نسل و قوم و ملک کے معزز لوگوں کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ "ملک بختیار خلجی کے بعد۔ بگمانِ غالب۔ اس خطہ میں "سید ابراہیم" تشریف لائے اور انکو "ملک العلماء" کا خطاب ملا تھا۔ بہار میں ان کی اولاد بڑھی اور پھیلی پھولی۔ واللہ اعلم بالصواب [1]

**قصبۂ بہار شریف** کی سیر و زیارت کے لئے ۱۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو روانہ ہوا۔ شیخ غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ میرے ہمسفر تھے۔ دوپہر کو بختیار پور اسٹیشن پہ پہنچا۔ یہاں چھ گھنٹہ بہار لائٹ ریلوے ٹرین کا انتظار کرنا تھا۔ اسلئے قصبہ بختیار پور کا ایک چکر لگا لینے کی رائے ہوئی۔

---

[1] یہ عبارت بہ تصرف مرحوم مظہر علیم کے روزنامچہ سفر سے لی گئی ہے۔ یہاں اسکا کوئی محل اور موقع معلوم نہیں ہوتا۔ میری لاعلمی، غلطی کے جرم کو بخشوا دے تو عجب نہیں۔ مولف۔

قصبہ میں گیا۔ اور ۳ بجے شام تک وہاں سیر کرتا رہا۔

بختیار پور میں مسٹر قمر الدین صاحب سابق ممبر کونسل و مندوب مسلمانان بہار و بیرسٹر ایٹ لا۔ اب کنج نشینی اور محض انتظام زمینداری کی زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ ان سے نیاز حاصل کیا۔

یہاں سے ۵ بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ ۸ بجے شب کو بہار شریف پہنچا۔ شیخ احمد علی صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ آپ ایک خوش نصیب ضعیف العمر شریف ہیں۔ چار بچے ہیں اور سب تعلیم یافتہ اور لایق۔ ایک صاحبزادہ سب جج ہیں۔ دوسرے منصف ہیں۔ اور دو قانون کے امتحان کی تیاری کرتے ہیں۔ اللہم زد فزد۔ آپکو شعر و سخن کا عمدہ مذاق ہے۔ ایک قومی مثنوی آپکی اشاعت پا چکی ہے۔ اگلے وقتوں کے بزرگ اور نہایت کریم النفس ہیں۔ بیمار رہتے اور بوڑھے ہیں مگر میری آسایش کا اہتمام فرماتے ہیں جوانوں سے بڑھکر منہمک ہوئے۔ خود روشنی لیکر ہر چیز اور جگہ دکھائی۔ رات یہاں بآرام بسر کی صبح کو لوگوں سے ملنے گیا۔

سید احمد رضا صاحب مختار ساکن کراے پرسراے۔ عالی نسب سید ہیں۔ آپکے بھائی سید مہدی صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ قابل اور ہمدرد قوم آدمی ہیں۔ انجمن اردو کے ممبر ہوئے اور اسکی اعانت میں حصہ لیا۔

سید شاہ ظفر الحسن صاحب رئیس محلہ میرداد۔ آپ مخدوم سید سلطان احمد چرم پوش ہمدانی۔ شیخ برہنہ کی اولاد اور سجادہ نشین ہیں۔ مخدوم شیخ برہنہ سہروردیہ خاندان کے بزرگ ہیں۔ درگاہ کے متعلق کوئی معافی نہیں ہے۔ سجادہ صاحب زمیندار ہیں۔ زمینداری خاندان کی

مکسوبہ ہے۔ دو ہزار روپیہ ماہوار منافع کی جائداد ہے۔ وجاہت دنیاوی بہت ہے۔ آنریری مجسٹریٹ۔ میونسپل کمشنر۔ وائس چیرمین لوکل بورڈ اور سکریٹری بہار انگلش ہائی اسکول ہیں۔ مخدوم شیخ برہنہ کا سنہ وصال ۱۱۷۳ ہجری ہے۔ عرس ۲۶ صفر کو ہوتا ہے۔

مخدوم احمد سیستانی خلیفہ بابا فرید گنج شکر رح۔ آمد بہار ۶۲۵ھ کاغذی محلہ میں مزار ہے۔

۱۲۔ نومبر ۱۹۱۸ء۔ آج مرحومہ بی بی صغرا کی وقف اسٹیٹ کو دیکھا۔ بی بی صغرا مرحومہ مولوی عبدالعزیز مرحوم کی بی بی تھیں۔ مولوی عبدالعزیز کے دادا آغاز عہد سلطنت انگلشیہ میں ضلع مظفرپور میں سررشتہ دار کلکٹری تھے۔ فضل امام نام تھا۔ کل جائداد انھیں کی مکسوبہ تھی۔ اور نہایت وسیع جائداد تھی۔ مولوی عبدالعزیز کے صرف ایک لڑکی تھی اور اسکی شادی بھی کر چکے تھے۔ لیکن یہ لڑکی باپ کے سامنے ہی فوت ہو گئی۔ اور لاولد فوت ہوئی۔ اسکے کچھ زمانہ بعد مولوی عبدالعزیز بھی رحلت کر گئے۔ شوہر کے بعد بی بی صغرا تمام ریاست کی مالک ہوئیں جسکی آمدنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ہے تا لگذاری سرکار دیکر سوا لاکھ کے قریب خالص بچت ہوتی ہے۔ بی بی صغرا سچی مسلمان خاتون اور بیحد شریف، نیک دل اور با اصول بی بی تھیں۔ انہوں نے خلوص نیت اور صحیح ایمانی جوش سے جائداد کو کار ہائے خیر کے لئے وقف کر دیا۔ اور ۳ لاکھ روپیہ مالیت پر اسٹامپ لگا کر وقف نامہ باضابطہ رجسٹری کرا دیا۔ وقف کے مصارف حسب ذیل ہیں منجملہ ۱۶ مسلم جائداد کے۔

(۱) تعلیم دینی حفظ قرآن وقراءت کے مدرسین و طلبہ کے جملہ مصارف کے لئے۔ ۶ م

(۲) اجرائے سبیل زمزم۔ خدمت علماء حرمین، روشنی حرمین، سفر خرچ و امداد اہل عرب ۲ م

(۳) فاتحہ بزرگان و مرحوم عزیزان و اہل خاندان۔ ۶ پائی
(۴) رمضان شریف میں غریب مسلمانوں کو زر نقد و افطاری کی تقسیم۔ ۶ پائی
(۵) بہار کی مسجدوں اور بعض درگاہوں کی مرمت کے لیئے۔ ۶ پائی
(۶) مدارس و یتیم خانہ جات اسلامیہ کی امداد کے لیئے۔ ۶ پائی
(۷) اخراجات شفاخانۂ مردانہ و زنانہ کے لیئے۔ ۶ پائی

جملہ ۱۰/ ۶ پائی

باقی پانچ آنہ چھ پائی۔ خرچ تنخواہ ملازمین اسٹیٹ اور حق متولی و دیگر اخراجات متعلقہ ریاست کے لیئے۔ رکھکر وقف نامہ مکمل اور مسجل کرا دیا۔ تحریر وقف نامہ کے بعد نو برس تک خود زندہ رہیں اور بکمال خوبی سے ہر ایک مصرف کو پورا کیا۔ اپنے سامنے وقف کے دو نائب مقرر کیئے تھے۔ اول مولوی محمد موسیٰ صاحب رئیس پٹنہ۔ اور دوم اُن کے برادر خرد مسٹر محمد قاسم بیرسٹر۔ یہ دونوں بھائی کارپرداز ریاست اور معاملات پر پورے طور سے قابض تھے۔ بی بی صغرا مرحومہ کی رحلت کے بعد مولوی محمد موسیٰ نے ایک وصیت نامہ نکالا اور اسکے رو سے مُتولّی وقف ہوگئے۔ اس وصیت نامہ کے متعلق بعض شرفاء بہار نے مقدمہ دائر کرا دیا۔ اور متولی صاحب کو سخت مطعون کیا۔ مگر مولوی موسیٰ صاحب نے صلح کر کے مقدمہ اٹھوا دیا۔ وقف کو اس نزاع میں یہ نقصان اٹھانا پڑا۔ کہ اسکی آمدنی مصارف خیر و جائز کی جگہ مقدمہ بازی میں اڑی اور کچھ بدطینت اشخاص متولی کو دھمکی دیکر اس سے رقمیں حاصل کرتے رہے۔ اور کچھ ملازمین ریاست نے دست برد کی۔ مولوی موسیٰ مرحوم فوت ہوگئے۔ مسٹر محمد قاسم بیرسٹر سابق نائب دوم اب متولی ہوئے ہیں۔ اُنکے نائب مولوی محمد یوسف صاحب عرف نھو مختار ہیں۔ مولوی موسیٰ مرحوم نے وفات سے تین سال قبل چند مخلص اور نیک نیت

اصحاب کے کہنے سے دو کام اچھے کردئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وعمل انکے لئے تلافی مافات ہوسکیں۔ یعنی ایک انگلش مسلم ہائی اسکول کے لئے چار سو روپیہ ماہوار وقف سے مقرر کردیا۔ اور دوسرا ایک شفاخانہ انگریزی اور دیسی علاج کا کھول دیا۔ یہ دونوں کام بہار اور جوار کے لئے بہت فائدہ بخش ہیں۔ عربی مدرسہ "مدرسہ عزیزیہ اسلامیہ"، بی بی صغرا مرحومہ کے سامنے سے جاری ہے۔ اسمیں علوم عربیہ دینیہ، حساب، اردو۔ حفظ وقرارت قرآن، اور خوش نویسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ برائے نام انگریزی زبان بھی شامل ہے مگر شاید ہی کوئی پڑھتا ہو۔ مدرسہ میں اسوقت ۱۴ جماعتیں ہیں۔ ایک سو اڑتیس (۱۳۸) طلبہ ہیں۔ ۲۵ خاص بستی کے۔ اور (۱۱۳) بیرونی جو دارالاقامۃ میں رہتے اور کھانا کپڑا۔ کتابیں وغیرہ جملہ سامان مدرسہ سے ملتا ہے۔ عمارت مدرسہ نہایت خراب اور غیر مسلسل معمولی حجرے ہیں۔ انمیں کئی کئی طلبہ بند رہتے ہیں۔ صفائی اور حفظان صحت کا کوئی اہتمام نہیں۔ نہ تربیت کا خیال ہے۔ مدرس پندرہ (۱۵) ہیں۔ ایک ناظم مدرسہ۔ دو اتالیق۔ دو چپراسی۔ پانچ باورچی۔ ایک خادم۔ ایک مہتر۔ دو کہار ہیں۔ مدرسین کوئی قابل اور عالی خیال نہیں طلبہ طبق پرست۔ دس سال کے عرصہ میں صرف تین طلبہ یہاں سے دستار فضیلت باندھ کر نکلے ہیں۔

مدرسہ اور دارالاقامۃ کا مجموعی خرچ ایک ہزار ایکسو روپیہ آٹھ آنہ ماہوار ہے۔ تنخواہ مدرسین وناظم وملازمین وغیرہ صاحب؁ ماہوار۔ اور اخراجات طلبہ طعام ولباس وغیرہ مع جملہ ضروریات۔ للعماصہ روپیہ ماہوار۔

میری رائے میں اس وقف کی خرابی شرفاء ومعززین بہار کی عام غفلت اور عدم توجہی کا ثبوت ہے۔ انمیں دین پروری اور صداقت کا جوش ہوتا تو متولی مصارف وقف میں کوتاہی نہیں کرسکتا تھا۔ آج بھی اگر تمام حضرات بہار

اخلاص و مصلحت اندیشی کو مرعی رکھکر اسپر آمادہ ہوجائیں کہ اپنے یہاں کے ایک قیمتی کار خیر کے مصرف کو درست رکھیں گے۔ تو انشا اللہ اس وقف سے انکو بیش از بیش فوائد و منافع حاصل ہونگے اور انکی اسلامیت صحیحہ کا جلوہ دنیا پہ عیاں ہوجائیگا۔ ورنہ جس طرح دنیا کے ہر حصہ میں مسلمانوں کے کام تباہ و ابتر پڑے ہیں اور اوقاف کے مصارف زبون و بے محل ہو رہے ہیں ویسے ہی یہ وقف بھی نام کا رہیگا اور کام نہ آئیگا۔

چار بجے شام کو مدرسۂ ابتدائیہ قومیہ مومنیہ کو دیکھنے گیا۔ شیخ ظفر احمد صاحب بی۔اے۔بی۔ایل۔ سے وعدہ تھا۔ اور وقت دیکھ چکا تھا۔ یہ مدرسہ محلہ شیخانہ میں ہے۔ نور باف بھائیوں نے قایم کیا ہے۔ اردو و فارسی۔ عربی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ بنائے مدرسہ سنہ ۱۳۳۳ھ میں پڑی تھی۔ اب اچھا عنقریب اسمیں ہیں۔ حفظ قرآن کی بھی ایک شاخ ہے۔ اور ایک شعبہ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی ہے۔ ۸۳ لڑکے اور ۵ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ عمارت پختہ شاندار بن رہی ہے۔ ۹ کمرے تیار ہو چکے۔ بیچ کا ہال کمرہ اور سائبان بن رہا ہے۔ عام چندہ سے خرچ چلا جاتا ہے اور برادری کے تمام افراد پوری دلچسپی اور سرگرمی سے مدد دیتے اور کام کرتے ہیں۔ للعہ روپیہ ماہانہ کا خرچ ہے۔ بارک اللہ سکریٹری مدرسہ مولوی محمد حیات صاحب اور صدر انجمن مولوی علی حسن صاحب ہیں۔ آثار ترقی ہویدا ہیں۔

مخدوم سید شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ محلہ خانقاہ قصبۂ بہار میں ہے۔ اور مزار شریف آبادی سے باہر دکھن کی جانب۔ خانقاہ قدیم منہدم ہوگئی تھی۔ اسوقت از سرنو تعمیر ہو رہی ہے۔ موجودہ سجادہ نشین صاحب ۳۶ سالہ جوان نیک مزاج۔ سیمائے بزرگی رکھتے ہیں۔ یہ خاندان

بارہ پشت سے سجادگی پر قابض چلا آتا ہے۔ فرامین شاہی محفوظ ہیں۔ ہیں نے
بھی انکو دیکھا۔ خاندان سجادگی کے ایک رکن سید علیم الدین صاحب رح
اپنے وقت میں نہایت باصفا بزرگ اور صاحب دل تھے۔ انھوں نے
دربار دہلی سے اپنے حقوق تسلیم کراکے معافی کے کئی فرمان حاصل کئے۔ فرامین
شاہ عالم بادشاہ کے ہیں۔ سلطنت انگلشیہ بھی انکی معافی کو قائم و مصدق
رکھتی چلی آئی ہے۔ مخدوم شرف الدین رح مخدوم نجیب الدین فردوسی دہلوی رح
کے مرید و خلیفہ ہیں۔ میں نے درگاہ کی بھی زیارت کی۔ اندر کے دروازہ پر نقارخانہ
بنا ہے۔ اور مزار کے گرد احاطہ ہے۔ مزار کھلی جگہ میں بنا ہے۔ داہنے پہلو میں آپکی
والدہ بی بی رضیہ عرف بڑی بوا کی قبر ہے۔ حال میں مزار کو آہنی کٹھرہ سے گھیر
دیا گیا ہے۔ اور اسکے اندر بہت سی قبریں ہیں۔ بیرون حظیرہ ۱۵ قدم کے
فاصلہ پر مخدوم صاحب کے وضو کرنے کی سنگی چوکی ہے۔ قبر پر گنبد چرخ ہی
سایہ افگن رہتا ہے۔ صرف ایک شامیانہ سایہ کے لئے نصب رہتا ہے۔
اور زرکار سیاہ ساٹن کا قبرپوش اوڑھایا رہتا ہے۔ مزار کے حظیرہ سے پچھم
ہیں ۲۶ قدم پر مسجد بنی ہے۔ تقریباً دو سو سال کی تعمیر ہوگی۔ بانی کا پتہ نہیں۔
ہر چار جانب دالانوں کا سلسلہ بنا ہے۔ مہمانان عرس انمیں قیام
کرتے ہیں۔ حضرت زین بدر عربی رح کا مزار بھی حظیرہ کے اندر ہے۔ آپ
مخدوم شرف الدین رح کے خادم خاص و خلیفہ اور انکے ملفوظات اور
بعض حصص مکتوبات کے مؤلف و جامع بھی ہیں۔

درگاہ کی زیارت کرکے تبرکات کی زیارت کی۔ اور ایک پارہ قرآن
دکھایا گیا۔ کتابت اڑگئی تھی اور بوسیدہ اوراق کی سادہ کتاب تھی۔
بتایا گیا کہ حضرت سیدنا امام علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا مرور زمانہ

اور ہاتھوں کی رگڑ سے۔کتابت محو ہوگئی۔اسکے بعد مکمل مصحف خط کوفی میں لکھا ہوا دیکھا۔یہ امام حسن عسکری رضؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتایا گیا۔کتابت نہایت نفیس ہے۔ہندوستان میں یہ مصحف لاثانی ہوگا۔مخدوم الملک رحؒ کی تلاوت کا مصحف۔آپکی ٹوپی۔کرتہ۔عبا۔جانماز۔تسبیح۔اور ایک قینچی دکھائی گئی جس سے بیعت کے وقت مرید کے موئے پیشانی تراش لئے جاتے تھے۔عرس ۵ شوال کو ہوتا ہے۔تاریخ وصال ۷۸۲ھ ہے۔تاریخ ولادت "شرف آگین" ۶۶۱ھ اور تاریخ وصال "پر شرف" ۷۸۲ھ ہجری ہے۔

درگاہ کے اولین دروازہ پر ایک کتبہ لگا ہے۔تحریر۔آیۃ الکرسی۔"نصر من اللہ و فتح قریب" اور چند اشعار پر مشتمل ہے۔تاریخی قطعہ یا تاریخ نصب سنگ کتبہ کچھ نہیں معلوم ہوتی۔درگاہ کے آخری دروازہ کے مابین جو صحن ہے اسمیں یہ کتبہ لگا ہے۔اور پتا دیتا ہے کہ بعہد شاہ جہاں حبیب سوری چکلہ دار بہار نے یہ عمارت بنائی تھی۔کتبہ میں یہ قطعہ منقوش ہے۔

قطعہ

| | |
|---|---|
| بہ دور شاہ جہاں بادشاہ عدل گزیں | حبیب سور بنا کرد حوض شرف الدین |
| و عیدگاہ معلّٰی و فرش خشتی آن | بہ بست و ساخت بعون خدائے آئین آن |
| ہزار و پنج و شش سال ہجرت سرور | چو شد تمام بجاہ صفر بخیر و ظفر |

عیدگاہ کے بعد نقار خانہ کا دروازہ ہے اور اس دروازہ کے قریب آزاد فقیروں کے ٹھہرنے کی جگہ جسکی قدیم عمارت امسال سیلاب میں منہدم ہوگئی تھی۔اب از سر نو بنی ہے۔

سید عبد المجید صاحب انسپکٹر آبکاری و زمیندار بہار کے پاس ۱۶۔مئی ۱۸۵۷ء کا چھپا ہوا ایک آردو اشتہار منجانب گورنر جنرل بہادر

کلکتہ۔ اور ایک خاص خط وائسرائے کا دیکھا۔ یہ خط مع اشتہار مذکور سید عبدالمجید کے دادا سید شاہ داؤد زمیندار بہار کے نام آیا تھا۔ بہار میں یہ دوسری اردو زبان کی قدیم اور محفوظ تحریر میری نظر سے گذری۔

محلہ محل پیر۔ اس محلہ میں سادات جعفری رہتے ہیں۔ کئی خاندانوں سے ملنے گیا۔ حالات نسب سے بے خبر پایا۔ حالت معمولی ہے۔ صغرا وقف اسٹیٹ انگلش ہائی اسکول بہار۔ ۲۔ جولائی ۱۹۱۷ء کو افتتاح ہوا۔ مولوی شمس الدین حیدر صاحب سابق سب ڈویژنل افسر بہار کی پرزور تحریک اسکی وجہ قیام ہوئی۔ بہار کی بستی سے باہر ایک دوصد سالہ عمارت "شیخ آباد" میں واقع ہے۔ یہ عمارت للعہ ماہوار کرایہ پر ہے۔ اسکول کی خاص عمارت نہیں اور نہ بننے کی امید۔ ۲۵۲ طلبہ ہیں۔ ان میں سے ۸۷ مسلمان ہیں اور باقی ہندو۔ چودہ مدرسین میں سے بارہ مسلمان ہیں اور دو ہندو۔ ایک کلرک۔ ایک ایک فراش دربان۔ چپراسی۔ اور پانی لانے والا۔ چھ سو روپیہ اسٹاف کی اور للعہ روپیہ دیگر ملازمین کی ماہوار تنخواہ ہے۔ اسٹاف میں چار گراجویٹ ہیں۔ وقف اسٹیٹ سے تین سو روپیہ ماہانہ اور فیس سے پانسو دس روپئے ماہوار آمدنی ہوتی ہے۔ جملہ آمدنی ۸۱۰ اور خرچ ساللعہ روپیہ ماہوار ہے۔ ایکسو چھتر روپیہ ماہوار کی بچت سے مدرسہ کا دیگر سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ انتظام ایک کمیٹی کے ہاتھ میں ہے۔ اسمیں دس ممبر ہیں۔ سکریٹری اسکے مسٹر محمد محسن صاحب زمیندار ہیں۔

قصبۂ بہار سے متصل ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ یہ "پیر پہاڑی" کہلاتی ہے۔ اسپر شہیدوں کے مزار ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ملک بختیار خلجی کا مزار بھی اسی پر ہے۔ مگر اسکی کوئی تاریخی سند نہیں ہے۔ پہاڑی کے اوپر جاکر دیکھا۔ بالائی

چوٹی پر گنج شہیداں ہے۔ اینٹوں کی چار دیواری اور متعدد گنبد بنے ہیں مگر سب شکستہ ہو گئے ہیں۔ ایک مقبرہ بڑی بڑی سرخ اینٹوں کا بہت خوبصورت بنا ہے۔ اسپر ایک ہی گنبد ہے۔ یہ مقبرہ ملک سید ابراہیم عرف غازی ملک کا ہے۔ اور اسمیں انہیں کے اہل خاندان مدفون ہیں۔ گیارہ قبریں اسکے اندر ہیں۔ دروازہ پر لوح سنگ لگی ہے اور اسپر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

## قطعہ

| | |
|---|---|
| این مقطع بہار ملک سیف دولت است | کز سہم تیغ او سپر افگند آفتاب |
| بت را ہمی شکست بہ ہمنام خویش تا | در عالم بقاش شود بت شکن خطاب |
| صفدار وصف شکن چو صف آراستہ بحرب | رستم بہ تب فتاد و بہمن بہ سوز تاب |
| خورشید گرچہ لشکر سیارہ را شکست | آخر زکوہ ساخت سراپردۂ حجاب |
| تاریخ آفتاب کہ یکشنبہ از جہاں | چوں لعل رفت در دل سنگ از برائے خواب |
| بود از مہ معظم ذی الحجہ سیزدہ ۱۳ | در سال بعد ہفصد و پنجاہ سہ حساب |

اس پہاڑی کی چوٹی سے گرد و پیش نظر ڈالی جائے تو عجیب دلفریب منظر دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف قصبہ کی آبادی کا نظارہ تو دوسری آتہ کی سمت میں بہتی ہوئی ندی کا سیں ندی کے کنارے پر دور تک لہلہاتی ہوئی کھیتی جذب نظر کا سبب ہے۔ واقعی ایک دلچسپ جگہ ہے۔ قصبہ بہار کی آبادی کا ہر ایک محلہ ایک دوسرے سے الگ ہے۔ بیچ میں باغات اور کھیت واقع ہیں۔ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جاتا ہو تو سواری کی ضرورت پڑتی ہے۔ قصبہ میں انگریزی تعلیم کا اچھا چرچا ہے۔ مگر یہ دیکھکر افسوس ہوا کہ باوجود زیور تعلیم سے آراستہ اور جدید روشنی سے منور ہونے کے قومی درد اور احساس بہت کم۔ گویا نہیں ہے۔ حصول تعلیم کا مدعا ملازمت اور عیش و عشرت سمجھا جاتا ہے۔ خدا رحم فرمائے

اور توفیق خیر بخشے۔

خان بہادر نواب سید نصیرالدین احمد خان صاحب۔ رئیس۔ ساکن محلہ میرداد۔ بہار۔ ضلع پٹنہ۔ ۱۸۹۵ء میں خان بہادر اور ۱۹۱۳ء میں نواب ہوئے

مدرسہ اسلامیہ حسین بی بی صغرا بی بی کی ساس نے اس مدرسہ کے لئے دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد ۱۳۲۶ھ میں وقف کی ہے۔ اور دیگر مسلمانان بہار بھی اسمیں اعانت فرماتے ہیں۔ مدرسہ سنہ ۱۳۱۰ھ میں مولنا وحید الحق صاحب نے قائم کیا تھا۔ اسوقت کل ۱۰۷ طلبہ ہیں۔ انمیں سے ۱۵۔ دارالاقامہ میں رہتے ہیں۔ تعلیم درس نظامیہ کی ہے۔ اور اسکے ساتھ حساب اور ہندی۔ اسکا انتظام اور یہاں کی تعلیم مدرسہ عزیزیہ سے بہتر ہے۔ مدرسین سات اور دیگر ملازمین چھ ہیں۔ تنخواہ مدرسین مالعہ اور دیگر ملازمین عہ روپیہ ماہوار۔ اور طلبہ کا خرچ پچیس روپیہ ماہوار۔ جملہ مالللعہ ماہوار کا خرچ ہے۔ حفظ قرآن کا درجہ بھی ہے۔ اور بہت کامیاب۔ اس مدرسہ پر جو جائداد وقف ہے اسکے منتظم بھی صغرا اسٹیٹ وقف کے متولی صاحب ہیں۔

شفاخانہ وقف صغرا بی بی مرحومہ۔ قایم شدہ ۱۳۲۴ھ۔ اسمیں ایک طبیب ایک ڈاکٹر۔ ایک ڈریسر۔ دو عطار۔ ایک کہار۔ ملازم ہیں۔ ساٹھ روپیہ ماہوار دوا کی قیمت کے لئے ملتے ہیں۔ اور لعہ روپئے متفرق اخراجات کو جملہ خرچ ماعہ ماہوار ہے۔ روزانہ ۱۳۰ مریض کا اوسط ہے۔ سال میں چالیس ہزار مخلوق خدا کو اس سے فیض پہنچ جاتا ہے۔ وقف کا یہ کام قابل قدر ہے۔ میں بہار ہی میں تھا کہ ۱۷۔ نومبر کو مولنا سید سلیمان ندوی کے وہاں آنے کی خبر سنی۔ محلہ بھینسا پور میں ان سے ملنے گیا۔ مولنا اپنے وطن قصبۂ دیسنہ جانے کے لئے تیار تھے۔ مجھ سے دوسرے دن دیسنہ آنیکا وعدہ لیا اور روانہ ہوگئے

۱۸- نومبر- صبح کو بہار سے دِسنہ روانہ ہوا- راستہ میں قصبہ استھاواں پڑتا تھا- اپنے کرم فرما سید عبدالغنی وارثی مرحوم کی یاد نے بے چین کر دیا- آپکے مزار پر فاتحہ خوانی اور دو اشک محبت کی نذر چڑھانا ضروری تھا- مولوی صاحب مرحوم ریاست حیدر آباد دکن میں مددگار صدر محاسب تھے- ایک سال ہوا پنشن لیکر وطن آئے تھے- چھ ماہ ہوئے رہگرائے عالم بقا ہوئے- خدا مغفرت کرے عجیب زندہ دل اور با اخلاق بزرگ تھے- ذی علم- صاحب قلم- حیدر آباد میں انکی ہمنشینی کا لطف حاصل رہتا تھا- امام شعرانی کی کتاب کا ترجمہ اُردو میں فرمایا- "دولت عظمیٰ" نام ہے- تین حصوں میں شائع ہوا- "فتح اندلس" عربی کا بھی اُردو میں ترجمہ کیا جو مطبع "دالناظر" لکھنؤ میں چھپ رہی ہے- مولوی محمد یوسف مختار نائب اول متولی صغرا وقف اسٹیٹ بہار- کا مکان اسی قصبہ میں ہے- کچھ دیر وہاں ٹھہر کر فاتحہ پڑھا اور چار بجے شام کو دِسنہ پہنچ گیا- استھاواں اور دِسنہ دونوں بستیوں میں سادات کرام اور دیگر شرفاء کی آبادی ہے- دِسنہ میں سید صدرالدین صاحب کی اولاد کا سلسلہ نسب سادات بارہا کے ساتھ ملتا ہے- اور سید حسن خنگ سوار اجمیری کی اولاد بھی ہے- دِسنہ نہایت مردم خیز بستی ہے- مولوی سید سلیمان ندوی دِسنوی خلیفہ شمس العلماء شبلی نعمانی- اسی خاک کے ہونہار فرزند ہیں- آنہیں کا مہمان ہوں بفضل خدا اس چھوٹی سی بستی میں علم کی بہتات ہے- آٹھ دس گریجویٹ- پندرہ بیس علماء- پندرہ بیس حکیم و طبیب- دو تین ڈاکٹر- اس وقت موجود ہیں- جو صوبہ بہار کے مختلف اضلاع میں تصنیف رسائل علمیہ بہتر فرما رہے ہیں- ۱۸۹۹ء میں ایک "انجمن الاصلاح" کے نام سے قائم ہوئی- اسکی دو شاخیں ہیں- اغراض و مقاصد- اصلاح رسوم- اشاعت تعلیم- اور کتبخانہ کے ذریعہ

علمی مذاق کی افزائش ہے۔ کتب خانہ میں اردو کتابوں کا نادر ذخیرہ موجود ہے (۵۰۔۳۰) کتابیں اردو زبان کی ہیں۔ تمام اردو رسائل و اخبارات جو ہندوستان میں جاری ہوئے سب کے محفوظ فائل موجود ہیں۔ اِلَّا ماشاءاللہ

انجمن کی ایک شاخ کتب خانہ ہے۔ چالیس کے قریب ممبر دو روپیہ سالانہ فیس عطا کرتے ہیں۔ سالانہ تین سو کتابوں کی اوسط سے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری شاخ ایک ابتدائی مدرسہ ہے۔ اردو۔ ہندی۔ انگریزی۔ فارسی حساب۔ اور قرآن کریم کی تعلیم سات سال میں اتنی دیدی جاتی ہے کہ یہاں کا فارغ شدہ طالبعلم گورنمنٹ اسکولوں کے چوتھے درجہ میں لیلیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں چار استاد ہیں۔ انکی مجموعی تنخواہ صرف ماہوار ہے۔ جملہ للعہ ماہوار خرچ میں اسقدر بہتر کام ہو رہا ہے کہ باید و شاید۔ آمدنی فیس تین روپیہ ماہوار اور گورنمنٹ کی امداد ماہوار ہے۔ باقی خرچ انجمن اصلاح ادا کرتی ہے۔ انجمن میں پانسو روپئے سرمایۂ محفوظہ کے طور پر موجود رہتے ہیں۔ سوسایٹی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ مسجد مختصر لیکن خوبصورت اور بہت بلند جگہ پر واقع ہے۔ سامنے ندی کی روانی لطف دکھاتی ہے۔ گانوں کا منظر بھی دلکش ہے

مولوی سید سلیمان صاحب کے خاندان میں فن طب تیرہ پشت سے چلا آتا ہے۔ آپکے والد ماجد قصبۂ اسلام پور میں مطب فرماتے ہیں اور برادر کلاں دِسنہ خاص میں فیض رساں ہیں۔ آپ کے دادا صاحب کی تصنیف کا ایک قلمی نسخہ میں نے دیکھا۔ اسمیں اولیاءاللہ ہندوستان کے نام اور پتے درج ہیں۔ میں نے اسکی نقل سید صاحب سے مانگی ہے اور کئی تصانیف فن طب میں ہیں۔ مگر سب قلمی۔ ۲۰۔ نومبر کو دِسنہ سے واپسی ہوئی۔

۲۲۔ نومبر ڈاک کے خطوط سے محبّی سہراب علی خاں صاحب کے پدر بزرگوار

خان زماں خاں صاحب مرحوم کی خبر رحلت معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑی خوبی کے بزرگ اور عالی حوصلہ رئیس تھے۔ ۱۶۔ نومبر کو رحلت کی۔ خدائے پاک مغفرت فرمائے۔ دوست کی تعزیت تو کردی۔ لیکن تعلقات کی وجہ سے خود اسکا محتاج ہوں۔

ڈاک دیکھکر دل پر جو صدمہ ہوا تھا اسکو دور کرنے اور اپنے حواس بجا کرسکنے کے لئے راجگیر کی سیر کو چلا گیا۔ گیارہ بجے قبل دوپہر راجگیر پہنچا۔ یہ سلسلہ کوہستان بندھیاچل کا ایک پہاڑ ہے۔ سرسبز اور دلکش مقام ہے۔ متبرک بھی ہے۔ اور گرم چشموں کی وجہ سے صحت افزا جگہ۔ اکثر مریض ان چشموں میں غسل کرنے آتے ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں اسکو بابرکت جگہ مانتے ہیں۔ ہندو بہت زیادہ۔ اور مسلمان حضرت مخدوم الملک رح کے چلّہ کی وجہ سے۔ یہ چلّہ دامن کوہ میں ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں مسافرخانہ بنا ہے۔ کچھ زیادہ آرام دہ نہیں مگر کام چل جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۶ع میں دروازہ کی نئی تعمیر شمس الدین حیدر صاحب نے کی ہے۔ اسوقت میاں صفدر صاحب کلال۔ ایک مختصر مگر دومنزلہ مسافرخانہ بنوا رہے ہیں۔ حجرۂ مخدوم الملک رح اصل میں پہاڑ کی ایک کھوہ ہے۔ جسمیں دیواریں بناکر اور دروازہ لگاکر حجرہ بنا لیا ہے۔ اسکے دروازہ پر "محمد الرسول اللہ" منقوش ہے اور اسکے نیچے "سید شاہ محمد علی فتحپوری سنہ ۱۱۵۲ھ" لکھا ہے۔

راجگیر پہاڑی کے دامن میں ۲۶-۲۷- گرم پانی کے چشمے بہتے ہیں۔ انمیں سے ۲۳- ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں۔ مشہور چشموں کے نام۔ برہمن کنڈ۔ ست دہروا کنڈ۔ بیاس کنڈ۔ ماری کنڈ۔ گنگا جمنا کنڈ۔ کندھی کنڈ ہیں۔ ان کنڈوں کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ اسپر کوئی کتبہ نہیں۔ اور ہندوؤں کے

بہت سے مندر ہیں۔ اس جگہ سے تھوڑے فاصلہ پر۔ سورج کنڈ۔ چندرمان کنڈ گؤمکھی کنڈ۔ وغیرہ ہیں۔ برہمن کنڈ کے علاوہ اور سب کنڈوں میں مسلمانوں کو غسل کرنے کی پروانگی ہے۔ ہر تیسرے سال ماہ نومبر میں بہت بڑا میلہ اور جاترا ہوتا ہے۔ ہندو جاتری بکثرت تمام آتے ہیں۔ پہاڑ پر چار پانچ مسلمانوں کے مقبرے بنے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کب بنے اور کس کے مدفن ہیں۔ مندروں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ انکے متعلق بھی پتا نہیں چلتا کہ ہندوؤں کی کس قوم اور گوت نے بنوائے۔ تمام گرم چشموں میں نالیوں کے ذریعہ سے پانی آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے باقاعدہ نالیاں بنوائی ہیں۔۔ وہ مسافرخانے جینی قوم کے ہیں۔ انہیں کسی مسلمان کا گذر نہیں ہو سکتا۔ ہندو ان چشموں میں غسل کرنے کو پاکی کا وسیلہ مانتے ہیں۔ حضرت مخدوم کے چلّہ میں بھی ایک گرم پانی کا چشمہ بنا ہے۔ اکثر بیمار اسمیں غسل کرکے تندرستی پاتے ہیں۔ سست دھروا میں ایک بڑی نالی مریضان گٹھیا کے لئے مخصوص ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں اس پانی کا تعلق گندھک کے مادہ سے ہے۔ ماہ نومبر سے ماہ فروری تک اس جگہ کا موسم بہت اچھا رہتا ہے اور بکثرت آمد و رفت مردم کی وجہ سے بہت رونق رہتی ہے۔ میں دو دن وہاں رہکر بہار میں واپس آیا اور شب باشی کے بعد ۲۵۔ نومبر کو پٹنہ میں آگیا۔ دسمبر تک یہاں رہکر کام کرنا منظور ہے۔

**پٹنہ**۔ کام آغاز کردیا ہے۔ مگر ابھی چلتا نہیں۔ لوگوں سے ملتا رہتا ہوں۔ مسٹر مظہر الحق صاحب بیرسٹر سے ملا۔ آپ شیخ فاروقی ہیں۔ حالات نسب پوری طرح معلوم نہیں۔ اصلی سکونت مظفرپور کی ہے۔ آپ کے دادا صاحب ضلع پٹنہ میں شادی کرکے یہیں رہ پڑے۔ آپکے والد کی شادی فرید پور ضلع چھپرہ میں ہوئی۔ انہوں نے وہیں قیام کیا۔ مکان بنوالیا۔ باغ لگایا۔ اب

زیادہ تعلقات فرید پور میں ہیں۔ آپ نے ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری پاس کی۔
پٹنہ میں تین سال ناکام پریکٹس کے بعد سیتاپور اودھ میں منصف ہو گئے۔
چار سال بعد نوکری چھوڑ دی اور چھپرہ میں بیرسٹری کرنے لگے۔ ۱۹۱۳ء مسجد کانپور
کے واقعۂ ہائلہ کے مابین مسلمانوں کا ساتھ دیکر نام پیدا کیا۔ ۱۹۱۵ء میں اجلاس
مسلم لیگ بمبئی کے صدر ہوئے۔ کانگریس کے ممبر تھے۔ ۱۹۱۲ء میں اس کی
استقبالی کمیٹی پٹنہ کے صدر ہوئے تھے۔ ۱۹۱۰ء سے سنہ رواں تک آنریبل
ممبر کونسل وایسرائے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ ۱۹۱۷ء پٹنہ
یونیورسٹی کی سنیٹ اور سنڈیکیٹ کے ممبر ہوئے۔ ولادت ۱۸۶۶ء کی ہے۔
اب ۵۲ سال کے ہیں۔ ایک سال ہوا جسٹس بدرالدین طیب جی بمبئی کی
بیٹی سے تیسری شادی کی ہے۔ سابق بی بی سے دو لڑکے حسن اور حسین ہیں۔
انگریزی طرز معاشرت کے پابند۔ مگر دل میں قوم اور اسلام کا درد ہے۔

۲۷۔ مسٹر محمد یونس صاحب بیرسٹر۔ ساکن موضع پنتھرا ضلع پٹنہ۔
جنوری ۱۹۰۶ء میں سند بیرسٹری لی۔ آپ بہار ینگ مین ایسوسی ایشن کے
سرگرم ممبر ہیں۔ اور چار سال متواتر اسکے سکرٹری رہے ہیں۔ ایسوسی ایشن کی
خاص عمارت آپ ہی نے بنوائی۔ پٹنہ میں معقول پریکٹس کرتے ہیں۔

مسٹر سید سلطان احمد صاحب بیرسٹر۔ ساکن موضع پالی۔ خان بہادر
قاضی خیرات احمد صاحب کے فرزند ہیں۔ نوجوان عالی منش۔ اور درد مند دل
رکھتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں بیرسٹر ہوئے۔ ۱۹۰۸ء بنگال مسلم پراونشل لیگ کے
سکرٹری ہو کر ۱۹۱۳ء تک اس عہدہ پر رہے۔ تین سال تک مسلم یونیورسٹی
ایسوسی ایشن کے ممبر رہے۔ وقت قیام سے بہار پٹنہ یونیورسٹی کے فیلو ہیں۔
۱۹۱۱ء میں ڈپٹی لیگل ریممبرنسر بنگال اور ۱۹۱۳ء میں ڈپٹی لیگل ریممبرنسر

بہار ہوئے۔ ۱۹۱۶ء اسسٹنٹ گورنمنٹ ایڈوکیٹ اور ۱۹۱۷ء سے گورنمنٹ ایڈوکیٹ پٹنہ ہیں۔ موضع پاپی ضلع گیا وطن ہے۔ ابھی بالکل نوعمر ہیں۔ آپکے تقرر کے وقت "پائنیر" نے لکھا تھا کہ اس عمر اور اس اسٹینڈنگ کا کوئی گورنمنٹ ایڈوکیٹ نہ ابتک ہوا اور نہ ہے۔

مسٹر سید حسن امام صاحب۔ شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب کے دوسرے بیٹے۔ خاندان رئیسان نیورہ کے رکن رکین۔ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹر ہوئے اور پٹنہ میں کام شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس آغاز کی۔ اور جنوری ۱۹۱۲ء میں اسی ہائی کورٹ کے جج ہوگئے۔ چار سال چند ماہ ججی کر کے ۱۹۱۶ء میں خود ہی استعفا دیدیا۔ ترک منصب رفیع کی یہ پہلی مثال ہے۔ اسکے بعد پھر پٹنہ ہائی کورٹ میں بیرسٹری کرنے لگے۔ کانگریس کے مستقل حامی اور ممبر ہیں۔ اگست ۱۹۱۸ء میں بمقام بمبئی لارڈ مانٹیگو لارڈ منٹو اور لارڈ مارلے کی ریفارم اسکیم کے مسودہ پر غور کرنے کے لئے جو کانگریس کمیٹی کی خاص میٹنگ ہوئی اس کے آپ ہی پریزیڈنٹ تھے۔ آپ کے صدارتی ایڈریس پر اخبارات نے صدائے مرحبا بلند کی۔ "سرچ لائٹ" پٹنہ۔ ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اخبار آپ ہی کی کوشش سے شائع ہوا۔ ۱۹۱۱ء سے علی گڈھ کالج کے ٹرسٹی ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں اور خود اسکے نمونہ ہیں۔ پٹنہ میں سب سے بہتر پریکٹس آپکی ہے۔ عمر ۴۷ سال ہے۔ خاص قومی معاملات میں پوری دلچسپی تو نہیں لیتے مگر شرکت میں کلام نہیں۔

۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۸ء شمس العلما و عافظ محب الحق صاحب اور مولوی سید سفیرالدین صاحب کو ساتھ لے کر شہر پٹنہ میں آیا۔ سید محمد ابراہیم حسین صاحب رئیس ٹیڑہی گھاٹ کے یہاں قیام ہوا۔ لب دریائے گنگ نہایت

دلکشا مقام پر مکان بنوایا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید محمدؐ و سید احمد عرب سے موضع شیخپورہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ سید محمدؐ صاحب کا پیوند مخدوم سید بدر الدین عالم زاہدی کی دختر سے ہوا۔ ان سے جو خاندان چلا وہ شرف پیرزادگی کا حامل ہے۔ موجودہ خاندانی ریاست ان کے پردادا صاحب نے اپنے ننہال سے پائی ہے۔ جو پیر فضل اللہ عرف پیر گوسائیں کا خاندان تھا۔ پیر گوسائیں رح کا مزار محلہ بارہ دری قصبہ بہار میں ہے۔ آن کے پوتے سید تقی درویش۔ فرخ سیر بادشاہ دہلی کے پیر تھے۔ پہلے آپ موضع بی بی پور میں رہتے تھے۔ اب مقیم پٹنہ ہیں۔ آپ دو بھائی ہیں۔ ایک بھائی سید یوسف حسین صاحب نے ولایت میں تحصیل علم کی ہے۔ آپ کے بہنوئی سید عبد المجید صاحب بھی بہت خوبی کے آدمی ہیں۔

۱۱۔ دسمبر۔ شہر پٹنہ کی شاہی اور قدیم وجدید عمارتوں کی سیر کی۔ پہلے بیگو حجام کی مسجد دیکھی شکستہ حالت میں ہے۔ اور معمولی آباد، اگرچہ عین بازار میں ہے۔ مرمت طلب بہت ہے۔ فرش پر چینی کا کام تھا۔ اب نابود ہوگیا ہے چھوٹی سی لداؤ اور گنبد کی عمارت ہے سلطان علاؤ الدین کے عہد میں بنی۔ کتبہ میں اوپر "در عہد المظفر سلطان حسین ور ستہ وعشرون وتسعمائۃ" عربی میں لکھا ہے اور اس کے نیچے فارسی کا یہ قطعہ تاریخ ہے۔

## قطعہ

| | | |
|---|---|---|
| ساختہ بیگ محمد نیک رائے | | معبدے در شہر پٹنہ خوش نمائے |
| گفت معمار خرد تاریخ آن | | مسجد زیبا ورو شن شد بنائے |

(۲) فخر الملک کی مسجد۔ اندر سے دیکھ نہیں سکا۔ موذن مقفل کر کے چلا گیا تھا۔ یہ بھی شکستہ حال اور مرمت طلب ہے۔ لداؤ و برج کی عمارت ہے

قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

## قطعہ تاریخ

بحکم صاحبہ فرخندہ آباد — بنائے مسجدِ پاکیزہ بنیاد
بسعی و کوششِ حاجی سعادت — مرتب گشت احیش بلنیبر یاد
تمام از دولتِ فیروز جنگ است — کہ او را داد این دولت خداداد
رسیدہ از حضورِ اقدسِ او — برائے سالِ تعمیرش چو ارشاد
نمودہ سجدۂ شکرانہ ساکن — بہ بخشازیں حیات خانہ آباد ۱؎

سنہ ۱۱۲۰ھ

(۳) عنبر کی مسجد۔ لداؤ کی پختہ اور عمدہ وسیع عمارت ہے اور خوب آباد ہے۔ جماعت نماز جمعہ بھی اسمیں ہوتی ہے۔ بیچ کے گنبد میں رنگ آمیزی کے پھول بنے ہیں۔ نیچے کے کنارہ کے نزدیک سپیدی کی وجہ سے کچھ نقش مٹ گیا ہے۔ صحن میں ایک کنارہ پر وسیع حوض وضو کرنے کو بنا ہے۔ مسجد کے دو درجے ہیں۔ برآمدہ کے در خوب وسیع بلند۔ اور خوشنما ہیں۔ موذن اور امام کے مکانات بھی بنے ہیں۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

## قطعہ تاریخ

در زمانِ بادشاہِ دیں پناہ — شاہ عالمگیر غازی ذوالکرم
خواجہ عنبر ناظرِ شایستہ خاں — مسجدے نو ساخت در بیت الحرم
مظہر الحق سال تاریخِ بناش — معدنِ فیضِ الٰہی۔ زد رقم

سنہ ۱۰۸۰ھ

(۴) مدرسہ کی مسجد۔ نہایت عالی شان۔ ۵ گنبد والی لداؤ کی مستحکم

۱؎ قطعہ میں نقل کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مادہ تاریخ کا پورا شعر ہے یا کوئی خاص جملہ۔ یہ باتیں میرے علم سے باہر ہیں۔ جوں کا توں لکھدیا ہے۔ مولف۔

عمارت ہے۔ اسکا منظر بیحد دلکش ہے۔ شمال میں بالکل دریاے گنگ کے لب پر پختہ شاہی گھاٹ کے پہلو میں واقع ہے۔ صحن اور موقع مسجد بہت کشادہ ہے گھاٹ کا بہت سا حصہ اب ٹوٹ شکست اور منہدم ہوگیا ہے تاہم باقیماندہ حصہ عمدہ اور درس عبرت دینے کے لئے کافی ہے۔ مسجد شیشہ و آلات سے آراستہ ہے۔ چھ سات ماہ سے ابتدائی مدرسہ بھی اسمیں کھول دیا گیا ہے خود امام صاحب توجہ اور شوق سے تعلیم دیتے ہیں۔ اس مسجد کی بنا شاہ جہانگیر کے عہد میں اور تکمیل عہد شاہجہاں صاحبقراں میں ہوئی۔ سیف خاں اسکا بانی ہے۔ کتبہ تاریخ محمد علی کشمیری خوشنویس نے اندر کے حصہ میں رنگ دار منقش حرفوں میں لکھا تھا۔ مگر نادان سپیدی کرنے والوں نے ایک قیمتی یادگار کو مٹا دیا۔ صرف ایک جگہ "سیف خاں" اور دوسری جگہ مصرع تاریخ بگفتا کہ۔ مجموعۂ خیر دنیا" باقی رہگیا ہے۔ اس مسجد کے جنوبی پہلو میں مدرسہ کی شاندار عمارت تھی۔ ۱۲۳۹ھ سنہ میں کو ہیبت جنگ صوبہ دار نے اپنے مکان سکونت میں شامل کرلیا۔ مگر اب نہ وہ مکان ہے اور نہ اسکے مکین۔ صرف عمارت مدرسہ کے چند در کھڑے ہیں۔ سید سلیمان بیرسٹر حال جج ریاست گوالیار۔ جو سراج الدولہ کی نواسی کے خاندان میں ہیں۔ اس مسجد کی مرمت کرا دیتے ہیں۔ اور اسکے متعہد ہیں۔

ان مسجدوں کے علاوہ۔ حاجی تاتار کی مسجد غیر آباد۔ بلا کتبہ ہے۔ اور شیر شاہ کی مسجد واقع محلہ دھولپورہ۔ نئے طرز کی عمارت تھی لیکن اس خراب حالت میں ہے کہ معاذ اللہ۔ اندر تمام کوڑا کرکٹ بھرا ہے۔ عمارت بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کتبہ کا پتا نہیں۔

خان بہادر نواب سرفراز حسین صاحب عباسی۔ آپکے بزرگ آغاز

عہد سلطنت انگلشیہ میں معقول جائداد پیدا کر گئے۔ لارڈ کلایو کے زمانہ سے آپکا خاندان پٹنہ میں رہتا ہے۔ کسی مورث اعلیٰ کو گورنمنٹ سے نواب کا خطاب ملا تھا وہ نسل در نسل ابتک چلا آتا ہے۔ آنریری مجسٹریٹ۔ پریزیڈنٹ بنچ۔ اور میونسپل کمشنر ہیں۔ چھ سال تک دو مرتبہ کرکے بنگال کونسل میں مسلمانوں کے نمایندہ رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے پریزیڈنٹ ہوئے۔ کانگریس کے حامی ہیں اور محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ کے پریزیڈنٹ ہیں۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن ہیں۔ خان بہادر ہیں۔ ۵۸ سال کی عمر ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ ہیں مگر تعصّب سے خالی۔ خوبیوں کے آدمی ہیں۔

سید محمدؐ محبوب اشرف صاحب۔ محلہ گنگھیا ٹولہ پٹنہ میں رہتے ہیں۔ آپ کے دادا نے یہاں قیام اختیار کیا تھا۔ حضرت سید نور العینؒ خواہر زادہ مخدوم اشرف جہانگیر کچھوچھویؒ سے آنیسویں پشت میں ہیں۔ معقول زمینداری رکھتے ہیں۔

خان بہادر سید ضمیر الدین صاحب۔ بی۔ اے۔ محلہ میرداد بہار کے رہنے والے ہیں۔ سید سالار سمنانی کی اولاد ہیں۔ جو کہ بابر بادشاہ کے زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے اور کشمیر میں قیام کیا۔ بعد میں آن کا خاندان دہلی۔ اور پھر بانکرمؤ میں منتقل ہوتا رہا۔ سید محمدؐ سہروردیؒ بہار میں قاضی اور خطیب مقرر ہوکر آئے اور جب تک عہد انگلشیہ میں مسلمانوں کو ان قدیم عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ بہار کی قضارت اور خطابت انہیں کے گھر میں رہی۔ سید محمد سہروردی کی شادی شیخ فرید طویلہ بخشؒ خلیفہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے یہاں ہوئی تھی۔ خان بہادر سید ضمیر الدین صاحب ۱۹۱۷ء میں خطاب یافتہ ہوئے۔ چار سال تک ریاست بھوپال کے چیف سکریٹری رہ چکے ہیں۔ علم دوست ہیں اور قومی کاموں میں

اگروہ گورمنٹ کے زیر اثر ہوں تو حصہ لیتے ہیں۔ محض پبلک اور آزاد مشروعات قومیہ کی طرف، خطۂ بہار میں میلان کا احساس کسی کو نہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔ سپچ کمیٹی صوبہ بہار کے ممبر بھی ہیں۔ آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔ اسوقت خانہ نشین ہیں۔ عمر آپکی پچپن سال کی ہے۔

پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ مولوی سید سفیر الدین صاحب اور حافظ محب الحق صاحب کے ساتھ ۱۵ - دسمبر کو پھلواری شریف آیا۔ عرس میں شرکت کرنا تھا۔ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب کا مہمان ہوا۔ اور آپکے مکان کے پاس ہی حافظ محمد زاہد صاحب کے گھر پر ٹھہرایا گیا۔ اسوقت سے پچیس سال قبل پھلواری سادات و شیوخ کی پر رونق اور آباد بستی تھی۔ لوگ خوشحال تھے۔ علوم ظاہرہ و باطنیہ کی ضیا سے منور جگہ تھی۔ علماء۔ اطباء۔ اور صوفیاے کرام کا اچھا مجمع رہتا تھا۔ ابتداے عہد انگلشیہ میں یہاں کے شرفاء سرکاری بڑی ملازمتوں پر بکثرت مامور تھے۔ زمینداریاں بھی وسیع تھیں۔ لیکن اسوقت بجز مولانا شاہ سید بدر الدین قبلہ (مرحوم) سجادہ نشین۔ اور مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کے کوئی اور سربرآوردہ اور نامی شخص نہیں۔ بستی بھی بے رونق ہے۔ یہ قصبہ عہد سلطنت مسلمانان میں خطۂ بہار کا ایک پرگنہ تھا۔ یہاں کی مسلمان آبادی کے پہلے سرگروہ سید منہاج الدین وارد پھلواری ہوئے تھے۔ آپ حضرت مخدوم الملک بہاری کے خلیفہ اور گیلانی الاصل تھے۔ آپ نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی۔ تاریخ وصال "معدن برکات" ہے۔
۷۰۳ھ
فی الحال اس قصبہ میں جو زیادہ تر آبادی ہے وہ حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد میں سے ہے۔ امیر عطاء اللہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں کسی معزز عہدہ پر مامور تھے۔ ۹۶۶ھ میں فوت ہوے۔ اسی گھرانے میں سید شاہ مجیب اللہ

قدس سرہٗ ایک ولی کامل ہوئے۔ آپکا سلسلہ قادریہ رضؓ سے تعلق ہے۔ ولادت ۱۰۹۵ھ وفات ۱۱۹۱ھ۔ تاریخ ولادت "پرفیوض" اور "نائب ختم نبی" مادۂ تاریخ وصال ہے۔ آپکا وصال بستم ماہ جمادی الاخری کو ہوا۔ مقبرہ نہایت عالیشان بناہے۔ حضرت شاہ مجیب اللہ قدس سرہٗ کے وقت سے تعلیم وارشاد روحانی کی مسند درس یہاں قائم ہوگئی۔ اور باضابطہ خاندان پیرزادگان کی بنا پڑگئی۔ بہار کے صوبہ میں فیض پھیلا۔ خانقاہ کو ہرایک سجادہ نشین کچھ نہ کچھ وسعت ہی دیتا گیا۔ وسیع قطعہ زمین کو گھیر کے عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ مہمان خانہ۔ گھنٹہ گھر۔ مسجد۔ خانقاہ۔ اور باورچی خانہ بناہے۔ خانقاہ کا صحن بہت کشادہ ہے۔ اس احاطہ کا دروازہ نہایت عالیشان ہے۔

موجودہ سجادہ نشین حضرت مولٰنا سید شاہ بدرالدین (مرحوم) صاحب آٹھویں سجادہ نشین ہیں۔ آپ عالم باعمل متقی اور فرشتہ خصال بزرگ ہیں معصومیت بشرہ سے عیاں ہے۔ سرکار نے شمس العلماء کا خطاب دیا تو بڑی مشکل سے اسکو قبول فرمایا۔ اور دربار و عدالت کی حاضری سے معافی ملنے پر آپنے بجبر منظور فرمایا۔ سرکار سے جو پنشن خطاب کے ساتھ ملتی ہے وہ بھی رد کردی۔ نہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی معافی یا جاگیر ہے۔

پھلواری میں ہر مہینہ کوئی نہ کوئی عرس ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر ۱۱ و ۱۲- ربیع الاول کو سرور کائنات رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا عرس سالانہ بڑی شان وشکوہ سے ہوتا ہے۔ بہت معقول مجمع ہوکر ایک میلہ کی ترکیب ہوجاتی ہے۔ دکانیں بھی آجاتی ہیں۔ تین چار دن تک جملہ شرکاء عرس اور دکانداروں کو کھانا دیا جاتا ہے۔ روزانہ تین سو من چاول کی پخت ہوتی ہے۔ گیارھویں ربیع الاول کو بوقت چار بجے صبح قل ہوتا ہے اور اسکے بعد قوالی کی مجلس بارہ بجے دن پھر تک

بارہویں تاریخ کی شب میں ذکر ولادت سرورِ کائنات صلعم ہوتا ہے۔ مولوی شاہ محمدؐ سلیمان صاحب بیان فرماتے ہیں۔ آپ کا بیان اور وعظ تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ پھر بارہویں تاریخ ۴ بجے صبح کو دوسرا قل۔ اور اسکے بعد قوالی ہوکر بارہ بجے دن کو آخری قل پڑھا جاتا۔ اور مجلس برخواست ہوتی ہے۔ اس تاریخ کو بوقت ۳ بجے دن کے حضور انور صلعم کے موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اس عرس میں بڑا مجمع ہوتا ہے۔ پٹنہ اور نواح پٹنہ کے تمام شرفا تا امکان اس عرس میں ضرور شرکت فرماتے ہیں۔

اس وقت پھلواری کی آبادی میں تین خاندان بہت مشہور اور ممتاز ہیں۔ (۱) مخدوم سید راستیؒ کا خاندان۔ (۲) امیر عطاء اللہ کا خاندان جسمیں سجادہ نشین صاحب ہیں۔ اور (۳) سید حسین خنگ سوارؒ کا خاندان جو نیورہ ضلع پٹنہ کے رئیس ہیں۔

ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد سرخ پتھر کی یہاں ہے۔ ہمایوں بادشاہ کی مسجد مشہور ہے۔ مگر حکیم محمدؐ شعیب صاحب یہاں کے ایک علم دوست نوجوان اسکو امیر عطاء اللہ کی تعمیر کردہ بتاتے ہیں۔ حکیم محمدؐ شعیب صاحب یہاں کے مفصل حالات ایک کتاب میں فراہم کر رہے ہیں۔ انکی تحقیقات یہ ہے کہ جب امیر عطاء اللہ شیر شاہ کے ساتھ دہلی میں تھے۔ اس وقت وہیں یہ مسجد بنوائی۔ اور پھر اسکو یہاں لاکر تعمیر کرا دیا۔ ورنہ اس سرزمین میں سنگ سرخ کہاں ہوتا ہے۔ مسجد دوہرے درجہ کی ہے اندر کے حصہ میں محرابی در ہیں اور باہر کا درجہ سائبان نما پتلے اور خوشنما سنگی پیلپایوں پر استادہ ہے۔ اور اسکی چھت بھی سنگ سرخ کی پٹیوں سے پٹی ہے۔ قطع تاریخ عربی میں لکھا ہے۔ مگر اسمیں بانی کے نام کا پتا نہیں۔ قطعہ پورا پڑھا نہیں جاسکا۔ آخری مصرع جسمیں مادّہ تاریخ

ہے حسب ذیل پڑھا گیا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَاسْجُدُوا وَاقْتَرِبْ

۹۵۷ ھ

مسجد کی چار دیواری۔حوض و فوارہ۔اور عالیشان دروازہ کے اب صرف نشانات رہ گئے ہیں۔مسجد بھی باہر سے شکستہ ہے لیکن اندر سے صاف ستھری۔منظر اسکا دلفریب ہے۔خوب لطف سے دو دن گذار کر ۱۷۔دسمبر کی شام کو بانکی پور واپس آگیا۔

آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب۔رئیس قصبہ نیورہ۔ضلع پٹنہ۔آپ حضرت سید حسین جنگ سوار کی اولاد میں ہیں۔مولوی فرزند علی صاحب سررشتہ دار نے آپکو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ولادت ۱ستمبر ۱۸۵۶ء۔اسوقت ۶۳ سال کے ہیں۔۱۸۸۰ء میں بیرسٹر ہوئے۔ایک سال تک چھپرہ میں ابتدائی پریکٹس کر کے ہائی کورٹ کلکتہ میں کام شروع کیا۔اور نہایت کامیاب ہوئے۔پٹنہ میں ندوۃ العلماء کا جو اجلاس ہوا تھا اسکی استقبالیہ کمیٹی کے صدر آپ ہی تھے۔۱۹۰۰ء میں ہائی کورٹ کلکتہ کے جج ہو گئے۔اور ۱۹۱۶ء میں پٹنہ ہائی کورٹ کی ججی پر منتقل ہو آئے۔۱۹۱۸ء میں ایگزیکیٹو کونسل صوبہ بہار کے ممبر بنائے گئے۔پانچ چھ سال تک بہار زمیندار ایسوسی ایشن کے سکریٹری رہ چکے ہیں۔۹ سال مسلسل پٹنہ میونسپلٹی کے نائب صدر رہے۔چھ سات سال سے علی گڈھ کالج کے ٹرسٹی بھی ہو گئے ہیں۔۱۹۰۵-۶ء میں دو سال تک صوبہ بہار کی طرف سے بنگال لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کر چکے ہیں۔۱۹۰۶ء میں اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ کے صدر ہوئے۔پٹنہ یونیورسٹی کے فیلو اور اسکی سنیٹ اور سنڈیکیٹ کے ممبر

بھی ہیں۔ آپ حضرت حاجی سید وارث علی صاحب قدس سرہٗ دیوی کے نہایت صادق العقیدت مرید ہیں۔ بیعت کا مادّہ تاریخ "عشق" ہے۔ صوبہ بہار کے مسلمانوں میں سب سے اعلیٰ شخصیت اور انسانیت رکھتے ہیں۔ اخلاق۔ خوش مزاجی۔ سادگی طبع اور بے تکلفی میں فرد فرید۔ اور عجیب کریم الصفات آدمی ہیں قومی معاملات میں دلچسپی لیا کرتے ہیں اور بڑے وجیہ ہیں۔ لہ

حافظ فضل حق صاحب آزاد ساکن شاہو بیگہ ضلع گیا۔ آپکے والد سید نورحسین صاحب ریاست دربھنگہ میں منیجر ریاست تھے۔ آپ دو بھائی ہیں۔ بڑے آپ ہیں۔ اس وقت ۶۳ سال کی عمر ہے۔ شاعر بلند پایہ اور کہنہ مشق۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں۔

شمس العلماء حافظ محبّ الحق صاحب۔ حافظ فضل حق صاحب کے چھوٹے بھائی۔ عمر ۶۰ سال۔ مذہبی اور دینی رنگ میں رنگے ہوئے۔ بڑے باصفات آدمی ہیں۔ درویش مزاج علم دوست۔ صاحب قلم۔ اور اخلاقی حیثیت سے نہایت پاکیزہ انسان ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں بے طلب شمس العلماء ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں سرکار نظام دام ملکہ سے آپکے لئے ماہوار ۵ روپیہ بطور علمی وظیفہ کے مقرر ہوا ہے۔ ابتدائے قیام ندوۃ العلماء سے اسکے سرگرم رکن ہیں۔ قرآن کریم بہت خوب یاد ہے۔ پٹنہ میں جلسہ قرآن کی بنا ڈالی ہے۔ زنانہ ایجوکیشنل کانفرنس بنگالہ بہار میں آپ ممبر رہ چکے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے ایک اردو کا قاعدہ اور ایک اور کتاب مذہب پر لکھی تھی۔ یہ دونوں شائع ہوئیں مگر اب نہیں ملتیں۔ دیگر تصانیف آپکی مذہبی اور اخلاقی ہیں۔ (۱) میلاد النبی۔

---

لہ صاحب تذکرہ افسوس ہے کہ اب دنیا سے رحلت کر چکے ہیں۔ صحیح تاریخ وفات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے درج نہیں کر سکتا۔ مولّف

(۲) الاخلاق۔ (۳) شندرا۔ (۴) پردہ سسٹم۔ (۵) دعوۃ الحق۔ (۶) منہاج الحق۔
آپ کے بڑے صاحبزادہ مسٹر سید محمد صاحب بیرسٹر ہیں۔ انہوں نے ۱۹۱۳ء
میں بیرسٹری پاس کی۔ اور دو لڑکے ابھی تعلیم پا رہے ہیں۔

سر سید علی امام صاحب بالقابہ۔ رئیس نیورہ ضلع پٹنہ۔ ولادت
۱۱۔ فروری ۱۸۶۹ء۔ ۱۸۹۰ء میں بیرسٹری پاس کی۔ ۱۹۰۸ء پریذیڈنٹ اجلاس
آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ امرتسر ہوئے۔ ۱۹۰۸ء کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو ہوئے
اور ۱۹۱۴ء تک رہے۔ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ہیں۔ اور مستقل پریذیڈنٹ پراونشیل
مسلم لیگ صوبہ بہار۔ ۱۹۰۹ء میں بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر اور کلکتہ ہائی کورٹ
کے اسٹینڈنگ کونسل ہوئے۔ اور اسی سال لارڈ مارلے لارڈ منٹو ریفارم اسکیم
کے متعلق مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے انگلستان گئے۔ اسکیم مذکور
کے قواعد متعلقہ مسلمانان کے بارہ میں آپ کو سر امیر علی و دیگر سر برآوردہ مسلمانوں
سے اختلاف تھا۔ گورنمنٹ نے آپکی رائے کو ترجیح دی۔ اور آپ ہی کی کوشش
سے مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں پہلے سے زائد جگہ ملنے لگی۔ ۱۹۱۰ء میں
آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر قانون ہوئے۔ اور اپنی قابلیت سے لارڈ ہارڈنگ
کو اپنا اسقدر گرویدہ اور مداح بنالیا کہ لارڈ ممدوح نے دو تین بار بااعلان آپکو
اپنا داہنا بازو فرمایا۔ دسمبر ۱۹۱۱ء میں سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب پایا۔ اور
۱۹۱۴ء میں کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ہوگئے۔ ۱۹۱۵ء میں ایگزیکیٹو کونسل وائسرائے
کے وائس پریذیڈنٹ ہوئے اور اسی سنہ میں اپنی مدت خدمت میں لارڈ ہارڈنگ
کے حسب اصرار دو ماہ کی مزید توسیع منظور کی۔ وائسرائے کی کونسل سے علیحدہ ہو کر
آپ ولایت چلے گئے۔ اور ۱۹۱۶ء میں وہاں سے واپس آکر پریکٹس قانون کرنے
لگے۔ لیکن پریکٹس اچھی نہیں چلی۔ آخر ۱۹۱۷ء میں آپ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج

ہو گئے۔ اگست ۱۹۱۸ء میں بہار ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۱۷ء سے
یونیورسٹی پٹنہ کے فیلو۔ اور سینیٹ اور سنڈیکٹ کے ممبر ہیں۔ آپ کو تعلیم نسواں
سے خاص دلچسپی ہے۔ اور آپکو زنانہ کالج قایم کرنے کا بہت خیال ہے۔ اپنے
گھر میں پردہ نہیں رہنے دیا ہے۔ زنانہ کالج کے متعلق آپنے ابھی عملی قدم
نہیں اٹھایا ہے۔ واقعہ مسجد کانپور میں مسلمان ماخوذین کو رہائی دلانے کے
لئے خود لارڈ ہارڈنگ کو آپ ہی کانپور لائے تھے اور راعی و رعایا کی ایک اہم
مشکل دور کردی تھی۔ پہلی زوجہ اور خاندان کی بی بی فوت ہوچکیں تو لندن
میں ایک بنگالی باپ اور فرینچ ماں کی عیسائی دختر سے گرجا میں نکاح کیا۔ پہلے
عیسائی مذہب کی رسم نکاح ادا ہوئی۔ اور اسکے بعد اسلامی طریقہ پر نکاح
کا عقد باندھا گیا۔ اب پچاس سال کی عمر ہے۔ مگر قویٰ نہایت اچھے ہیں۔ آپکے
پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ لڑکے سب انگلستان میں تعلیم پاتے ہیں۔ حال
میں اپنی پھوپھی زاد بہن سے تیسرا عقد کیا ہے۔ اور پردہ سے نکالکر ان کو
سوسایٹی میں ساتھ لاتے ہیں۔ یہ خاتون نہایت مہذب و تعلیم یافتہ ہیں [۱]

۵۔ فروری ۱۹۱۹ء کو میں مقام باڑہ میں آگیا۔ بانکی پور کا صدر مقام
چھوڑدیا اور اب دریاے گنگ کے اس ساحل پر صوبہ بہار کے جو اضلاع ہیں
اُن میں کام کروں گا۔

۸۔ فروری ۱۹۱۹ء۔ باڑہ سے مونگیر آیا۔ برونی جنکشن سے صاحب پور
جنکشن اور وہاں سے مونگیر گھاٹ۔ ریلوے پر۔ پھر مونگیر گھاٹ سے اسٹیمر پر
مونگیر آنا ہوتا ہے۔ مونگیر میں سید شاہ محمد یحییٰ صاحب بیرسٹر۔ محلہ دلاور پور۔

[۱] اسکے بعد آپ ریاست آصفیہ دکن کے وزیر اعظم ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں اس
منصب سے مستعفی ہوکر اب اپنے وطن میں مقیم ہیں۔ (مولف)

کے مکان پر ٹھہرا ہوں۔

مونگیر۔ ہندوؤں کا قدیم شہر ہے۔ ماگھ کی پورن ماشی کے دن گنگا میں اشنان ہوتا ہے۔ شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر "سیتا کنڈ" نہایت متبرک جگہ ہے یہاں جاتری بکثرت آتے ہیں۔ "سیتا کنڈ" گرم پانی کا چشمہ ہے۔ اور پانی اس قدر تیز گرم کہ اسمیں ہاتھ ڈالو تو آبلہ پڑ جاتا ہے۔ اس کنڈ کی عظمت یوں کی جاتی ہے کہ سیتا جی نے اپنی پاک دامنی ثابت کرنے کے لئے اسی جگہ غسل آتشیں کیا تھا۔ مونگیر کا اصلی نام "مُندگرہ" ایک رشی کے نام پر تھا۔ کثرت استعمال سے مونگیر ہو گیا۔ قدیم قلعہ "راجہ کرن" کا تعمیر کردہ تھا۔ مونگیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو شاہ شجاع نے اس قلعہ کی مرمت کی۔ انگریزی حکومت نے قلعہ منہدم کر ڈالا۔ اب صرف چہار دیواری کے وجود سے قلعہ کا نشان ملتا ہے۔ درنہ "حصن" کی جگہ کچہریاں جیل۔ اور دفاتر کی عمارتیں بنگئی ہیں۔ اور بہت سی کوٹھیاں یورپین افسروں اور بیرسٹروں کی اور پولو۔ اور کرکٹ کے میدان بھی اسی میں ہیں۔ اور ہر طرف کشادہ اور صاف سڑکیں نکل جانیسے ایک پرلطف جگہ ہو گئی ہے۔ میر قاسم صوبہ دار بنگالہ کا محل "جیل" کے کام میں آرہا ہے۔ اور اسمیں ہنوز بہت سی قدیم عمارتوں کے باقی ہونے سے کچھ یادگار سلف مل جاتی ہے۔ ایک مسجد کو توڑ کر کوٹھی بنا دیا اور اسی کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ کسی صوبہ دار کا ایک عمدہ مقبرہ پادری صاحب کے قبضہ میں ہے اور اضافہ و ترمیم کے بعد انکی رہائش کا بنگلہ بنا لیا گیا ہے۔

قلعہ کے دکھن دروازہ پر اندر کی جانب بلند ٹیلہ پر حضرت شاہ نافع کا مزار ہے۔ آپ ملک بختیار خلجی کے ساتھی اور مجاہدین میں سے تھے "ملک دیش" پر حملہ کے دوران میں یہاں شہید اور مدفون ہوئے۔ مزار پر پختہ لداؤ کا قبہ بنا ہے۔ اور گرد چار دیواری ہے۔

میر قاسم کا دوسرا محل خاندان محلہ دلاور پور کے قبضہ میں تھا۔ یہ لوگ اسکو یادگار کے طور پر باقی رکھنے کے خواہاں تھے۔ ایک لاکھ روپیہ تک اسکی قیمت لگی مگر انہوں نے فروخت نہیں کیا۔ ایک صاحب کلکٹر ضلع نے اسکو صرف بیس ہزار روپیہ معاوضہ دیکر لے لیا اور بطرز جدید اپنے رہنے کی کوٹھی بنوائی ہے۔

محلہ دلاور پور۔ ایک گانوں شہر سے متصل ہے۔ اسکا نام بارۂ شاہ تاج الدین۔ اور عرف دلاور پور ہے۔ اس میں خاندان سادات آباد ہے۔

میر حسن رضوی مشہدی۔ شاہ عباس صفوی تاجدار ایران کے مظالم سے ترک وطن کرکے بعہد شاہ اکبر۔ دہلی میں چلے آئے۔ اکبر نے انکو اعلیٰ فوجی منصب دیا اور اپنا مشیر خاص بنایا۔ جس وقت اکبر منعم خاں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بنگال میں آیا۔ اور مونگیر کی طرف گذرا۔ اسی وقت یہاں ایک شیخ اجل شاہ اللہ داد عارفیؒ موجود تھے۔ اکبر آپکی زیارت کرنے آیا۔ میر حسن اکبر کے ساتھ تھے۔ شاہ اللہ دادؒ نے انکو دیکھتے ہی عربی زبان میں ارشاد کیا کہ "تم اس کام کے لئے نہیں بنائے گئے ہو جو اس وقت کرتے ہو۔ تمکو روحانی میراث مل گئی اور تمہارے واسطے جگہ خالی ہے"۔ میر حسن اس بات کو سنکر بے ہوش ہو گئے اور ہوش میں آئے تو شاہنشاہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر حضرت شاہ اللہ دادؒ کے مرید اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے۔ مدارج کمال پر ترقی کی۔ اور شیخ کے بعد مسند خلافت پائی۔ سادات دلاور پور انہیں کی اولاد میں ہیں۔ شاہان مغلیہ نے ان بزرگ کا روزینہ مقرر فرمادیا تھا۔ غدر کے وقت سے انگریزی حکومت نے وہ روزینہ بند کر دیا ہے۔ صرف پرگنہ مونگیر کا عطیہ شاہ جہان و عالمگیرؒ ابتک باقی ہے۔ خانقاہ ہنوز قایم ہے۔ مگر پیری مریدی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ رئیسانہ اور زمیندارانہ حیثیت سے خاندان کی بسر ہو رہی ہے۔ خاندان

بہت بڑا ہے۔ عہد سلطنت انگلشیہ کے آغاز میں اس خاندان کے ارکان اعلیٰ عہدے پاتے رہے۔ قدیم علم اور جدید تعلیم دونوں اس خاندان میں ہیں۔ خاندان کے چار رکن اسوقت بیرسٹر ہیں۔ ایک سید شاہ خلیل الرحمٰن صاحب۔ آپ سب جج ہیں۔ دوسرے سید محی الدین صاحب بیرسٹر آرہ میں پریکٹس فرماتے ہیں۔ دو صاحب سید محمد یحییٰ بیرسٹر اور سید نعمت اللہ بیرسٹر خاص مونگیر میں کام کرتے ہیں۔

حضرت میر حسن عرف سید شاہ مصطفےٰ صوفی کا عُرس ماہ صفر کی گیارہویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ مزار آپ کا خاندانی مکان کے احاطہ میں ہے۔ حضرت ممدوح کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ بزرگ ولی اللہ ہوئے ہیں۔ خاندان کے سرکردہ اسوقت مولوی سید شاہ محمد ایوب صاحب ہیں۔ ریاست کا کام آپ ہی کرتے ہیں۔ آپ ذاتی زمینداری کے علاوہ خاندان کے حق مالکانہ اور جاگیر کا بھی انتظام فرماتے ہیں۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ اسکی آمدنی ہوتی ہے۔ جس میں سے عرس و فاتحہ بزرگان کا خرچ نکال کر باقی ماندہ رقم افراد خاندان پر حصہ رسدی تقسیم کر دیتے ہیں۔

تاریخ ہائے وصال بزرگان سلف کے کتبے ہر ایک مزار پر لگے ہیں۔ اور قدیم حجرہ بھی باقی ہے۔ میں نے اسکی زیارت کی۔

مولٰنا سید محمد علی صاحب۔ بانی و سابق ناظم ندوۃ العلماء محلہ مخصوص گنج مونگیر میں قیام پذیر۔ اور اس نواح میں فیض ارشاد و ہدایت جاری فرما رہے ہیں۔ اصل سکونت شہر کانپور کی ہے۔ مولٰنا مفتی محمد لطف اللہ صاحب رح علی گڈھ کے شاگرد رشید اور حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رح کے خلیفہ۔ اس زمانہ کے قابل اور روشن دماغ علما میں سے ہیں۔ صاحب باطن اور صاحب نسبت ہیں۔ ۱۳۱۱ھ میں آپ ہی کی تحریک اور سرگرم کوشش سے

ندوۃ العلماء کا وجود ہوا۔ ابتداے قیام مجلس مذکور سے ۱۳۲۱ھ تک آپ ہی اسکے ناظم رہے۔ اور آپکے عہد نظامت میں ندوۃ العلماء برابر ترقی سے ہمدوش رہا۔ صحت کی خرابی اور ضعف جسمانی کی وجہ سے آپنے ندوہ کی نظامت دوسروں کے حوالہ کی اور خود شہر مونگیر میں رہکر فیوض باطنی اور علوم ظاہری کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ خانقاہ بنگئی ہے۔ کتب علوم عربیہ کا قیمتی کتب خانہ قایم ہے وارد و صادر کے لئے مہماں سرا بھی ہے۔ اور زمانہ حال کے مشائخ میں آپکا دم غنیمت ہے۔ سنت نبویہ کے پابند۔ اور اسکی تعمیم کے لئے کوشاں ہیں۔ پورنیا۔ مونگیر۔ مظفر پور۔ اور چھپرہ وغیرہ میں ہزارہا مرید آپ کے ہیں تصنیف و تالیف کا خاص مذاق ہے۔ مناظرہ کے فن میں ماہر کامل ہیں۔ "پیغام محمدی" نصاریٰ کے رد میں۔ ہدیۂ عثمانی۔ چشمۂ ہدایت۔ دلائل حقانی۔ فیصلۂ آسمانی اور بہت سے رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ قادیانیوں۔ اور دیگر فرقوں کی تردید بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔ ابتداً میں کانپور سے تحفۂ محمدیہ نامی ایک ماہوار رسالہ بھی شائع فرما چکے ہیں۔ یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا۔ مونگیر کے محلہ مخصوص پور میں ایک وسیع قطعۂ زمین خرید فرما کر وہیں خانقاہ بنوائی ہے اور کاشتکاری کا سلسلہ قایم کیا ہے۔

مونگیر میں مسلمانوں کی عام حالت وہی ہے جو تمام صوبہ بہار میں ہے۔ احساس و حمیت ملیہ بہت کم ہے۔ مایہ گھرانوں کے افراد محنت کرکے نئی تعلیم حاصل کرتے۔ اور کامیابی کے بعد کسب معاش کا واحد وسیلہ سرکاری ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ نوکری ملگئی تو اپنی کمائی اپنی ہی ذات پر خرچ کرنے کے خوگر ہیں۔ قوم کی ترقی و بہبود کے وسائل میں حصہ لینا بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے کوئی قابل فخر اسلامی اور قومی مشروع یہاں نہیں ہے۔ صرف ایک انجمن

اسلامیہ ۱۸۸۶ء سے قایم ہے۔ نام "انجمن حمایت الاسلام" ہے۔ اور کام حسب ذیل ہیں۔

(۱) لاوارث یتیموں کی پرورش۔ (۲) مسلمانوں کو ترغیب تعلیم دینا۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی ہر قسم کی۔ (۳) مسلمانوں میں دستکاری اور ہنر پھیلانے کی کوشش۔ (۴) مسلمان رعایا کے صحیح حالات اور ضروریات کو گورنمنٹ سے عرض کرنا۔

ایک مدرسہ اور یتیم خانہ انجمن کی طرف سے قایم ہے۔ مدرسہ میں ۲۶ یتیم اور ۱۴ بیرونی طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ تین مدرس ہیں۔ ایک سفیر انجمن۔ ایک تحصیلدار۔ ایک محرر۔ ایک باورچی اور ایک جاروب کش۔ انجمن کے ملازموں میں ہیں۔ مدرسہ اور یتیم خانہ کا مکان انجمن نے بنوایا ہے۔ درس نظامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ تنخواہ مدرسین و ملازمین پر ۱۰۸۶ روپیہ سالانہ۔ لباس و خوراک یتامیٰ کا۔ ۱۵۰ روپیہ سالانہ۔ متفرقات للعمل۔ تجہیز و تکفین لاوارثان ۵ اور مرمت مکان ماعسہ روپیہ سالانہ جملہ ۱۴۸۰ سالانہ کا خرچ ہے۔ اور آمدنی جلسہ سالانہ میں جو کچھ ہو جائے۔ لیکن خرچ کے موافق دخل ہو جاتا ہے۔

ملک محمد اسرافیل صاحب مختار سکریٹری انجمن۔ مولوی شاہ محمد ایوب صاحب صدر انجمن۔ اور مولوی وراثت حسین صاحب دفتر کے نگراں ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ نے مدرسہ انجمن کی ترقی کے متعلق جو کوشش کی۔ اور جدید انگریزی تعلیم کا اسکول قایم کرانے میں جو محنت اٹھائی وہ بھی۔ قدیم روشن کے علماء اور مدرسین کی بدولت بارآور نہ ہو سکی۔ اور انجمن کا چھ ہزار روپیہ سالانہ بالکل فضول خرچ ہو رہا ہے۔ جو تعلیم ہے اس سے

کبھی یہ امید نہیں ہوسکتی کہ کوئی کام کا آدمی نکال سکے۔ افسوس۔

شہر میں ایک قدیم جامع مسجد ہے۔ "ٹوٹہ کی مسجد" کہلاتی ہے۔ مسلمانوں نے حال ہی میں اسکی توسیع کردی ہے۔ اسکے علاوہ ایک اور مختصر مسجد ۱۱۶۰ھ کی تعمیر ہے۔ بانی کا نام معلوم نہیں ہوا۔ قطعہ تاریخ پڑھا نہین گیا۔ حرف "ساختہ باد" مادۂ تاریخ بمشکل پڑھنے میں آیا۔ مولوی محمد عمر صاحب کے دم سے اس مسجد کی رونق ہے۔ انتظام معقول ہے۔

مونگیر میں مولوی خلیل اللہ صاحب وکیل ایک خوش مذاق علم دوست انسان ہیں۔ شام کے وقت انکی مجلس پر لطف ہوتی ہے۔ مشہور بزرگوں کے مزارات میں شاہ مبارک صوفی۔ شاہ نور صاحب۔ اور شاہ عبدالکریم صاحب کے مزار ہیں۔ انکا سنہ وصال یا حال کچھ معلوم نہیں ہوا۔ شاہ نافع رح کے مجاور درگاہ نے چند قدیم کاغذات دکھائے اُن سے محض اسقدر پتا چلا کہ عالمگیر شاہ رح نے سو بیگہ زمین اس مزار کے اخراجات کے لئے معافی کے طور پر دی تھی۔ آپکے گنبد کی تاریخ تعمیر کا کتبہ یہ ہے۔

"نصر من اللہ و فتح قریب" بنی ہذا الگنبد فی عہد السلطان العادل سید السادات مجمع العلماء علاؤ الدنیا والدین ابو المظفر شاہ سلطان حسین خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ بانی خیر شاہزادہ دانیال سلمہ اللہ فی الدارین سنہ ۹۰۳ھ۔

بلیا۔ ۱۶۔ فروری سنہ ۱۹۱۹ء کو مونگیر سے لکھنیا آیا۔ رات کو چودھری محمد نور صاحب کے یہاں مقیم رہکر صبح ۱۷۔ فروری کو قصبہ بلیا پہنچا۔ حضرت سید شاہ علاؤ الدین بخاری رح کے مزار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کی۔ بلیا۔ مونگیر سے مشرق میں دس میل فاصلہ پر واقع ہے۔ دریائے گنگ دونوں کے مابین حائل ہے۔

اسٹیمر پر عبور کیا جاتا ہے۔مخدوم علاء الدین حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد ہیں۔حضرت شاہ اللہ داد پنڈوی کے خلیفہ تھے۔شاہ اللہ داد صاحب کا سلسلہ خواجہ اخی سراج بنگالوی سے ملتا ہے۔جنکا مزار سعد اللہ پور میں ہے۔مخدوم علاؤ الدین کے موجودہ سجادہ نشین سید شاہ محمد ادریس جنیدی چشتی ۲۹ سالہ نوجوان اور معمولی تعلیم یافتہ ہیں۔یہ مخدوم صاحب سے چودھویں پشت میں ہیں۔شاہی وقت کی معافی چلی آئی ہے۔علی وردی خاں مہابت جنگ کا عطیہ ہونیکی سندیں تھیں۔عہد انگلشیہ میں سندیں داخل سرکار کرا لی گئیں اور مسٹر رچرڈ بولڈ کمشنر اضلاع کلکتہ نے۔قانون سوم ۱۸۲۸ء کے روسے جاگیر کے بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔فیصلہ فارسی زبان میں ہے اور اسمیں لکھا ہے کہ "جاگیر متعلقہ برائے خرچ فقرا و مساکین و وارد و صادر خانقاہ"۔اور چونکہ فیصلہ میں "با فرزندان کا لفظ بھی ہے" اس لئے جو رقم سجادہ نشین صاحب اولاد کو تقسیم کر دیں وہی ٹھیک ہے۔سجادہ نشینی اولاد اکبر کو ملتی ہے۔بیعت کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے۔۱۲۔ربیع الاول کو عرس ہوتا ہے۔جاگیر خانقاہ پانچ ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی ہے۔اور معافی لاخراج غیر قابل تقسیم اور بلاحق انتقال ہے۔مزار پر قبہ اور کتبہ کچھ نہیں۔

**مظفر پور**۔۲۹۔فروری ۱۹۱۹ء کو پہنچا۔مولوی محمد اختر صاحب وکیل کے یہاں ٹھہرا۔دوسرے دن کچہری جا کر لوگوں سے ملا۔مدرسہ جامع العلوم کو دیکھا۔حافظ رحمت اللہ شاہ صاحب اسکے بانی ہیں۔وہ مولانا سید محمد علی صاحب کے مرید ہیں۔۱۳۱۷ھ میں مدرسہ قائم کیا۔اسوقت ۱۱۴ طلبہ ہیں۔اور ۷ مدرس۔درس نظامیہ۔حفظ و قراءت قرآن۔اردو فارسی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔اس مدرسہ سے ستر حافظ نکل چکے ہیں۔تین دستار بند

عالم بھی ہوئے ہیں۔ درجۂ تکمیل میں اب بیس کے قریب طلبہ ہیں۔ پچاس بورڈر ہیں۔ انہیں سے نصیں خوراک کی فیس دیتے ہیں اور بیس کو دارالاقامۃ سے کھانا ملتا ہے۔ پختہ عمارت پندرہ ہزار روپیہ کی لاگت سے بنی ہے۔ آمدنی زیادہ تر قربانی کی کھالوں۔ زکوٰۃ صدقات۔ اور کچھ عام چندہ اور یکمشت عطایا سے۔ کم و بیش چار ہزار روپیہ سالانہ ہو جاتی ہے۔ خرچ کل تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ ہے پانچ ہزار روپیہ نقد مدرسہ کے فنڈ میں جمع ہے۔ اور ڈھائی سو روپیہ سالانہ منافع کی جائداد اسی آمدنی سے خریدی گئی ہے۔ وظائف صرف درجۂ تکمیل کے طلبہ کو ملتے ہیں۔ بعض کو کتابیں بھی دی جاتی ہیں۔ سوا دو سو روپیہ ماہوار خرچ ہے۔ مدرسہ کے متعلق ۲۲۵ کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔۔ خود حافظ رحمت اللہ شاہ منتظم و سکرٹری ہیں اور بڑی محنت و نیک نیتی سے مدرسہ کو چلا رہے ہیں۔ مدرس اول مولانا عبدالشکور صاحب تعلیم یافتہ کانپور و دیوبند ہیں۔ کمیٹی انتظامیہ کے صدر رخان بہادر سید محبوب حسین خاں صاحب ہیں۔

سید اعجاز حسین خاں صاحب و سید ریاض حسین خاں صاحب

رئیسان رسولپور۔ حکیم ہادی حسن خاں صاحب نایاب۔ کے بیٹے ہیں۔ امام محمد تاج فقیہ المخاطب بہ تاج القضاۃ متوفی ۱۹۵ھ کی اولاد میں ہیں۔ امام محمد ممدوح منیر کے فاتح تھے۔ تاریخ فتح "دین محمد قوی شدہ" سے برآمد ہوتی ہے۔ امام صاحب کے تین بیٹے تھے۔ اسمعیل۔ اسرائیل۔ اور عبدالعزیز یہ خاندان جسکا یہاں ذکر ہے اسمعیل کی اولاد سے ہے۔ خاندان ہذا میں قاضی شطار ایک بڑے فاضل گذرے ہیں۔۔ ان کی سکونت موضع "بنیا یساڑہ" ضلع مظفرپور میں ہے۔ سید اعجاز حسین صاحب کے پردادا خان بہادر

مولوی مولا بخش "کمانڈر اسٹار آف انڈیا" (سی۔ ایس۔ آئی) تھے۔ بصلۂ حسن خدمات گورنمنٹ نے یہ خطاب دیا اور خان بہادر بھی کیا تھا۔ خان بہادر کے دو بیٹے تھے۔ محمد امیر حسن خاں۔ اور محمد حسن خاں۔ امیر حسن خان صاحب کے دو فرزند حکیم محمد ہادی حسن خانصاحب نایاب! اور محمد مہدی حسن خانصاحب شاداب ہیں۔ اور محمد حسن خاں صاحب کے فرزند خاں بہادر سید محبوب حسن خاں صاحب ہیں حکیم سید محمد ہادی حسن خاں صاحب نایاب کے تین نور نظر ہیں۔ ایک فرزند سید ریاض حسن خان صاحب اردو تخلص خیال اور فارسی میں دانش تخلص فرماتے ہیں۔ آپ نے نامۂ دانشوران۔ اور کلیات امیر خسرو میں اچھا کام کیا ہے۔ مولوی رشید احمد سالم مرحوم نے خمسۂ خسرو کے مقدمہ میں آپ کے کام کی تعریف فرمائی ہے۔ ۱۹۰۷ء سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہیں۔ ۲۶ سال کی عمر ہے

خان بہادر مسٹر محبوب حسن خاں صاحب بیرسٹر۔ عمر قریب ۵۵ سال۔ خاندان رسولپور کے رکن۔ ۱۸۸۵ء میں بیرسٹر۔ اور ۱۹۱۰ء میں خان بہادر ہوئے۔ پراونشیل مسلم لیگ کے نائب صدر ہیں۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۵ء تک بہار و اوڑیسہ کونسل کے ممبر رہے۔ رائل کامرس سوسائٹی لندن کے ممبر ہیں مدرسہ جامع العلوم کے صدر انجمن ہیں۔ اور سرجان ایمبولنس کے لائف ممبر میونسپلٹی مظفرپور کے پہلے ہندوستانی چیرمین۔ اور ایک ٹرم تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے نائب صدر رہے۔ آنریری مجسٹریٹی بھی کر چکے ہیں۔ مظفرپور کے مسلمان عمائدین میں آپکا دم غنیمت ہے۔ اور ہر قومی کام میں فراخ دلی سے اعانت فرماتے ہیں۔

مظفرپور کی آبادی اور رونق عہد حکومت انگلشیہ میں ضلع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ لیچی یہاں بیحد شاداب۔ پرمغز اور شیریں ہوتی ہے۔

مسلم کلب مظفر پور۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء سے کھلا ہے۔ مولوی سید احمد حسین صاحب وکیل نے اپنا نو تعمیر دو منزلہ مکان تا بقاے کلب اسکو عطا کیا ہے۔ مکان مذکور بڑی دلکش جگہ پر واقع ہے۔ اسکے سامنے عمدہ احاطہ مع وسیع صحن کے ہے۔ مع زمین یہ عمارت سات ہزار روپیہ کی ہوگی۔ صرف مکان ہی نہیں عطا کیا بلکہ فرنیچر اور ۱۵۰ روپیہ ایک ماہ کا خرچ بھی دیا۔ اور ایک ہزار روپیہ قیمت کی اردو کتابیں جو آنکے پاس تھیں سب کلب کو بخش دیں خان بہادر احمد حسین خاں صاحب وکیل بانی کلب خود ہی اسکے سکرٹری ہیں۔ تمام وکلاء و مسلمان عہدہ داران و ملازمین سرکار و رؤسا سب اسکے ممبر ہیں۔ تخمیناً ۵۰ ماہوار آمدنی اور للعہ ماہوار خرچ ہے۔ کلرک۔ چپراسی۔ خدمتگار۔ پانی والا۔ چار آدمی ملازم ہیں اور ایک جاروب کش مقرر ہے چار انگریزی اور دو اردو روزانہ اخبار۔ ہفتہ میں دو بار اور ایکبار چھپنے والے انگریزی و اردو کئی اخبارات۔ اور ماہوار رسائل ہر دو زبان کے بہت سے آتے ہیں۔ ۲۷ اصحاب مفت اخبار عطا کرتے ہیں۔ یعنی خود خریدا ہیں۔ اور کلب کو اپنی طرف سے دیکھکر بھیجدیتے ہیں۔

آنریبل مولوی سید احمد حسین صاحب وکیل۔ موضع بھیکن پور ضلع مونگیر کے رہنے والے ہیں۔ عمر ۴۷ سال۔ سنہ ۱۸۹۶ء سے مظفر پور میں وکالت کر رہے ہیں۔ آپکے مورث سید محمد سعید رضوی صوبہ ترہت میں آئے تھے۔ آپ یہانکے مسلمان وکلاء میں سب سے بڑھکر ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں خان بہادر ہوئے اور اسی علاقہ ترہت کی طرف سے بہار و اڑیسہ کونسل کے ممبر ہوئے۔ ابتک اس جگہ پر قائم ہیں۔ چھ سال میونسپل کمشنر رہچکے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہیں۔ عارضی نائب صدر میونسپلٹی رہچکے ہیں۔ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے

پریزیڈنٹ ہیں۔ مسلم کلب مظفرپور آپکی ہمت کریمانہ سے قائم ہوا۔ اور آپ ہی اسکی جان ہیں۔ اس کام میں کمال دلچسپی و مستعدی دکھاتے ہیں۔ کلب کے محفوظ سرمایہ میں دو سو روپیہ سے زیادہ اسوقت نقد موجود ہے۔

مولوی محمد اختر صاحب وکیل۔ اور انکے عزیز شیخ عبدالشکور صاحب کی عنایت و محبت کا شکر گذار ہوں۔ مولوی محمد شفیع صاحب وکیل نے ایک شب کو دعوت طعام دی اور دیرتک انکی ہمنشینی میں لطف کے ساتھ وقت کٹا۔ مولوی عبدالرؤف صاحب نے پروفیسر اودھ بہاری سنگھ۔ جی۔ بی۔ بی۔ کالج۔ سے ملایا عجیب با اوصاف انسان ہیں۔ ذیعلم صاحبدل پاک باطن۔ عربی و فارسی کے ماہر۔ عالی نسب برہمن ہیں۔ چہرے سے نورانیت عیاں ہے۔ تزکیۂ باطن اور ریاضت کے آثار ہویدا ہیں۔ بباطن مسلمان ہوں تو کیا عجب ہے۔ لیکن ظاہر میں ہندو ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لڑکیوں کا شریف مسلمانوں میں رشتہ نہو سکنے کے خیال سے اعلان اسلام نہیں فرماتے۔ اگر یہ سچ ہے تو وائے برحال مسلمانان۔ بگڑی ہوئی قوم کی اس سے زیادہ خرابی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب حاجی جھاؤ صاحب نامی ایک مسلمان درویش کے دیکھنے والے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ فرشتہ سیرت انسان ہیں۔

مظفرپور میں مسلمانوں کی بے حسی کا وہی حال دیکھا جو تمام بہار میں ہے معدودے چند افراد کے سوا عام طور پر ابنائے قوم خواب خرگوش میں مبتلا ہیں۔ افسوس

۲۳۔ فروری کو بارہ واپس آیا۔ بابو سعید صاحب بھی آگئے تھے۔ کئی دن انکی صحبت سے لطف اندوز رہا۔

منشکی پور۔ ضلع مونگیر۔ ۳۔ مارچ کو یہاں آنا ہوا۔ یہ موضع مونگیر سے گوشۂ شمال و جنوب میں ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور موضع گوبری کے قریب

گوبری ایک مشہور مقام تھا۔ وہ سنہ ۱۸۹۳ء میں دریا برد ہوگیا۔ شکی پورا ور جالی پور قدیم موضع ہیں اسٹیمپ اف
مطابق سنہ ۵۶ ہجری میں شاہ عالمگیر رح نے اپنے فرمان کے ذریعہ سے یہ دیہات حاجی سید عبدالوہاب کو مدد معاش فرزند
کے نام سے عطا کئے تھے۔ حاجی صاحب شاہان مغلیہ کے عہد میں مجاہد اسلام تھے۔ پرپوتے تک یہ جایداد خاندان میں
رہی۔ اسکے بعد اولاد نرینہ نہیں ہوئی اور لڑکیوں کے ساتھ جائداد بھی انکی سسرال یعنی شیخ عبدالعلی صاحب ساکن
موضع سمریا کے یہاں منتقل ہوگئی۔ اسوقت ریاست کے مالک و قابض کمال الدین احمد صاحب ہیں رئیس
خوشحال۔ خوش انتظام صاحب جاہت ہیں۔ ۲۵ سال سے ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ہیں۔ ان اطراف
میں دوم درجہ کے زمیندار ہیں جنکی ذاتی جائداد دس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی رکھتے ہیں۔ موضع شکی پور
کو جون سنہ ۱۹۰۸ء سے وقف علی الاولاد کردیا ہے اور خود اسکے متولی ہیں۔ شرط تولیت یہ کہی ہے کہ اولاد
نرینہ ہو خواہ لڑکیاں۔ انمیں جو فرد کثرت آراء سے قابل ترین مانا جائے وہی وقف کا متولی ہوگا۔ یہاں
ایک مجاہد شہید بہادر شاہ کا مزار بھی ہے مگر اسکے حالات کا کوئی پتہ نہیں ملا۔

کوکبری شکی پور سے تین میل پر ہے۔ سید آل حسن صاحب زمیندار ہیں۔ آپ معمولی حیثیت کے مگر
خدا نے عالی منش بنایا ہے۔ نہایت خلیق و مہمان دوست منتظم اور خوش باش۔ قنوج و بلگرام سے سلسلہ نسب سادات
بخاری کا ملتا ہے۔ اور کچھوچھہ شریف کے خاندان مخدوم صاحب سے بھی تعلق ہے۔ سعید میاں بھی یہاں آگئے
سید آل حسن اور سید کمال الدین صاحب انکی پر لطف صحبت اور محبت نے کئی دن انکی مہمانداری کا پابند رکھا۔
وہاں سے گیارہ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء کو دربھنگہ پہنچا۔ لہریا سرائے (جہاں کچہریاں ہیں) کے اسٹیشن پر اتر گیا۔
اور مسٹر مطیع الرحمن صاحب بیرسٹر کے یہاں آکر مقیم ہوا۔ ۱۲۔ مارچ کو دربھنگہ میں پھرتا رہا۔ دو قدیم مزار یہاں
دیکھے۔ ایک ڈگی کے تالاب پر شاہ سبحان کا سیلانی کا مزار اور دوسرا نظام شاہ مخدوم شاہ کا مزار۔ یہ مزار
خاص راج محل کے احاطہ میں ہے۔ اپنر کوئی کتبہ نہ تھا۔ راج محل کے احاطہ میں ایک مسجد بھی ہے۔ کسی وقت راجہ صاحب نے
اسکے منہدم کردینے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر مسلمانوں نے مسجد کو بچالیا۔ قدیم عمارتوں میں صرف ایک مسجد
جامع ہے۔ اسپر بھی کتبہ نہیں۔ مگر طرز تعمیر بتا رہا ہے کہ پرانی عمارت ہے۔
جامع مسجد کے پاس سرائے ہے اور اسکے متصل ایک مدرسہ کی عمارت سفال پوش۔ مدرسہ کا نام

دار العلوم المشرقیہ حمیدیہ ہے۔ قائم شدہ سنہ ۱۳۲۰ھ۔ درمیان میں حالت ابتر ہوگئی تھی۔ مولوی عبدالحمید صاحب
راجوی دربھنگوی نے دو سال سے اسکو پھر سنبھال لیا ہے۔ آپ مولانا حکیم ابو البرکات ٹونکی کے شاگرد رشید ہیں
اسمیں ۱۴ سال تک تعلیم ہوتی ہے۔ اردو۔ فارسی۔ حساب۔ چوتھے درجہ تک۔ اور پانچویں سے چودہویں
درجہ تک درس نظامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ ۷۰ طلبہ ہیں۔ ۳۵ کو مدرسہ سے کھانا ملتا ہے اور ما باقی جاگیر
پر کھاتے ہیں حفظ قرآن کا بھی ایک درجہ ہے۔ آمدنی چندہ پر موقوف ہے سالانہ بیا تعین [illegible]
روپیہ۔ آمد و خرچ [illegible] روپیہ ہے۔ مولوی عبدالحمید صاحب سرگرم مہتمم ہیں انہیں کی کوشش سے کام چل رہا ہے
دوسرا مدرسہ امدادیہ محلہ امام باڑی میں ہے۔ مدرسہ اور بورڈنگ کی خاص اور پختہ عمارتیں ہیں
صفائی و انتظام معقول ہے۔ مولوی عبدالوہاب مہتمم اور مولوی غلام نبی مدرس اول ہیں۔ پہلے یہ مدرسہ
حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ حاجی منور علی صاحب نے ایک موضع میں قائم کیا تھا۔ انکی
وفات کے بعد مولوی مرتضیٰ حسین مدرس اول اس مدرسہ کو شہر دربھنگہ میں لے آئے۔ یہ بھی عام چندہ سے
چل رہا ہے۔ کوئی وقف یا مستقل جائداد نہیں ہے۔ اوسط آمد و خرچ پانچہزار روپیہ سالانہ کے قریب ہے
چودہ ملازم مع اساتذہ ہیں۔ ۱۳۰ بورڈر ہیں۔ ۴۱ کو مدرسہ کھلاتا ہے اور باقی جاگیردار۔ یہاں جماعت
بندی نہیں۔ طالبعلم کی استعداد اور دیوبند کے طرز پر تعلیم دیجاتی ہے حفظ قرآن کا درجہ بھی ہے۔
کل طلبہ ۲۱۲ ہیں۔ اس سال چھ طلبہ فارغ التحصیل ہونیوالے ہیں۔ ۲۰۰ فارغ ہو کر نکل چکے ہیں۔
پچاس سے زائد حفاظ تیار ہو گئے ہیں۔ دونوں مدرسے علماء کی ذاتی کوشش سے چل رہے ہیں انہیں کے دم تک ہیں
ایک انجمن اسلامیہ بھی قائم ہے۔ اغراض کتب خانہ قائم کرنا۔ نادار طلبا کی اعانت۔ پرورش یتامیٰ
اخبار بینی کا مذاق پیدا کرنا۔ مدارس اسلامیہ ضلع دربھنگہ کی تنظیم۔ نگرانی اوقاف مسلمانان۔ مرمت و
تعمیر مساجد۔ تجہیز و تکفین لاوارثان۔ اشاعت اسلام۔ اصلاح رسوم۔ وغیرہ۔ مگر اب تک کام صرف یہ ہوا ہے
کہ یتیم خانہ قائم کیا ہے۔ سال گذشتہ اسکی آمدنی [illegible] اور چندہ [illegible] ہوا۔ ایک کتب خانہ
بھی قائم ہو گیا ہے۔ ایک صاحب نے تین سو کتابیں دی ہیں۔ یتیم خانہ کا انتظام نادرست ہے۔ بچوں کو
قرآن اور معمولی اردو زبان پڑھاتے اور کچھ سلائی کا کام سکھلاتے ہیں۔ اس انجمن میں انگریزی تعلیم یافتہ

ارکان زیادہ تر ہیں۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ مدارس اسلامیہ جو علماء کے ہاتھ میں ہیں۔ بے ترتیب ہوں یا باقاعدہ کام تو کر رہے ہیں۔ اور یہاں انجمن کے حلقہ میں ترتیب ہے نہ کام۔ آخر اسکی وجہ؟

ضلع دربھنگہ میں مسلمان پٹھانوں کی آبادی بیشتر ہے۔ میری آمد دربھنگہ کے بعد چوتھے دن ریاست پیغمبرپور قرضہ کی علت میں نیلام پر چڑھی تھی۔ مگر لطف یہ تھا کہ پوری جائداد نیلام پر چڑھ رہی تھی تین دن بعد رئیس صاحب کوڑی کوڑی کو محتاج ہونے والے تھے لیکن رئیس صاحب کی یہ حالت کہ مجرا سننے میں منہمک تھے۔ اور خوش گلو طائفوں کے نغموں کا حظ اٹھانے میں سرشار!!! ریاست پیغمبرپور موقوفہ جائداد تھی۔ خاص دربھنگہ میں معزز پٹھانوں کے جو دو ایک قدیم خاندان موجود ہیں۔ انکی حالت بھی خراب ہو رہی ہے۔ آفاق خانصاحب بیرسٹر۔ انھیں لوگوں میں کے ایک فرد ہیں۔ خدا ترقی اور صلاح سے بہرہ ور فرمائے

موتیہاری چمپارن ضلع کا صدر مقام ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے احاطہ سے باہر آتے ہی ضلع کی کچہری اور منصفی وغیرہ کی عدالتیں ملتی ہیں۔ یہ پورا ضلع تقریباً راج بتیا کے علاقہ میں ہے۔ راجہ صاحب بتیا نے ایک انگریز کو منیجر ریاست بنایا تھا۔ اس نے ہندوستانی و دیسی ٹھیکہ داروں کو ہٹا کر ساری ریاست انگریز ٹھیکہ داروں کو سپرد کر دی۔ صورت یہ نکالی کہ ریاست کچھ قرضدار تھی منیجر صاحب نے ٹھیکہ لینے والے انگریزوں سے بیش قرار نذرانے لیکر مواضع اور پرگنجات کا استمراری بندوبست انکے نام نسلاً بعد نسلٍ کر دیا۔ ریاست کو اس انتظام میں اداے قرض کے لئے تو کافی روپیہ مل گیا لیکن سالانہ آمدنی کئی لاکھ روپیہ گھٹ گئی کیونکہ دس دس ہزار روپیہ نکاسی کا موضع پانسو یا ایک ہزار سالانہ خراج پر بندوبست استمراری کر دیا گیا تھا۔ اور ریاست بے اختیار ہو گئی تھی۔ راجہ صاحب فوت ہو گئے۔ اولاد کوئی تھی نہیں منیجر صاحب بہادر نے بیوہ رانی کو بیدخل کر دیا۔ گورنمنٹ میں رپورٹ کر دی کہ رانی انتظام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ریاست کورٹ آف وارڈس میں آگئی۔ اب منیجر صاحب کورٹ کے ملازم ہیں ایک صدی سے ایک پادری صاحب یہاں آسن جمائے بیٹھے ہیں۔ کئی ہزار اچھوت ہندوؤں کو مسیح کے گلہ میں داخل کر چکے اور انکی تعداد بڑھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی ریاست کے علاقہ میں معقول ہے لیکن سب تو مسلم جاہل اور کاشتکار ہیں۔ اب چند آدمی انھیں سے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں شاید انکی کوشش سے بہتری کی شکل نکل آئے۔

ضلع چمپارن میں مسلمان زمیندار ایک بھی نہیں قصبہ موتیہاری جدید آباد ہے۔ یہاں اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء سے

انجمن اسلامیہ قائم ہوئی ہے۔ آمدنی للعہ ماہوار غیر مستقل چندہ کی ہے۔ ایک مدرسہ اسلامیہ انجمن کی طرف سے کھولدیا گیا ہے۔ اسمیں ٹھاک کے عربی مدرسہ کا نصاب پڑھایا جائیگا۔ منشی لعل محمد صاحب سکریٹری ! ورچان بہار مولوی محمد جان صاحب گورنمنٹ پلیڈر صدر انجمن ہیں۔ مولوی جان محمد صاحب کے والد کا یستھ قوم کے فرد اور ہندو تھے۔ وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ چھ سات بھائی ہیں سب تعلیم یافتہ اور خوش حال ہیں۔ آپ جہانتک ہوتا ہے تمام قومی کاموں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔

**بلتیا** - ۲۵ - مارچ کو بتیا آگر مولوی مظہر عالم سب حبسٹرار کا مہمان ہوا۔ آپ پٹنہ کے باشندہ تھے مگر دو پشت سے بتیا میں سکونت ہے۔ ذاتی مکان بنا لیا ہے اور کچھ جائداد بھی پیدا کرلی ہے ۱۳۱۲ھ سے بتیا میں ایک مدرسہ قایم ہے اردو۔ فارسی۔ عربی۔ حفظ قرآن کے درجے اسمیں ہیں حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ مولوی نیک محمد صاحب ساکن راولپنڈی۔ عالم۔ اور اسکے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ جامع مسجد کے امام بھی ہیں۔ مدرسہ میں سوقت ۸۷ طلبہ ہیں۔ اور چار مدرس۔ خرچ عـــہ روپیہ ماہوار ہے۔ آمدنی اکیسو عـــہ روپیہ ماہوار کی ہے للعہ گورنمنٹ۔ عـــہ ریاست۔ عـــہ میونسپلٹی۔ اور عـــہ عام چندہ سے ماہوار آجاتے ہیں تعلیم اور انتظام ابھی درست نہیں۔ لڑکیوں کے بھی دو تین مدرسے ہیں مگر بیکار۔

مدرسہ اسلامیہ کے سکریٹری حافظ محمد ثانی صاحب اور صدر انجمن مولوی مظہر عالم صاحب سب رجسٹرار ہیں۔ جامع مسجد مدرسہ کے قریب واقع ہے۔ مدرسہ کی عمارت تین چار ہزار روپیہ لاگت کی ہوگی ایک ہزار عطیہ گورنمنٹ۔ چھ سو روپیہ راج کی طرف سے۔ اور باقی مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر ہوئی ہے۔

راجہ صاحب کا محل گیسٹ ہاؤس۔ راج اسپتال۔ مینا بازار۔ وغیرہ نفیس و اعلیٰ درجہ کی عمارتیں ہیں اور راج میں کورٹ آف وارڈس کی وجہ سے ظاہری نمود اور شکوہ کی وافر مقدار پائی جاتی ہے۔

مسلمان طلبہ نے یہاں ایک مسلم کلب بھی ۱۹۱۰ء میں قائم کیا۔ پہلے چند اخبار آتے تھے۔ شیخ مولوی غلام اکبر صاحب بیگ ساکن بنپر ضلع پٹنہ ایکسال سے اسکے سکریٹری ہوئے ہیں۔ اور اسکو ترقی دے رہے ہیں کلب کی خاص عمارت نہیں۔ امام باڑہ کے ایک کمرہ میں رکھا گیا ہے اردو اور انگریزی کے متعدد اخبار اور رسالے آتے ہیں۔ حافظ محمد ثانی صاحب اسکے پریزیڈنٹ ہیں اور چندہ ممبری آمدنی کا ذریعہ ہے۔

۲۹- مارچ کو بتیا سے واپس ہوا۔ اس دن کوئی بڑا اشنان تھا اور مسافروں کی بڑی کثرت تھی اور تکلیف دہ سفر تھا۔ میرا دل گھبرایا۔ اور سمستی پور جنکشن پر پہنچ کے ٹرین چھوڑ دی۔ مولوی غلام رسول خانصاحب ٹیلیگراف انسپکٹر کے پاس چلا گیا اور انکا مہمان ہوا۔ دوسرے دن بارو آیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ سعید میاں صاحب نیگرہ میں ہیں اور علیل ہیں۔ اور مجھکو وہاں بلایا ہے۔ رضا کریم صاحب سب رجسٹرار کا بھی اصرار ہوا۔ اسلئے نیگرہ آیا۔ یہ ایک قدیم بستی ہے۔ سادات کی آبادی ہے۔ مگر سب مفلوک الحال ہیں

۵- اپریل ۱۹ء کو باڑھ ضلع پٹنہ میں آیا۔ ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ باڑھ سب ڈویژن ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے بستی تک دو میل کی مسافت ہے۔ آبادی دریائے گنگ کے ساحل پر ہے۔ لوگوں سے مل رہا تھا۔ جناب سید شاہ احمد حسین صاحب کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے ملتے ہی اپنا مہمان بنا لیا۔ اور ڈاک بنگلہ سے میرا اسباب اٹھوا منگایا۔ بڑی راحت سے انکے یہاں رہا۔ باڑھ کا اصل نام بارہ بیچ تھا۔ یہاں اُماناتھ کا مندر ہندوؤں کا متبرک مقام ہے۔ اگھن میلہ کی پورنماشی کے دن اشنان ہوتا ہے۔ سید شاہ احمد حسین صاحب میرے میزبان قابل شاعر صاحب دیوان۔ اردو۔ فارسی میں ماہر کامل اور انگریزی بھی جانتے ہیں۔ شرح عقائد نسفی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ دیوان سید جعفر قلندر رح کے سجادہ نشین ہیں سید جعفر رح مخدوم بندہ نواز گیسو دراز رح کے حقیقی بھانجے۔ مرید اور خلیفہ تھے سلسلہ طریقت چشتیہ نظامیہ میں محمد شاہ کے عہد میں وارد سرزمین بہار ہوئے اور باڑھ میں سکونت اختیار کی۔ آپکا عرس ۲۴- ربیع الاول کو ہوتا ہے۔ مزار محلہ ولی پور میں ہے۔ اس خاندان کے پاس کوئی جاگیر اور معافی نہیں ہے۔ صرف التمغہ جائداد ہے۔ سجادہ صاحب ممدوح کے ایک بھتیجے سید احمد حسین صاحب رئیس خسرو پور ہیں وہ ۱۹۱۴ء سے خطاب خان بہادر پا چکے ہیں

غازی سید الہ بخش خان کا مزار محلہ سلیم پور میں ہے۔ یہ بزرگ شاہ جہانگیر کے زمانہ میں یہاں آئے اور باڑھ کے جادوں سے جہاد کر کے اسکو فتح کیا اور اسلام آباد بنایا۔ مزار پختہ چار دیواری کے احاطہ میں گنبد بنو کے نیچے واقع ہے۔

باڑھ سے دو تین میل پر موضع معصوم گنج ہے۔ یہ موضع معصوم خاں افغانی ملقب بہ معصوم شاہ نے آباد کیا تھا معصوم شاہ صاحب شیخ خلیل حقانی ملتانی کے خلیفہ تھے سلسلہ طریقت چشتیہ صابریہ میں۔ شیخ حقانی رح کا مزار موضع نوادہ میں ہے باڑھ کی کربلا میں شیخ بی بی ہوا کا مزار ہے۔ شاہجہاں کی بیٹی گیتی آرا بیگم نام سیف خاں کیساتھ لکھنؤ سے دہلی جا رہی

تھیں۔ باڑہ کے جاٹوں نے چھاپہ مارا شاہزادی نے بڑی دلیری کے ساتھ قزاقوں کا مقابلہ کیا اور مع تمام رفقا کے اسی جگہ شہید ہو گئیں۔ شہزادی کے مزار کے پائیں میں سیف خاں کا مرقد ہے۔ کتابہ قبر لارڈ کرزن کے زمانہ میں اکھڑوا لیا گیا۔

شیخ بہادر علی صاحب صدیقی خاں کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ دو پشت سے باڑہ میں آباد۔ اور صاحب وجاہت جاہ ہیں عہد انگریزی میں عروج حاصل کیا ہے آپکی بلند اقبال بیٹے ہیں منجملہ انکے ایک مسٹر احمد حسین خاں بیرسٹر و سب جج۔ اور دوسرے مسٹر علی حسین خانصاحب ہیں۔

باڑہ میں انصاری ہونکا بھی ایک خاندان ہے۔ مگر وہ اپنے آپکو سید کہتے ہیں۔ اور حالات اصل نسل سے ناواقف ہیں معلوم یہ ہوا کہ جہانگیر شاہ کے عہد میں محمود اور مسعود دو بھائی اس زمین میں آئے شیخ مسعود نے بہار میں قامت اختیار کی انصاری محلہ انکے نام سے قائم ہوا۔ اور دوسرے بھائی شیخ محمود دانشمند انصاری باڑہ میں آ رہے۔ انھوں نے یہاں انصاری محلہ بسایا۔ انکی قبر کے پاس ایک کتبہ ہے مگر پڑھا نہیں جا سکا مسجد پر جو پل کتبہ لگا ہے۔ بعہد شاہ نورالدین جہانگیر بناشد مسجد محمود و مسعود۔ چو جستم سال تاریخ بنایش + خرد گفتا بگو کہ شیخ محمود

مولوی سید شرف الدین صاحب۔ خاں بہادر ۱۸۹۳ء ٹرسٹی علیگڈھ کالج ۱۸۹۰ء فیلو کلکتہ یونیورسٹی ۱۸۹۰ء سابق متولی امام باڑہ ہگلی کلکتہ طبقات محسنیہ نامی ایک کتاب آپکی تصنیف ہے۔ اور عمدہ کتاب ہے۔ خان بہادر نواب میر علی صاحب سی۔ آئی۔ ای آخری پرائم منسٹر شاہ واجد علی مرحوم معزول فرمانروائے اودہ کی خاندان میں ممتاز فرد ہیں۔ آپکے برادر خورد مسٹر حسن الدین احمد صاحب اسسٹنٹ کمشنر و انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن صوبہ بہار و اڑیسہ تھے۔ افسوس کہ وہ رحلت کر گئے ہیں۔ انکے دو بیٹے ہیں اور دونوں سرکاری عہدہ پر ممتاز ہیں۔ متولی صاحب کے کوئی اولاد نہیں۔ اسی خاندان میں خان بہادر سید عبدالحمید صاحب بھی ہیں۔ جو ۱۹۱۶ء میں خان بہادر ہوئے ہیں۔ یہ خاندان اپنے آپکو بغدادی کہتا ہے۔ ہندوستان کی آمد کا زمانہ عہد شاہجہان ہے پہلے دہلی۔ اور بعد میں بریلی اور پھلواری میں وارد ہوئے مورث اعلیٰ جو باڑہ میں آئے مولوی سید وارث علی صاحب تھے۔ اور انکی اولاد یہ سب ہیں۔

شیخپورہ ضلع مونگیر در مونگیر سے مشرق میں ۱۸ میل کے فاصلہ پہ ہے قصبہ کی آبادی دامن کوہ سمبھر میں واقع ہے مخدوم شیخ بندگی شعیب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مخدوم الملک اس بستی کے بانی ہیں۔ اور آپکا مزار بستی کے پورب جانب

دامن کوہ میں ہے۔ مزار پختہ بلا گنبد چار دیواری میں بنا ہے اسکے برابر شیخ ارزانی مومن کی بنوائی ہوئی قناتی مسجد ہے
جسکو ۱۳۲۶ھ میں میر بشارت کریم نے ازسر نو درست کرایا۔ طرز عمارت سے قدامت کا پتا چلتا ہے۔ مخدوم صاحب
کا عرس ۱۱ و ۱۲ ربیع الثانی کو ہوتا ہے سلسلہ طریقت فردوسیہ ہے۔ کتاب مناقب الاصفیا تذکرہ بزرگان فردوسیہ
مخدوم شعیب رح کی تصنیف ہے قصبہ شیخپورہ کی متعلق بارہ گاؤں ہیں۔ اور انکے علاوہ مضافات کے تمام دیہاتوں
بھی سادات کی بستی ہے۔ یہ سب سید احمد جاجنیری حسنی الحسینی کی نسل سے ہیں۔ بڑے موضع کے نام یہ ہیں حسین آباد
مدام پور مانہ فیروز پور منڈو۔ محمد پور رکیاری سیغمبر پور۔ جوارہ جمجارہ۔ ندیاواں۔ کسل گڈھ۔ بردی گنڈہ
پٹرہیٹہ۔ پرگنہ امرتھو ضلع مونگیر سید احمد جاجنیری رح نے مگھ کے کفار سے جہاد کر کے یہ علاقہ فتح کیا تھا۔ انکے چار بیٹے حسب ذیل تھے
(۱) سید ماگھ۔ انکا مزار موضع بیجہ بندیس بہار سے تین کوس دکھن جانب ہے۔ (۲) سید جمال الدین۔ انکا
مزار موضع جمجارہ میں پہاڑ پر ہے۔ (۳) سید شاہ برہان الدین۔ انکا مزار موضع نجہریں دریائے گنگ کے اس پار ہے
(۴) سید شاہ محمد یوسف حسب سے چھوٹے تھے۔ انکا مزار موضع چوپڑا ضلع گیا میں ہے۔ مذکورہ بالا بارہ موضع
میں بارہ ترا انہیں چاروں صاحب کی اولاد آباد ہے۔ اور صوبہ بہار کے اکثر سادات بھی انہیں کی نسل سے ہیں۔

مخدوم شعیب رح قریشی تاج فقیہ بن ابی بکر کے بیٹے ہیں جو مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری رح کی بھی دادا ہیں
گویا مخدوم شعیب رح اور مخدوم الملک رح دونوں چچیرے بھائی ہیں۔ اب محلہ بیگی قصبہ شیخپورہ میں صرف چار گھر
مخدوم شعیب رح کی اولاد میں ہیں شاہ قمر الدین صاحب، شاہ منظر صاحب، شاہ عبدالحی صاحب اور شاہ
محی الدین صاحب۔ ان گھروں کے سرراہیں مظفر بلخی جو مخدوم الملک رح کے نہایت محبوب مرید اور خلیفہ تھے۔ سجادہ نشینی انکے
گھر میں ہے۔ جو نواسے بھی ہیں۔ اس خاندان میں شاہ وصی احمد صاحب مشہور ہیں۔ اور قصبہ میں سابق عزیز بیرسٹری اور وکالت سے بہرہ رہیں
شیخپورہ کے مومن شیوخ بھی خوشحال اور ترقی تعلیم میں تیز گام ہیں۔ انمیں کئی بیرسٹر ڈاکٹر
اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں لیکن ملازمت سرکاری کی وجہ سے دیگر مقامات پر تعینات ہیں۔ اس قصبہ میں شرفائے
سادات کی بہت کثیر آبادی تھی لیکن اب حالت اچھی نہیں علمی مذاق انمیں مفقود ہوا جاتا ہے۔ اور
قومی سود و بہبود کا کوئی واسطہ نہ رکھنے میں بہار کی عام حالت یہاں بھی پائی جاتی ہے شیعہ خاندان بھی کئی ایک ہیں
حسین آباد کے نواب اوگان شیعہ ہیں۔ اور بڑے صاحب ریاست ہیں حسین آباد شیخپورہ سے دو کوس ہے

اس خاندان کے سربرآوردہ ارکان نواب زادہ ولایت علی خانصاحب و نواب زادہ ابرار علی خانصاحب ہیں
خاندان کے پاس مجموعی طور سے دو لاکھ روپیہ سالانہ محاصل کی ریاست ہے۔ مگر علم و ہنر۔ لیاقت و تہذیب کی طرف
توجہ نہیں۔ موجودہ رئیس خاندان ریاست کے نواسے ہیں۔ مادری ترکہ پر قابض ہیں۔ اسی ہزار سالانہ آمدنی کی
دو ریاستیں مصارف عزاداری کے لئے وقف ہیں۔ خاندان کا عروج نواب علی خانصاحب کے وقت سے
ہوا ہے۔ انکو خان بہادر اور نواب کا خطاب گورنمنٹ سے تھا۔

شیخپورہ میں ایک علم دوست بزرگ حافظ وزیر علی صاحب ملقب بہ حشمت شاہ۔ سے نیاز حاصل ہوا
آپ سلسلۂ وارثیہ میں بیعت۔ حافظ قرآن اور وسیع المعلومات آدمی ہیں۔ مخدوم ؒ کے حالات میں
ایک کتاب "سیرۃ الشعیب" تالیف فرمائی ہے۔ آپسے یہاں کے حالات معلوم کرنے میں مجھکو بہت بڑی مدد ملی
شیخپورہ کی سی شرفا کی بستی میں کسی اسلامی یا غیر اسلامی مدرسہ یا انجمن وغیرہ کا نہ ہونا سخت اندوہناک ہے

مرچا۔ شیخپورہ سے ۱۳۔ اپریل کو مرچا ریاست کی طرف روانہ ہوا۔ جمونی تک ریل پر آیا شام کو
جمونی میں پہنچا۔ اور ڈاک بنگلہ میں کسی غیر عہدہ دار کے نہ ٹھہر سکنے کی وجہ سے قیام میں دقت پیش آئی۔
صبح ہوتے ہی سواری ٹمٹم مرچا پہنچا۔ عبدالحمید خانصاحب رئیس مرچا نے کمال خلق و محبت کا برتاؤ فرمایا۔
یہ ریاست راج کھیرا کی ایک شاخ ہے کھیرا کے راج کی بنیاد ویر بکرم سنگھ راجپوت چندیل نے ڈالی تھی۔ انکی
اکیسویں (۲۱) پشت میں راجہ پرتاپ نراین سنگھ صاحب ۱۲۷۳ف میں مشرف باسلام ہو گئے اور مرچا کو
اپنا مستقر بنا لیا۔ اسی وقت سے مرچا ایک اسلامی ریاست ہے۔ راجہ صاحب ممدوح کا اسلامی نام راؤ عبدالرحمن خانصاحب
تھا آپنے ۱۳۱۹ف میں وفات پائی۔ آپکے چار فرزندان ارجمند ہیں۔ سرآمد خاندان و منتظم ریاست عبدالمجید خان
صاحب و عبدالحمید خانصاحب ہیں۔ انکے دو چھوٹے بھائی عبدالکریم خان و عبدالحکیم خانصاحب ہیں اور
مرحوم راؤ صاحب کے دو پوتے عبدالعزیز خان و محمد اسمعیل خان ہیں۔ مرچا اسلام آباد ہے۔ چھوٹی سی خوشنما
مسجد بنی ہوئی ہے۔ خاندان کے تمام افراد ماشاء اللہ ارکان اسلام کے پورے پابند ہیں۔ نماز جماعت سے ہوتی ہے
عبدالحمید خانصاحب کارپرداز ریاست ہونیکے علاوہ جمونی کے آنریری بنچ مجسٹریٹ بھی ہیں نہایت
عالی ہمت۔ شریف الطبع۔ خوش اخلاق۔ اور مسافر دوست ہیں۔ انکے اخلاق کریمانہ سے دل بیحد خوش ہوا

۱۵-اپریل کو مرچا سے واپس ہو کر بیرونی اور پھر بارہ ۱۸-اپریل کو بھگوتی ایجوکیشنل کانفرنس میں ہمراہ مولوی زین العابدین صاحب و مولوی محمد طاہر صاحب وکیل صدر انجمن اجلاس کانفرنس مذکور گیا۔ پوریڈ اسٹیشن تک ریلوے سفر رہا۔ اسٹیشن مذکور پر استقبال کرنے والی جماعت موجود تھی۔ صاحب صدر کی پذیرائی کرکے انکو مع ہمراہیاں بھگوتی لیگئی۔ پارٹی مسٹر محمد سلیم عرف بھولا بابو صاحب کے یہاں مقیم ہوئی۔ بھگوتی ایجوکیشنل سوسائٹی کے آپ مستقل پریزیڈنٹ ہیں۔ ۱۹-اپریل ۱۹۱۸ء کی صبح سے کانفرنس کے اجلاس شروع ہوگئے مجھکو ان جلسوں میں تین تقریریں کرنی پڑیں۔

اس سوسائٹی نے نومبر ۱۹۰۹ء سے بھگوتی میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم کر رکھا ہے۔ عربی فارسی اردو حساب۔ انگریزی۔ اور حفظ قرآن کی تعلیم معقول طریقہ سے ہو رہی ہے۔ صرف نو سال میں اس مدرسہ نے بہت سے لڑکے اپر پرائمر انگریزی مدارس میں اور چند کالج کلاسوں میں پہنچائے ہیں۔ انکی مجموعی تعداد سترہ ہے۔ اور اسی قدر طلبہ مکمل حافظ قرآن ہو چکے ہیں۔ ۴ درجے انگریزی کے اور ۸ درجے ابتدائی اردو اور عربی تعلیم کے قایم ہیں۔ ایک درجہ خاص حفظ قرآن کا ہے۔ ۱۶ طلبہ انگریزی درجہ میں ہیں۔ ابتدائی اردو عربی درجوں میں ۴۶ طلبہ۔ اور حفظ قرآن میں ۴۲ طلبہ۔ جملہ ایکسو چار فرزندان اسلام زیر تعلیم ہیں۔ پانچ مدرس ہیں۔ سال گذشتہ میں [illegible] روپیہ آمدنی اور [illegible] روپیہ خرچ ہوا۔ بچت [illegible] روپیہ سابقہ سرمایہ مجتمعہ [illegible] روپیہ سے ملکر اب [illegible] روپیہ نقد سرمایہ موجود ہے۔ اور تازہ آمدنی دو ہزار روپیہ ہوئی۔ بحمد اللہ یہ مدرسہ ترقی کر رہا ہے طلبا سے کوئی فیس نہیں لیجاتی۔ ۳۶ طلبہ جاگیر پر رہتے ہیں۔ مدرسہ کا خود مکان ہے۔ [illegible] اسکی تعمیر پر خرچ ہوئے ہیں۔ سکرٹری مسٹر محمد نعیم صاحب وکیل۔ اور صدر انجمن اور سوسائٹی و مدرسہ کی جان مولوی محمد سلیم صاحب ہیں۔ انہیں کی پامردی سے یہ کام چل رہا ہے۔

بھگوتی۔ مع ڈیڑھ درجن دیہات مضافات وجوار کے روح حیات یعنی ترقی علم کی سعی میں سرگرم ہے۔ ان مواضع میں موضع رحیم آباد مولانا عبد العزیز مرحوم محدث کی جائے ولادت اور مدفن ہے۔ مولانا مرحوم بڑے پایہ کے عالم تھے۔ مشکوۃ شریف کا ترجمہ اردو میں فرمایا جسکا نام "طریقۃ النجات" ہے۔ و اور بزرگ شیخ قطب الدین عرف پیر ازغیب اور شاہ نعمت اللہ اولیا کے مزار بھیرو گنڈہ میں ہیں۔ مخدوم

شاہ نعمت اللہ اولیا بھرگڈہ کی اولاد جو موضع میں آباد ہے۔ یہاں اپنے مورث اعلیٰ کی آمد کا زمانہ شاہاں لودی کا عہد بتائی ہے۔ مگر سنہ و تاریخ سے لاعلم ہیں۔

بھگونی سب ڈویژن سمستی پور ضلع دربھنگہ کا ہے۔ اور دربھنگہ سے جنوب مشرقی گوشہ میں ۳۰ کوس پر واقع ہے۔ اسکے اور دربھنگہ کے مابین دریائے گنڈک و باگمتی۔ جو چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں واں ہیں۔ اس تعلقہ میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر شیوخ اور خاصکر شیوخ صدیقی پر مشتمل ہے۔ اور اسکے بعد پٹھان اور پھر سادات کی تعداد ہے۔ سب عالی حوصلہ صاحب ہمت اور قومی جوش سے بہرہ ور ہیں۔ نئی پودہ میں کام کرنیکا ولولہ بڑھ رہا ہے اور امید ہے کہ سربلندی حاصل کرینگے۔ مسلمان وکلاء اور مختاران کی کافی تعداد ہے۔ یہاں مسلمانوں میں مالی حالت بابو محمد سلیم صاحب عرف بھولو میاں کی سب سے اچھی ہے۔

۱۰۔ رجب ۱۳۳۷ھ کو محب قلبی سہراب علی خاں کی رفیقہ زندگی اور سلیقہ مند بی بی دنیا سے آخرت کا سفر کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ نے چھوٹے بچے اور غمزدہ شوہر چھوڑا ہے۔ سہراب علی بہت پریشان ہیں۔ مجھکو بلایا ہے۔ عزیز دوست کی شرکت الم ضروری ہے۔ رہا نہیں گیا۔ چھرو پور پہنچا اور ۱۶ دن وہاں رہکر ۱۰ مئی ۱۹۱۹ء کو پھر یارو واپس آیا۔

سعید میاں کے ساتھ موضع ماتہ اور پھر کنڈہ کو گیا۔ گرمی کی شدت نے پریشان کر ڈالا۔ چھوٹی آکر سید جبار صاحب کے یہاں گزٹ دیکھنے گیا کہ اختر سلمہ کا نتیجہ امتحان معلوم کروں۔ سید جبار صاحب مرد شریف ساکن بھاگلپور۔ اور مولانا شہباز بھاگلپوری کے خاندان کے فرد ہیں۔ آپ سے مولانا کے حالات معلوم کرنے چاہے۔ کتاب صحیفہ شہبازیہ اردو ترجمہ مولوی محمد یونس صاحب بہاری سپرنٹنڈنٹ مدرسہ حسامیہ کیملا۔ اینگال سے ماخوذ ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں سلسلہ کے ایک بزرگ محمد محترم صاحب نے لکھی تھی۔ اور مولانا شہباز کی وفات کے ڈیڑھ صدی بعد یہ کتاب تالیف کی تھی۔ خلاصتہً حسب ذیل لکھتا ہوں۔

مولانا شہباز رحمہ مولانا سید شاہ جلال الدین بخاری کی اولاد تھے۔ خاندان کے ایک بزرگ حاجی سید خیر الدین مع اپنے فرزند سید خطاب اللہ کے حج و زیارت سے فارغ ہوکر ہندوستان کے مقام دیواہ سرزمین بنگال میں آرہے۔ انکے بیٹے مولانا شہباز رحمہ مخدوم الملک بہاری رحمہ کے معاصر تھے۔ اور بھاگلپور کی ولایت آپکو ملی تھی۔ آپکا

سنہ ہی فاتح بہار و اڑیسہ میں ہوا کرتا ہے مشہور خلفاء آپکے خواجہ علی نگرودی شاہ مجیب اللہ پھلواری مولنا صفی الدین سیالکوٹی۔ مولنا شاہ محمد اجمل الہ آبادی۔ وغیرہ ہیں۔ آپکی تاریخ ولادت سنہ ۹۵۶ھ اور سنہ وصال سنہ ۱۰۵۱ھ ہے۔ ۱۶ صفر روز پنجشنبہ کو ۹۵ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ یہی عرس کی تاریخ ہے۔

**بھاگلپور**۔ ۲۵ مئی کو بھاگلپور آیا۔ شاہ فتح عالم صاحب کے یہاں قیام کیا۔ شہر دریائے گنگ کے کنارہ پر آباد ہے۔ بہار میں تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ کلکتہ سے کشتیوں پر مال تجارت یہاں آتا ہے۔ جہاز بھی آتے ہیں۔ دریا کے کنارے ایک بلند ٹیلہ پر مخدوم ملک جنگلی کا مزار بنا ہے۔ محلہ چمپا نالہ کے متصل دو فرحت بخش جگہ ہے اسپر یہ کتبہ لگا ہے۔

آز انتظام اضعف عباد اللہ خواجہ احمد سمرقندی کہ حسب الحکم نواب قدسی القاب شاہزادہ عالمیان شاہ پرویز جہانگیر بخدمتہ صوبہ داری۔ سرکار منگیر آمدہ بود بہ بنائے عمارت۔

ایں روضۂ منورہ توفیق یافت ❊ ہزار وسی و دو ہجری ۱۰۳۲ھ"

بھاگلپور میں مسلمانوں کی بھی بہت بڑی آبادی تھی۔ محلوں کے نام اسکے شاہد ہیں۔ ہر محلہ میں چھوٹی چھوٹی پرانی مسجدیں بنی ہیں۔ انمیں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو وہی ایک ہے۔ طرز عمارت سبکا یکساں اور قدیم ہے۔ گنبد سب میں ہیں۔ منارے زیادہ بلند نہیں۔ محلہ قاضی چک کی مسجد اچھی حالت میں ہے۔ اسکے تین گنبد ہیں۔ اور بلحاظ وسعت متوسط درجہ کی ہے کتبہ تاریخ یہ ہے

| | | |
|---|---|---|
| گفت تاریخ انصرامش ہاتف غیب از صمد | | دائما آباد باد امسجد قاضی آباد سنہ ۱۰۹۷ھ |

یہ قاضیوں کا محلہ تھا۔ اب خاندان میں کوئی نامی شخص باقی نہیں۔ محلہ مشائخ چک میں مختصر سی قدیم مسجد ہے۔ کتبہ نہیں ہے۔ حالت شکستہ ہے۔ لب گنگا پختہ قبہ دار مقبرہ کی نفیس عمارت ابراہیم حسین کا مقبرہ کہلاتی ہے۔ قطب خاں و غوث خاں کے مقبرے بھی اچھے بنے تھے مگر اب منہدم ہو گئے ہیں۔

خان بہادر علی احمد صاحب۔ شیخ منگل کوٹ ضلع بردوان کے اصلی باشندے۔ بھاگلپور

میں سشن جج تھے۔ ۱۹۱۴ء میں خان بہادر ہوئے۔ آنریری مجسٹریٹ۔ اور سٹوڈنٹ فنڈ بھاگلپور کے سکرٹری ہیں۔ بھاگلپور میں سکونت اختیار کرلی ہے۔

سید شاہ فتح عالم صاحب سجادہ نشین درگاہ پیر و مڑیا محلہ خلیفہ باغ میں رہتے ہیں سادات زیدی ہیں۔ اُن کے مورث اعلیٰ سید شاہ قاسم ہندوستان میں آکر میرٹھ میں سکونت گزین ہوئے۔ بہار میں سید حسن واسطی میرٹھ سے آئے۔ وہ حسن پورہ سیوان ضلع چھپرہ میں فوت ہو گئے ان اطراف میں پیرو مڑیا کے نام سے مشہور ہیں۔ انکے تین فرزند سید مبارک۔ سید احمد۔ اور سید حسن تھے۔ ان ہر سہ صاحبان کی اولاد آجتک مینا پور چھپرہ۔ اور سیوان وغیرہ میں آباد ہے۔ سید حسن صاحب کا مزار سلطانپور ضلع بھاگلپور میں ہے۔ اُنکے پوتے سید شاہ علی احمد صاحب سہروردیہ قادریہ سلسلہ کے ایک شیخ ہوئے۔ خاندان انکا موجود ہے۔ عہد شاہی میں کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر تھی۔ اب کچھ بھی نہیں تھوڑی سی ذاتی ملکوبہ جائداد ہے۔ فرامین معافی شاہجہاں وغیرہ کے میں نے خود دیکھے ہیں۔

سید شاہ فتح عالم صاحب نہایت خوبی اور اخلاق کے آدمی ہیں۔

آنریبل مسٹر محمد نعیم صاحب بیرسٹر ایٹ لا شیخپورہ مونگیر کے رئیس۔ سید عالی نسب احمد جاجنیری کی اولاد سے ہیں ۱۹۰۸ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر۔ اور ڈسٹرکٹ لیگ بھاگلپور کے سکرٹری ہیں ۱۹۱۶ء میں بہار کونسل کے ممبر ہوئے۔ مسلم اسٹوڈنٹ اسکالرشپ فنڈ قائم کر دینا آپ ہی کا کام ہے۔ یہ فنڈ ۱۹۱۲ء سے قائم ہوا۔ اور ہزاروں روپیہ مسلمان طلبہ کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں خرچ کر چکا ہے۔

بھاگلپور تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں کا تسری کپڑا تمام ہندوستان میں مشہور ہے جولاہے بہت مالدار اور خوشحال ہیں مگر بے حس ہیں۔ انمیں تعلیمی جوش ابتک پیدا نہیں ہوا ہے اس شہر میں عام اسلامی زندگی ابتر حالت میں ہے۔

جمالپور۔ ایسٹ انڈیا ریلوے کا ایک ورکشاپ یہاں ہے۔ پنجاب کے چند زندہ دل

مسلمان تاجروں نے جو یہاں کاروبار کرتے ہیں مسلمان مزدوروں کی جماعت کو جوش دلا کر انجمن اور مدرسۂ اسلامیہ قائم کیا ہے۔ یہ مدرسہ مڈل تک اور انگریزی اسکول ہے۔ انگریز اعلیٰ ملازمین کارخانہ بھی اس میں اعانت فرماتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت ریلوے بورڈ نے بنوادی ہے اور نفیس عمارت بنوائی ہے۔ مولوی عبدالغنی صاحب سوداگر اس اسکول کی کمیٹی کے صدر ہیں۔ انکے والد اس کارخانہ میں مستری تھے۔ مولوی صاحب بڑے باخدا آدمی ہیں اور یہ مدرسہ انھیں کے دم قدم سے قائم ہوا ہے۔

**پورنیا**۔ ۱۶ جون کو آیا۔ لین بازار میں مولوی محمد شریف صاحب بیرسٹر گورنمنٹ پلیڈر کی کوٹھی پر مقیم ہوں۔ اس شہر کی آبادی عجیب قسم کی ہے۔ ہر محلہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے کوس کوس بھر فاصلہ پر آبادی ہے۔ لین بازار سے شہر تک ایک کوس کا فصل ہے۔ محلہ جعفری باغ میں میر فیاض علی صاحب کے مکان کی پشت پر ایک قدیم مسجد ہے اور اسمیں سیف خاں کا مزار بتایا جاتا ہے۔ کتبہ نہیں ہے۔ سیف خاں آغا سیف خاں ایرانی ہمراہیان شوکت جنگ سے تھے۔ انکی اولاد اب بدنیتی ہے۔ شوکت جنگ کے مکانات۔ انکا مقبرہ۔ اور خاندانی قبرستان سنہ موجودہ شہر سے شمالی مغربی سمت میں دو میل کے فاصلہ پر اور جنگل میں واقع ہیں۔ اس محلہ کا میاں بازار نام ہے اور کالج کی عمارت کے قریب ہے کھنڈروں کی پاسبانی ابابیل کے حصّہ میں آئی ہے۔ میں نے جاکر دیکھا کسی قبر پر کتبہ نہیں ملا اور نہ صاف معلوم ہوسکا کہ شوکت جنگ کا مزار کون سا ہے۔

قلعۂ جلال گڈھ بھی قدیم اسلامی یادگار ہے۔ اب اسکے صرف کھنڈر رہ گئے ہیں۔ اس ضلع میں پیپراہا۔ اور کھگیڑا۔ دو قدیم ریاستیں ہیں۔ اور نو دولت لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس ضلع میں مسلمانوں کی آبادی اور دولت مندی بہت ہے۔ شادی دختر میں جہیز میں مویشی دیتے اور دعوت میں دہی چیوڑا کھلانے کی رسم ابتک موجود ہے۔ دیہات میں ہر گھر کے اندر ایک خدا کا گھر بھی ہوتا ہے۔ جسمیں عورتیں سجدہ کرتی اور منتیں مانتی ہیں۔

مولوی محمد شریف صاحب بیرسٹر ساکن شیخپورہ ضلع مونگیر دیوبند کے تعلیم یافتہ مولوی تھے کچھ انگریزی پڑھکر پورنیا میں مختاری کرتے رہے۔ آمدنی سے پس انداز کیا اور اتنی رقم جمع کرلی کہ ولایت

جا کر بیرسٹری پاس کر آئے۔ اب پورنیا میں گورنمنٹ پلیڈر ہیں۔ اور اس سارے ضلع میں ایک محب قوم فرد ہیں۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں۔

کٹھیار۔ پورنیا سے یہاں آیا عبدالعزیز صاحب وکیل ساکن منگلی کا مہمان ہوا۔ یہ ریلوے جنکشن ہے۔ پورنیا کشن گنج۔ اور موتیہاری کو ٹرینیں یہاں سے جاتی ہیں۔ یہاں چودھری محمد بخش صاحب کلال ایک مالدار آدمی ہیں۔ چودھری محمد بخش صاحب گیا میں کارخانہ کشید شراب کے مالک اور ضلع پورنیا میں بہت سی دوکانوں کے ٹھیکہ دار ہیں۔ زمینداری بھی خرید رہے ہیں۔

بارو۔ آغاز فروری سے آخر جون تک پانچ ماہ۔ بارو میرا صدر مقام رہا قصبہ بارو سادات کی بستی ہے۔ شرفاء تعلیم اور علم دوست ہیں۔ ملازمت گورنمنٹ اور دربار رسی رکھتے ہیں۔ اس قصبہ کے معزز خاندان میں خان بہادر مولوی محمد طاہر صاحب وکیل ہائی کورٹ پٹنہ۔ اور ان کے بڑے بھائی مولوی سید زین العابدین صاحب ہیڈ آف فیملی ہیں۔ مولوی طاہر صاحب ۱۹۱۲ء میں خان بہادر ہوئے۔ عربی داں و انگریزی میں بی۔ اے۔ بی۔ ایل ہیں۔ اصل سکونت دیاپور ضلع پٹنہ کی ہے۔ مگر والد صاحب کے وقت سے بارو میں مقیم ہو گئے ہیں۔ مولوی زین العابدین صاحب عجب خوبی کے انسان اور بیحد خلیق و ہمدرد قوم ہیں۔

چھپرہ ۸۔ جولائی کو چھپرہ آیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل کے یہاں قیام کیا ہے۔ ۱۰۔ جولائی کچہری کے بار روم میں پہنچا۔ طبقہ وکلاء یہاں بھی قومی کاموں سے بد مذاق ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے انجمن ترقی اُردو کی لائبریری کھولنے کی تحریک فرمائی۔ میری موجودگی نے لوگوں کو یہ تحریک منظور کرنے کی ترغیب دی۔ وکلاء میں مسٹر افضل علی بیرسٹر ساکن بنارس اچھے پریکٹشنر اور متین و سنجیدہ ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بیحد خوبی کے بزرگ اور قومی کاموں میں حصہ لینے والے۔ اس بار روم میں فرد ہیں۔

چھپرہ میں مولوی اصغر علی صاحب زمیندار۔ شیخ جعفری زینبی۔ اچھی حالت کھلنے

ہیں۔ مہدا وان ضلع پٹنہ کے باشندہ تھے۔ ان کے والد مولوی مظہر حسین صاحب نے یہاں زمینداری خریدلی اور طرح اقامت ڈال دی۔ اب یہیں سکونت ہے۔ عربی کے فاضل۔ علم ادب اور تاریخ کے ماہر۔ انگریزی بھی اچھی جانتے ہیں۔ معقول کتب خانہ رکھتے ہیں۔ ترجمہ کا خاص مذاق ہے۔ ہربرٹ اسپینسر کی کتاب "فرسٹ پرنسپل" کے ڈیڑھ پارٹ کا ترجمہ کیا ہے۔ مضامین فلسفہ کانٹ ٹالسٹائے کے مترجم ہیں۔ لیکن کوئی کتاب اب تک شائع نہیں کی ہے۔

ایک اسلامیہ اسکول برائے نام چھپرہ میں ہے۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ کی امداد کچھ حالت سنبھال دے۔ آنریری سکریٹری مدرسہ مسٹر علی صاحب ہیں۔

**زیب النسا بیگم صاحبہ** ۔ مسٹر علی اکبر۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل کی خاتون اردو و انگریزی سے واقف۔ تمام زنانہ رسالجات میں عمدہ مضامین لکھتی ہیں۔ قومی معاملات پر اخباری رائے دیتی ہیں۔ کم سن ہیں۔ مگر طبیعت علمی فروق سے مالا مال ہے۔

**چھپرہ** کا دوسرا نام سارن ہے۔ عہد شاہی میں "سرکار سارن" کے نام سے مشہور تھا۔ عہد برطانوی میں اسکا ہیڈ کوارٹر پہلے چرانڈ ہوا۔ چرانڈ ہندوؤں کی قدیم بستی اور مذہبی تفوق رکھتی تھی۔ اب بھی ایک نہر مقدس کی جگہ ہے۔ اب ضلع کا صدر مقام چھپرہ میں ہے۔ یہاں تیس چالیس سال سے ایک پبلک لائبریری قائم ہے۔ اسکے بانی ایک مسلمان تھے۔ عربی۔ اردو۔ اور فارسی کی بہترین کتابیں اسمیں ہیں۔ تمام پبلک اس سے فیض حاصل کرتی ہے۔ آٹھ دس سال سے اس لائبریری کی صدارت پر جج یا کلکٹر ضلع رہتا ہے۔ اسوجہ سے عربی و فارسی کتابوں کا ذخیرہ خراب اور انگریزی ناولوں کا سرمایہ افزوں ہو رہا ہے۔ لائبریری کی عمارت پرفضا باغ میں نہایت عمدہ بنی تھی۔ احاطہ خوب

وسیع تھا۔ مگر اب عمارت مشن کے پادری صاحبان کے پاس چلی گئی۔ اور کتبخانہ کی کتابیں برآمدہ ٹاؤن ہال میں پڑی سڑ رہی ہیں۔

سید راحت حسین صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ مصنف القمر۔ التحمل۔ و نیرنگ ارض۔ ایک قابل اہل قلم ہیں۔ آپ اسی ضلع کے رہنے والے ہیں۔

سیوان۔ ۱۹ جولائی کو سیوان آکر مسٹر محمد حبیب الرحمن صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ آپ کے والد تاجر تھے اور بزرگ بھی تجارت کرتے آئے تھے۔ خدا نے کام میں برکت دی۔ زمینداری خریدی۔ آدمی کام کے ہیں۔ انگریزی اسکول۔ انجمن یتیم خانہ مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے۔ (۱۶) طلبہ اسکول میں ہیں۔ تعلیم و تربیت توجہ اور کوشش کی محتاج ہے۔ سیوان چھپرہ کا سب ڈویژن ہے۔ اکثر مسلمان تجارت پیشہ۔ مالدار۔ اور خوشحال زمیندار ہیں۔ شیخ گلزار مومن کا خاندان اور نور محمد رائنی عرف نوری میاں کا خاندان۔ لکھ پتی ہے۔ نوری میاں کی ذاتی شوگر مل ہے۔ چاول ڈھال قدیم ہے۔ اور یہی اونکی خوشحالی کا رازہ ہے۔ قدیم و شریف گھرانا نواب اسماعیل علی خاں صاحب کا ہے۔

بنگال و بہار سے بھلسہ کو واپس ہوا۔ بنارس میں عزیزوں کی دید وادید کے لئے ٹھہر گیا۔ وہاں بخار نے دس دن مدہوش رکھا۔ صحت بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بھلسہ آگیا۔ اور بھوپال میں علاج کر کے تندرستی بحال کی۔ بھلسہ میں اسلامیہ مدرسہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ میں جس وقت سے بھلسہ میں آیا ہوں۔ مدرسہ کی فکر رہی ہے۔ آخر خدائے پاک کی مدد سے انجمن معین الاسلام کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم کے ساتھ ہو گیا۔ اور اُسی جلسہ میں مدرسہ کھول دیا گیا۔ اب خدا ہی اسکے بقا و قیام کا ضامن ہے۔

# دورہ راجپوتانہ

وسط اکتوبر ۱۹ء تک بھلسہ میں قیام اور آرام کر کے راجپوتانہ اور وسط ہند کے سفر کا تہیہ کیا۔ ۲۰۔ اکتوبر کو بھلسہ سے روانہ ہوا۔ ۲۱۔ کو کوٹہ پہنچا۔ یہ راجپوت راجہ کی ریاست ہے۔ کبھی یہاں تمام اعلیٰ مناصب پر مسلمان مامور رہتے تھے۔ اب اس دور تعصب میں برائے نام چند مسلمان ریاست کی ملازمت میں رہ گئے ہیں۔ یہاں آکر پہلے سرا میں ٹھہر گیا تھا۔ دوسرے دن لوگوں سے ملتا ملاتا سید محمود الحسن صاحب وکیل کے یہاں پہنچا۔ اور انکی ہمدردی و اخلاق کا گرویدہ ہو کر انکا مہمان بنگیا۔ وکیل صاحب کا ادبی مذاق بہت اچھا ہے۔ اور عمدہ کتب خانہ جمع کر لیا ہے + میرے کام میں معین ہوئے۔ اور کوٹہ کے قاضی شہر قاضی فیض محمد صاحب نے بڑی امداد فرمائی۔ پیر عارف علی شاہ صاحب بھی بڑے مددگار رہے + قاضی صاحب کا خاندان شہنشاہ اکبر کے عہد سے اس شہر کی قضاءت رکھتا ہے۔ کوٹہ کی آبادی عہد شاہنشاہ جہانگیر میں ہوئی ہے۔

باراں۔ مولوی قطب الدین صاحب بہیچاری کی معیت میں دو دن کے لئے کوٹہ سے باراں آیا۔ رفیق صاحب دل کی وجہ سے سفر پر لطف رہا۔ باراں میں عالمگیر غازی کے عہد کی ایک مختصر مسجد شکستہ حالت میں پڑی ہے اسکی درستی کی اب کیا امید کیجائے مسجد کا کتبہ حسب ذیل ہے :۔

"در عہد خلافت حضور ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر شاہ عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ابد ا بعمل سیادت و امانت پناہ محمد واسع امین باقی بیت اللہ ثانی محمد شفیع مازندرانی فی التاریخ ہفتم شہر جمادی الثانی سنہ ۲۳ جلوس والا تیر ماہ الٰہی سنہ ۱۰۹۱ ہجری مقدسہ مطابق نومی سودہ آسارہ ماہ تیری سنہ ۲۶ف"

باراں میں قاضی سید نذیر محمد صاحب کے یہاں کئی شاہی فرامین دیکھے۔ ایک فرمان محمد شاہ بادشاہ غازی کے وقت کا بنام سید محمد مسعود ولد سید غلام محمود حسنی حسینی تھا۔

انکو اس فرمان کے ذریعہ جو نپور صوبہ الہ آباد سے بوندی کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ خاندان موجود ہے مگر جاگیر کوئی نہیں + ایک تالاب میں یہ سنگ کتبہ دیکھا۔ جو شاید کسی عمارت پر لگا رہا ہوگا۔ اب یہاں پڑا ہے۔

یاران موافق ہمہ از دست شدند ۔۔۔ در دست اجل یگان یگان پست شدند
بودند بیک شراب اور مجلس عمر ۔۔۔ یک لحظہ زما پیشتر ک مست شدند

گنگا پور سٹی یہاں ریلوے کے مسلمان ملازمین نے انجمن اور مکتب اسلامیہ قائم کر رکھا ہے۔ قرآن شریف اور اردو کی تعلیم ہوتی ہے +

هنڈون۔ ریاست جے پور کی ایک نظامت ہے۔ کبھی یہ بڑی بستی تھی۔ ہزاروں عمارتوں کے کھنڈر اسکے شاہد ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑے تالاب کے کنارہ پر ۱۶ استون کی کھلی ہوئی عمارت ہے۔ یہ ایک بزرگ "آقا کمالا" کا مقبرہ و مزار ہے۔ عمارت کے اندر دو سنگ مرمر کی قبریں بنی ہیں۔ اور یہ کتبہ لگا ہے۔

دُرِ بحر مقصود آقا کمالا ۔۔۔ کہ او رفت و بنشست بر تخت جنت
ولی زمان بود و غوث زمانہ ۔۔۔ بماہ رجب از جہاں کرد رحلت
چو سال وفاتش بجستم خرد گفت ۔۔۔ ولی زمان از جہان کرد رحلت

یہاں کے قدیم آثار۔ جل سین تالاب۔ بڑا قبرستان۔ اور موتی مسجد ہیں۔

بھرت پور۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھیرا ہوں۔ اور مرحوم تبسیلدار بھائی ابو مسعود انصاری غفر اللہ کا ماتم دار ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو الموڑہ پہاڑ پر مسافرت اور تنہائی میں جان دی۔ اپنا داغ بھلا دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ بھرت پور کی جامع مسجد خوب بنی ہے قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

از حکم ذو الجلال خداوند کبریا ۔۔۔ دارائے خلق داور نہ کرسی سما
بلونت سنگھ برج مہاراج فیض بخش ۔۔۔ در شہر حکم داد کہ مسجد شود بنا

| | |
|---|---|
| از ملک و فوج جملہ مسلمان بعد بنا | ہر یک بقدر ہمت خود داد بے ریا |
| و ہجرت پور جامع مسجد کہ شود | از فضل حق بنا شدہ چوں کعبہ صفا |
| نفسی چو جست سال شروع بنائی آں | آمد ندائے غیب بگو خانۂ خدا |
| | ۱۲۵۷ |

مسجد کے دروازۂ داخلہ پر بسم اللہ اور سورۂ اخلاص لکھی ہے + اسمیں مدرسہ اسلامیہ بھی قائم ہے - حافظہ کے درجہ میں پچاس اور اردو کے تین درجوں میں کل چالیس طلبہ ہیں موجود راجہ صاحب نے اردو کو دفاتر ریاست سے خارج کر دیا ہے -

جے پور - ۹ - نومبر ۱۹۱۱ء کو پہنچا - یہ ایک خاص وضع کا شہر اور تمام ہندوستان میں فرد ہے - زمین کے وسیع قطعہ کو ہموار اور درست کر کے عمارت شہر بنائی گئی اور بعد میں اسکی آبادی ہوئی - سڑکیں کشادہ - مکانات و بازار سب ایک طرح کے - اجمیری دروازہ کے باہر شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند کی یادگار میں ایک پختہ سرا بنائی گئی ہے - اچھی عمارت ہے - دو قسم کے کمرے اسمیں ہیں - ایک قسم کا کرایہ روزانہ دس آنہ ہے اور اول قسم کا کمرہ عہ روزانہ پر ملتا ہے - فرنیچر و فرش ہر کمرہ میں سرائے کا ہوتا ہے - منیجر صاحب سے فرمایش ہو تو کھانے کا بھی انتظام کر دیتے ہیں - امین الدین خاں صاحب رامپوری اسکے مہتمم ہیں، کھانا کچھ اچھا نہیں پک سکتا -

اس ریاست کے دفاتر میں اردو زبان رائج ہے - اور جمعہ کے دن تعطیل ہوتی ہے - مگر یہ سب موجودہ مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ بہادر کے دم تک ہے - انکے بعد اور ہندو ریاستوں کی طرح یہاں بھی عہد اسلامی کی یادگاریں مٹا دی جائیں گی - کیونکہ طبائع میں تعصب کی آگ بھری ہے - موجودہ دیوان ریاست نواب سر فیاض علی خاں صاحب ہیں مگر اثر و اقتدار میں کمی ہے - دو اور مسلمان ممبر کونسل میں ہیں وہ بھی کمزور - وکالت اور ملازمت ریاست میں جو مسلمان موجود ہیں اونکی اخلاقی حالت اور قومی حمیت کا کیا ذکر کروں مسلمانوں کی کوئی سوسائٹی یا انجمن یہاں نہیں "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

شہر بہت اچھا مگر شہری قابلِ ستائش نہیں۔ جے پور شہر کے سات دروازے ہیں۔ رام نواس باغ اور عجائب خانہ اور چڑیا گھر قابل دید ہیں۔ مہاراج قدیم وضع کے عالی منش رئیس ہیں اجلاس فرش اور گدی پر ہوتا ہے۔ ریاست کی شان پرانے عہد کی قائم ہے۔ اور لباس بھی اگلی وضع کا ہے۔ اس شہر میں مسلمان آبادی کے بیشہ ور فرقوں میں سے رنگریز، موچی اور معماروں کی حالت اچھی ہے۔ مگر تعلیم کسی قسم کی نہیں۔

ٹونک جے پور میں بارہ دن رہا۔ پھر ٹونک آیا۔ موجودہ رئیس نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر کے اخلاق ناقابل بیان ہیں۔ سن رسیدہ مگر بچپنہ مزاج نہیں۔ سخت قدغن ہے کہ ٹونک میں کوئی مسافر تین دن سے زیادہ ٹھہرنے پائے۔ علم سے اس قدر بیزار ہیں کہ کوئی مدرسہ قائم نہیں۔ حالانکہ اسی ٹونک سے ایک زمانہ میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے تھے۔ جو اپنے وقت کے امام فن تھے زمانہ جنگ میں ایجنٹ نے انگریزی خواں طلبہ پر نگرانی کا کیا حکم دیا کہ رئیس نے عربی خواں طلبہ کو شہر سے نکال باہر کیا۔ ایکسو سے زیادہ قریب فراغت طلبہ خارج کر دیئے۔ علماء پریشان اور بددل ہیں۔ کسی پر ذرا سا بھی شبہ دلایا گیا وہ فوراً شہر بدر ہوا۔ ایسے دراندازِ دربار میں بہت ہیں جو بے گناہوں کو خانماں آوارہ کرا رہے ہیں۔ کوئی اخبار یا رسالہ حدود ریاست میں آجائے کیا مجال۔ اشتہارات تک نہیں آنے پاتے۔ تمام رعایا اور مخلوق پریشان اور خائف ہے۔

میں سید زبیر صاحب کے یہاں محلہ قافلہ میں ٹھہرا ہوں۔ میرا تعلق انجمن ترقی اردو سے ہونا اُنکے لئے باعث پریشانی ہے۔ انتظام ریاست ابتر۔ مسلمانوں کی تباہی اور مفلسی عیاں۔ وارثان ملک جے پور میں دادِ عشرت دیتے ہیں اور والی ملک یہاں رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ مغرب کے بعد ہی شہر میں ہو کا عالم ہو جاتا ہے۔ سڑکوں پر روشنی یا کسی انسان کا ملنا محال ہے۔ غرض کہ عجیب حالت ہے۔

ٹونک میں جامع مسجد اور محلہ قافلہ کی مسجد دونوں شاندار بنی ہیں۔ صاحبزادہ

عبدالرحیم صاحب ہوم ممبر کا کتب خانہ بہت اچھا ہے۔ چند ہزار کے قریب قدیم قلمی کتابوں کے نسخے اسمیں ہیں۔ "کتاب الفرس" کا نسخہ سنہ ۱ھ کی تحریر اور "کتاب الکمال معروف بہ ابن ماکولا" فن اسماء الرجال میں سنہ ۶۶۹ھ کی تحریر ہے۔ اتنے قدیم نسخے کم ترکہیں ہونگے

سانبھر۔ تیسرے دن ٹونک سے جے پور اور وہاں سے سانبھر چلا آیا۔ خانصاحب عبدالصمد خاں صاحب ناظم کا مہمان ہوا۔ کارخانہ نمک سازی کی سیر کی۔ سانبھر ندی کے بعض کنارے شورہ زار ہیں۔ انکو کھار کہا جاتا ہے۔ ایسے دس کھار ہیں اور ہر کھار میں متعدد حوض بنے ہیں۔ ان حوضوں میں پانی بھر دیا جاتا ہے اور وہ تین ماہ کے بعد خشک ہوکر نمک بنجاتا ہے تیجیلا۔ اور نلوانا۔ وغیرہ اسی ندی کی شاخیں ہیں۔ ایک سال میں صرف سانبھر سے ایک کروڑ من نمک نکلتا ہے۔

بیکانیر۔ یکم دسمبر ۱۹۱۹ء کو پہنچا۔ بادشاہ حسین صاحب رعنا پروفیسر بیکانیر کالج کے یہاں مقیم ہوا۔ موجودہ مہاراجہ کے عہد میں شہر بیکانیر و نیز ریاست کو بہت ترقی ملی ہے۔ شہر کے باہر بہت سی نئی عمارتیں بنگئی ہیں۔ رئیس بہت بیدار مغز اور ملک دوست ہیں۔ مگر افسوس کہ ملک ریگستانی اور غیر آباد ہے۔ اسپر بھی مہاراجہ بہادر ملک کی خوشحالی کے لئے بیحد سرگرمی سے کوشش فرماتے ہیں۔ چیزوں کی گرانی ہے۔ پانی بھرنے والے سب مسلمان سقے ہیں۔ مسلم اور ہندو سب انھیں سے پانی بھرواتے ہیں۔ مہاراجہ نے شہر میں ایک بہت بڑا کنواں بنوا دیا ہے اور خلقت کو اسکی وجہ سے پانی بآسانی مل جاتا ہے۔ قلعہ میں انگریزی طرز کی عمارت دلپذیر۔ اور باغ عامہ خوشنما اور دلکش ہے۔ بیکانیر میں بہت سے دولتمند سیٹھ ہیں۔ انکے مکانات شہر کی رونق دوبالا کرتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک صاحب سیٹھ چاندمل صاحب نے مسافر نوازی فرمائی اور مجھے کھانیکی دعوت دی۔

جودھپور۔ ۱۵۔ دسمبر کو آیا۔ یہ شہر بھی خوبصورت اور دلکش عمارتوں پر مشتمل ہے۔ اسٹیشن کے پاس "جسونت سرائے" بڑی خوبصورت جگہہ ہے۔ میں محمد ادریس صاحب

قادر وقتی وکیل کا مہمان ہوں - کچہریاں خوش وضع بنی ہیں - مہاراجہ بہادر ابھی نابالغ ہیں - کونسل آف ریجنسی ریاست کا انتظام کرتی ہے جسکے پریذیڈنٹ سر پرتاب سنگھ صاحب بہادر ہیں جودھپور میں مسلمانوں کی کئی انجمنیں قائم اور معدوم ہوچکی ہیں مسلمان آبادی زیادہ تر رنگریز چوڑی والے - اور چھیپی لوگوں کی ہے جو سب خوش حال ہیں - مگر جہالت نے انکی آنکھیں بند کر رکھی ہیں -

بیاور - جودھپور سے بیاور آیا - یہ ایک نیا شہر ہے - یہاں ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہتا ہے - یہاں ۱۹۰۴ء سے اسلامی انجمن "معین المسلمین" قائم ہے یہیں کے دردمند دل رکھنے والے مسلمان اسکے بانی ہیں اور اسکی اعانت کرتے رہتے ہیں - تین سو روپیہ سالانہ اسکا مجموعی چندہ ہو جاتا ہے - اسمیں سے مسجد جامع کے امام کو تنخواہ دیجاتی ہے - اور ایک ابتدائی مدرسہ چل رہا ہے - قرآن شریف - اردو اور حساب کی معمولی تعلیم ہوتی ہے - دو مدرس ہیں - مسجد ہی کے مکان میں یہ مدرسہ ہے - سکریٹری قادر بخش صاحب اور صدر انجمن منشی محمد جمال صاحب ہیں - منشی محمد جمال صاحب نہایت خلیق آدمی ہیں - میں حکیم محمد کریم صاحب انصاری ساکن گنور ضلع بدایوں کا مہمان رہا - آپ فن کشتی کے ماہر کامل ہیں - کتاب "رموز فن کشتی" کے مصنف اور پہلوانان مارواڑ کے استاد ہیں - اور اس فن میں بہت بڑا کمال رکھتے ہیں - بیاور تجارت کی منڈی ہے - سوتی کپڑوں کی دو ملیں یہاں چل رہی ہیں - اجمیر شریف یہاں سے صرف ۳۲ میل پر ہے -

اجمیر شریف - ۱۰ دسمبر کو پہنچا - ملا عظیم الدین صاحب کے یہاں مقیم ہوا - اس شہر میں مسلمانوں کے دو یتیم خانے قائم ہیں مگر اسمیں سے "یتیم خانہ معینیہ" کی حالت بہت قابل رحم ہے - [illegible] یتیم اسمیں داخل ہیں - انکی سکونت درگاہ شریف خواجہ غریب نواز کی پشت پر ایک مکان میں ہے - قرآن پاک - اردو - اور حساب کی تعلیم ہے - اور دری سازی - نجاری - اور خیاطی کے کام سکھائے جاتے ہیں - میمن تاجران نے درگاہ شریف کی آمدنی

بہت بڑھادی ہے۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار سرکار نظام دام ملکہ سے عربی مدرسہ کے لئے ملتا ہے۔ یہ تمام آمدنی خدام درگاہ کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے۔ مگر ان کو تعلیم حاصل کرنیکی فرصت کہاں۔ زائروں کی خبرگیری میں وقت گذارتے ہیں۔ تعلیم کی نعمت [illegible] بیرونی طلبہ کا حصہ ہے مدرسہ کے دو ٹکڑے ہیں فوقانیہ۔ اور تحتانیہ۔ فوقانیہ میں ۵۳ طلبہ میں سے صرف چھ صاحب زادگان ہیں باقی باہر کے رہنے والے۔ اور تحتانیہ میں منجملہ ۲۰۱ طلبہ کے ۱۰۴ صاحب زادگان ہیں اور باقی ۹۷ اہل شہر کے بچے سال گذشتہ مدرسہ ہذا کی آمدنی [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ اسکے ناظم جناب میر نثار احمد صاحب متولی درگاہ شریف حضرت خواجہؒ اور صدر انجمن نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی ہیں۔ یہ مدرسہ ۱۳۲۶ھ میں قائم ہوا ہے۔

اجمیر شریف میں مسلم انسٹیٹیوٹ لائبریری قائم شدہ سنہ ۱۹۱۸ء۔ ایک کام کی چیز ہے۔ مسٹر عبد الاحد صاحب ایم۔ اے۔ نے اسکی بنیاد ڈالی۔ اور ولی الرحمن صاحب اسکی ترقی کے باعث ہوئے۔ دار المطالعہ بھی ہے۔ بہت سے اخبارات و رسائل اسمیں آتے ہیں۔ دار المطالعہ کی ماہوار آمدنی [illegible] اور خرچ [illegible] ماہوار ہے۔ اجمیر شریف خطۂ راجپوتانہ کا مرکزی مقام ہے۔ اس خطہ میں جو کچھ رونق ہے یا اسلامی شوکت وہ صرف خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ کا طفیل ہے۔ ورنہ یہاں مسلمانوں کا حال بہت خراب ہے۔ اور اُن کی کوئی پوزیشن نہیں رہ گئی ہے

نصیر آباد چھاؤنی۔ ۲۱۔ دسمبر کو اجمیر سے نصیر آباد آیا۔ نئی آبادی اور چھاؤنی ہونیکی وجہ سے پر رونق ہے۔ ورنہ اور کوئی قابل ذکر بات یہاں نہیں۔

## دورہ ممالک متوسط

ناگپور۔ ۲۴۔ فروری سنہ ۱۹۲۰ء کو ناگپور آکر خان بہادر [illegible] ایم۔ ملک صاحب

کا مہمان ہوں۔ اور "ملک منزل" میں مقیم۔ ممالک متوسط اور برار کے دورہ کے لئے اسکو مرکز بنایا ہے۔

چھندواڑہ۔ ۲۶۔ فروری کو گیا۔ محمد علی شوکت علی صاحبان نے یہاں جامع مسجد تعمیر کی ہے۔ عربی مسجدوں کا طرز ہے۔ ٹھوس منارے نہایت دلکش ہیں۔ اس مسجد کی تکمیل خان بہادر ملک صاحب رئیس ناگپور نے کی ہے۔ بہت سا باقی کام انہوں نے اپنے خرچ سے پورا کیا۔ اور صدہا روپیہ کا شیشہ و آلات اسکو عطا فرمایا۔ اس مسجد کا افتتاح میرے سامنے ہوا۔ چھندواڑہ سے واپس ہوکر

رائے پور۔ آیا۔ یہ چھتیس گڑھ کا صدر مقام ہے۔ مولوی غلام محی الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ بیرسٹر کے یہاں ٹھہرا۔ اُن کی اس زمانہ میں شادی تھی ہین سید منظور احمد صاحب بانسوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملاقات ہوئی۔ رائے پور میں "راجکمار کالج" ایک اچھی چیز ہے۔ اس کالج میں روسائے سی۔ پی۔ کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں، اور کوئی قابل ذکر عمارت نہیں۔

بلاسپور۔ رائے پور سے بلاسپور آیا۔ بالکل غیر آباد ضلع ہے۔ کوئی دلچسپی کا سامان یہاں نہیں۔ اکبر خاں صاحب رئیس بلہا سے ملاقات ہوئی۔ نہایت خوبیوں کے انسان ہیں ۱۳۔ مارچ ۱۹۲۰ء کو اسٹیشن بلاسپور پر ڈاک لینے گیا۔ مولٰنا شوکت علی صاحب اس طرف سے گذر رہے تھے۔ خاں صاحب اکبر خان صاحب اور میں دونوں ناگپور تک اونکے ساتھ ہو گئے۔ اگرچہ رات کا وقت تھا۔ پھر بھی ہر اسٹیشن پر بہت مجمع لوگوں کا ملا۔ جو مولٰنا کی آمد پر اظہار جوش و مسرت کر رہا تھا۔ گوندیا اور بھنڈارہ میں سونے چاندی کے پھول اُنپر برسائے گئے۔ اسی رات میں سید منظور احمد بانسوی بھی آملے۔ ہم سب ناگپور پہنچے۔ ہندو مسلمانوں کا کثیر مجمع اسٹیشن کے اندر اور باہر استقبال کے لئے موجود تھا۔ بڑے شاندار جلوس کے ساتھ شہر کا گشت کرتے ہوئے مولٰنا کو جامع مسجد تک لائے۔

وہاں نماز جمعہ بڑی کثیر جماعت سے پڑھی۔ مومنوں کے اسکول میں چاء کی دعوت دیگئی۔ شب کو خان بہادر ملک صاحب نے اسٹیشن پر دعوت طعام دی۔ مولٰنا شوکت علی صاحب تو رات ہی کو وردھا چلے گئے اور میں ایک دن ناگپور میں رہکر راج نندگاؤں کو گیا۔ اور وہاں سے بھنڈارہ آیا۔ بھنڈارہ میں خان بہادر شیر علی خاں صاحب کا مہمان رہا۔ اور وہاں سے ایک دن کے لئے کامٹی ہوکر۔ ناگپور واپس آگیا۔

سی۔پی۔ میں مسلمانوں کی آبادی بہت قلیل ہے۔ خطۂ برار تو کچھ زائد اسلامی آبادی رکھتا ہے۔ ورنہ اور سارا ملک ہندوؤں کا ہے۔

امراؤتی:۔ ناگپور میں سید مصباح العثمان صاحب ڈپٹی رجسٹرار کواپریٹیو سوسائٹیز مل گئے اور اپنے ساتھ مجھکو امراؤتی میں لائے۔ ایک شب انسپکشن کے بنگلہ میں رہا صبح کو عبدالبقا خاں صاحب پلیڈر مجھے اپنے گھر پر اُٹھا لے گئے۔ آپ خطۂ برار میں مسلمانوں کے رہنما اور لیڈر ہیں۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے سکرٹری اور تعلیمی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ امراؤتی میں گورنمنٹ نے ایک مسلم ہائی اسکول کھول دیا ہے۔ اسمیں دو سو مسلمان طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ از انجملہ ستر بورڈر ہیں۔ مدرسہ اور بورڈنگ کی عمارت ایک ہی جگہ ہے۔ بورڈنگ کے قریب ہی جامع مسجد دہلی کے نمونہ کی ایک عالیشان وخوشنما مسجد بنگئی ہے۔ اس مسجد کی عمارت اور اسکا منظر دونوں دلفریب ہیں۔

امراؤتی خطۂ بہار کا صدر مقام ہے۔ ضلع تو بہت وسیع ہے۔ لیکن آبادی کی کمی اور پانی کی قلت ہے۔ سید منظور احمد صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ آپ بارہ بنکی کے رہنے والے اور سید غلام حیدر میرے پھوپھی زاد بھائی سے جدی رشتۂ قرابت رکھتے ہیں۔ ۲۰۔ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء کو ایلچ پور کی طرف روانہ ہوا۔

ایلچ پور۔ ریلوے اسٹیشن سے شہر تک دو میل کا فاصلہ ہے۔ شہر کے گرد فصیل شہر پناہ بنی ہے۔ ایک قدیم واٹر ورکس ایلچ خاں کا بنوایا ہوا یہاں پرانی یادگار تھا۔ نواب

صلابت خاں نے ۱۲۲۸ھ میں اپنی صوبہ داری کے عہد میں اسکی از سرِ نو مرمت و صفائی کردی تھی جس سے بمرورِ ایام جو خرابی اسمیں آگئی تھی وہ دور ہوگئی۔ اور پانی بخوبی آنے لگا تھا۔ تیس سال کا زمانہ ہوا کہ پھر پانی کی آمد بند ہوگئی میونسپلٹی نے اسکو درست کرنا چاہا قدیم نل توڑ ڈالے گئے۔ نئے لوہے کے نل لگائے گئے۔ اُن میں کسی طرح سے بھی پانی نہیں چڑھا۔ اور کارخانہ ہی بیکار ہوگیا۔ کئی قدیم عمارتیں۔ عمدہ مسجدیں۔ یہاں موجود ہیں۔ لیکن دست بُردِ زمانہ سے روی الحال ہو رہی ہیں۔ جامع مسجد کا متولی وہیں کے خطیب کا خاندان کا چلا آرہا ہے۔ اس خاندان کو انعام معاش اور جاگیر سب کچھ حاصل ہے۔ لیکن مسجد کی حالت خراب کر رکھی ہے۔ جامع مسجد سلطان عماد الملک مشیر و داماد محمد تغلق بادشاہ نے ۷۴۴ھ میں تعمیر کی۔ عمارت سنگین ہے۔ مگر نا مکمل رہگئی تھی۔ تین صدی بعد عالمگیرؒ کے عہد میں علی مرداں خاں حاکم ایلچ پور نے تکمیل کرکے احاطہ و حوض بنوایا کتبہ حسب ذیل ہے:

در زمانِ دولت خاقان عالمگیر شاہ — آنکہ حکم نافذش تاج از سرِ قیصر ربود
حامئ دین خسرو دوراں علی مرداں خاں — کز گلِ نعلِ سمندش مہ کلف از رخ زدود
مسجد جامع کہ ایلچ پور بود از وے بہشت — بے مرمت از مرورِ دہر دوں افتادہ بود
ہمتِ ایں خان گردوں قدر شد معمار آں — ہر سہ دیوارِ احاطہ را بنائے خوش نمود
شہ محمد بیگ ساعی بود در ایں کارِ خیر — نیتش چوں خیر بود ایں کار را زینت فزود
ہیچ حوضِ جاں فزایش آب وضو طاعت است — نکتہ عذب البیانی زمزم از جاہش شنود
خواستم تاریخ زیب ایں بنا از پیر عقل — گفت کعبہ دیدہ تعمیر ایں مسجد نمود

مسجد دار الشفا۔ سنگین عمارت۔ سلطان احمد شاہ بہمنی نے ۸۳۳ھ میں بنوائی۔ یہاں شاہی دار الشفا بھی تھا۔ کتبہ نہیں۔

چوک کی مسجد۔ نواب شائستہ خاں کے دور میں مرزا بیگ خاں نے بنوائی۔ اب شکستہ ہے اور دس پندرہ سال میں غالباً منہدم ہو جائے۔ عمارت سنگین ہے۔ دروازہ پر کلمہ طیبہ

اور یہ قطعہ لکھا ہوا ہے۔

موفق امیرے ز تورانیاں ۔۔۔ خدا بخش نزشہ میرزا بیگ خاں
سخا پیشہ مردِ مردانہ ۔۔۔ بنا کرد در راہِ حق خانہ
زمینے کہ بُد جائے زندانیاں ۔۔۔ گرفت از حبس کرد دارالاماں
شدہ صبح چوں کعبہ دار السلام ۔۔۔ چو بیت المقدس شدہ وقتِ شام
بہ زمزم بود ار چہش تواماں ۔۔۔ و ہد حوضش از آب کوثر نشاں
شنیدم ز ابرارِ دل واقفی ۔۔۔ بسے بہالِ تاریخ را عارفی
بمن گفت از روے لطف و کرم ۔۔۔ معزز مُطہر چو بیت الحرم

شہر کے باہر ایک پختہ حوض "کتورہ" نامی تالاب کے اندر بنا ہے۔ حوض کیا ہے۔ اسپر عمدہ عمارت تعمیر ہے۔ تالاب پانی سے بھرتا ہے تو یہ عمارت پانی سے محصور ہو جاتی ہے۔ اسوقت پانی خشک ہو گیا ہے۔ اندازاً بارہویں صدی ہجری کے بالکل اخیر میں یہ عمارت بنی ہوگی۔ کتبہ اور بانی کا پتہ نہیں۔

قدوۃ الشہدا شاہ عبدالرحمٰن غازی غزنویؒ کا مزار۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک نالہ کے نیچے واقع ہے۔ مزار بہت بڑا مع قبرستاں کے ہے۔ چار دیواری سے محصور ہے۔ داخلہ کے لئے چار دروازے بنے ہیں۔ تین دروازوں پر نوبت خانے بھی بنے ہیں۔ نہایت عمدہ سنگین عمارت ہے۔ مزار پر گنبد تعمیر ہے۔ اور اسی کے قریب ایک مسجد ہے۔ اس قبرستان میں بہت سے نامور لوگوں کے مدفن ہیں۔ غازی غزنویؒ خطۂ بہار میں وہی منزلت رکھتے ہیں جو سرزمین اودھ میں سید سالار مسعود غازیؒ کو حاصل ہے۔ اور زبانی روائتیں بھی دونوں بزرگوں کے بارہ میں ایکساں ہیں۔ واللہ اعلم۔ غازی غزنویؒ کا عرس ۱۰ سے ۱۲ ربیع الاول تک تین دن رہتا ہے۔ اور بکثرت مخلوق زیارت و شرکت عرس کے لئے آتی ہے۔ ان عمارتوں کے علاوہ متعدد باغات اور کھنڈر دیکھے۔ مگر انکے بانیوں کی

اور عمارت کی نوعیت کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ایلچ پور میں میرا قیام خطیب سید عظمت حسین صاحب کے یہاں ہوا۔ آپ یہاں کے قاضی و خطیب ہیں اور جایداد و جاگیر قضارت سے پندرہ ہزار روپیہ سالانہ کے محاصل رکھتے ہیں۔ ان کی ایک دختر کا عقد تھا۔ میں بھی شریک ہوا۔ داماد صاحب بالکل اَن پڑھ اور ہنر و تہذیب سے بری نظر آئے۔ ایسے معزز خاندان میں علم کا نہ ہونا موجب افسوس ہے۔ طرز معاشرت میں وحشت کے آثار عیاں ہیں افسوس ایلچ پور میں مہدوی پٹھانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ تعلیم و ترقی کا کوئی چرچا نہیں۔

چکلدا پہاڑی۔ برار کا کوہستانی قیام گاہ ہے۔ خان صاحب عبدالقادر صاحب وکیل اور محمد عمر صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کے ساتھ موٹر پر اسے دیکھنے گیا۔ اسپر صرف کمشنر صاحب رہتے ہیں۔ ایک ڈاک بنگلہ اور ڈاکخانہ یہاں ہے۔ اسکے سوا کوئی اور عمارت نہیں۔ ہاں تین بہت بڑے تالاب اس پہاڑ پر ہیں جو ہمیشہ پانی سے بھرے رہتے ہیں۔ کوہ چکلدا سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر قلعہ کاویل واقع ہے۔ اسکو بھی دیکھا۔ احمد شاہ بہمنی اسکا بانی تھا۔ اب منہدم پڑا ہے۔ کھنڈر زبان حال سے اسکے عالیشان ہونیکا پتہ دے رہے ہیں۔ صرف دو شاندار مسجدیں ابتک موجود ہیں۔ کتبہ مٹ گیا ہے پڑھا نہیں جا سکتا۔ واپسی ہونے تک رات آگئی تھی۔ اور چاندنی رات تھی۔ کوہستانی منظر نور قمر میں بہت دلکش معلوم ہوتا تھا +

اکولہ۔ ۲۔ اپریل ۱۹۲۰ء کو آیا۔ میرزا رحمن بیگ صاحب آنریری مجسٹریٹ قاضی شہر کا مہمان ہوا۔ آپ یہاں خاص عزت اور وجاہت رکھتے ہیں۔ خوش باش۔ ملنسار۔ اور پولیٹیکل آدمی ہیں۔ اکولہ میں خاں صاحب امان خاں صاحب بھی بڑے آدمی ہیں وہ داد و ستد کیا کرتے ہیں اس سے معقول آمدنی ہو جاتی ہے ورنہ زمینداری کوئی بہت بڑی نہیں ہے + ان دو صاحبوں کے علاوہ قاضی سید محمد صاحب سے بھی ملنا ہوا۔ ان کو نہایت نیک نفس اور بہت سی انسانی خوبیوں سے متصف پایا۔ قومی درد دل میں رکھتے ہیں۔ اکولہ

میں کوئی خاص عمارت قابل ذکر نہیں ہے۔

ملکاپور۔ ۹۔ اپریل کو پہنچا۔ خواجہ قاضی فیاض الدین صاحب کے مکان پر مقیم ہوا۔ برار میں شاہان اسلام یا اُن کے صوبہ داران کی یادگاریں ابتک موجود ہیں۔ ملکاپور اسوقت سب ڈیویژن ہے۔ مگر یہاں کے آثار دیکھکر پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کے دور حکمرانی میں یہ بڑی جگہہ رہی ہوگی۔ قبرستان اور قاضیوں کا محلہ عہد عروج مسلمانان کے نشان ہیں

برہان پور۔ ملکاپور سے برہان پور آیا۔ یہ شہر علاقہ خاندیش کی سلطنت فاروقیہ کے رکن عادل شاہ فاروقی نے تعمیر و آباد کیا تھا۔ اسکا نام حضرت شاہ برہان الدینؒ کے نام پر رکھا۔ دار السرور برہان پور اسکی تاریخ ہے +شہر دریائے تاپتی کے کنارہ پر ہے۔ قلعہ مسمار۔ باغات جنگل سے بدلے ہوئے۔ رعایا بدحال۔ پچاسوں عمدہ و شاندار مسجدیں بے مرمت شکستہ اور کھنڈر بنی ہوئی پڑی ہیں۔ مشہور مساجد تاناگوری کی مسجد۔ بی بی کی مسجد۔ اور جامع مسجد وغیرہ دیکھیں بی بی کی مسجد سب سے قدیم لیکن بہت خراب حالت میں ہے اسکی بانیہ۔ مریم زمانی رابعہ دورانی رقیہ راجہ بی بی تھیں کتبہ نہیں ہے +جامع مسجد۔ عادل شاہ راج علی خاں نے وسط شہر میں بنوائی ہے۔ ۹۷ھ میں اسکی بنیاد پڑی۔ سنگ سیاہ کی نہایت عالیشان و مستحکم اور خوش وضع عمارت ہے۔ پتھر کچھ اس طریقہ سے باہم وصل کئے گئے ہیں کہ زمانہ موجودہ کے ماہر انجینیر اور معمار انکو دیکھکر حیرت میں رہ جاتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ ایسا لطیف جوڑ کس طرح لگایا ہوگا۔ منارے بہت بلند اور دلکش ہیں۔ محراب میں کتبہ یہ لگا ہے جو عربی عبارت میں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔

الحمد للہ الموفق للطاعات المعین بفضلہ علی العبادات۔ والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الخلق محمد ن الذی حرّضَ العباد علی العبادۃ وعلی آلہ واصحابہ الذین قاموا بواجبہا وزیادتہ۔ وبعدُ

فإنّ اولی ما ینفق فیه شرائف الاموال القربات التی یقوم نفعها
فی المآل ومن اجلّ ذلک الصدقات الجاریة فإنّ ثوابها مدی
الازمانِ ساریه .... ولانّه امر ببنیان المساجد من شعار
الدین وقمع المتمردین لما یترتب من بنائها مزید الثواب
وان بانیها ملهم الصواب حیث ورد عنه صلعم انه قال
من بنی لِلّٰه مسجدًا ولو کمفحص قطاة بنی الله له بیتا فی الجنة
فلذلک امر مولانا السلطان الاعظم والخاقان المکرم
الفائق بفضله علی السلاطین العرب والعجم عادل شاہ
بن مبارک شاہ الفاروقی خلد الله ملکهٗ ببناء المسجد
الذی هو بالوصف جدیرة لانّه قلّ ان یوجدُ له نظیرهٗ
خالصًا لوجهه الکریم وطالبًا لمرضاته الجسیم تقبل الله ذلک
منه بفضله ومزید کرمه ... وکان ابتداؤه سنة سبعٍ
وتسعین وتسعمائةٍ واتمامه .... خدم بکتابته اقل عبیدهٖ
الداعی له ولدولته مصطفی بن نور محمد خطاط عفی الله عنهٗ

اور فارسی قطعہ یہ ہے:-

شاہ عادل خلف شاہ مبارک فاروقی — بسلاطین جہاں بود وجودے کامل
مسجدے ساختہ از مال زکی بیشک — کہ زبان است بتوصیف و ثنایش عاطل
برہان پور ازیں مسجد رونق افزا — میشود شام و سحر رحمت ایزد نازل
خوش دو تاریخ خرد گفت دریں یک مصرع — مسجد فیض بنا گشت بہ فیض عادل
۹۹۷ھ — ۹۹۷ھ

برہان پور میں بھی قدیم واٹر ورکس ہے۔ موجودہ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل فاصلہ پر چند کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ انہیں سے نہر میں پانی آتا ہے اور نہر شہر تک آکر پانی پہنچاتی ہے۔ پہلے شہر

ہیں کئی ایک بہت بڑے اور بلند منارے بنے تھے اور اُنکے ذریعے سے شہر میں پانی پہنچتا تھا۔ اب مینار بند کر دیئے گئے ہیں اور انہی نلوں کے ذریعے پانی پہنچا کرتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے اور سارے شہر میں اسکی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ایلچ پور اور اورنگ آباد کا سا قدیم طریقہ آب رسانی یہاں بھی توڑ ڈالا گیا ہے۔

شہر برہان پور سے دو میل پر ایک قصبہ بہادر پور واقع ہے۔ کبھی یہ قصبہ شہر کا ایک محلہ رہا ہوگا۔ وہاں کی نہر ہنوز قدیم طرز پر قائم اور سارے قصبہ کو کافی سے زیادہ پانی دیتی ہے۔ اسی قصبہ میں ایک بزرگ دولہ شاہ کی درگاہ ہے۔ سید صوفی جان مراد آبادی ہمیشہ یہیں مدفون ہیں۔ اس درگاہ کے سجادہ نشین گوشت نہیں کھاتے اور مرید سب ہندو ہیں۔ میں مزار پر گیا۔ ہندوؤں کا کثیر مجمع دیکھا۔ لوگوں سے سنا کہ اس خانقاہ میں ہندو شاستر کی تعلیم دیجاتی ہے۔ میں تحقیق نہ کر سکا۔ ہندو مریدوں کے قدیم خاندان تو بدستور معتقد اور ارادتمند چلے آتے ہیں۔ لیکن نئے مُرید نہیں ہوتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد ہندو مُرید بالکل نہ رہیں گے۔

شہر کے اطراف میں دور دور تک باغات کے احاطے اور قبریں یا اُنکے آثار وسیع آبادی ہونے کا پتہ دیتے ہیں دو چار مقبرے اب بھی قابل دید ہیں۔ عادل شاہ کا مقبرہ۔ نادر شاہ کا مقبرہ۔ شاہ نواز کا مقبرہ۔ اور بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔

عہد سابق میں کمخواب بننے کے یہاں بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اب اس صنعت کے ماہرین کارخانوں کی حالت ابتر ہونے کے وجہ سے پریشان اور بیکار ہیں۔ بہت سے دیگر کاموں میں مشغول ہو گئے ہیں۔ یہ سب مسلمان ہیں۔ یہاں بہت سے نوربافت + ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ علی گڈھ۔ بنارس اور الہ آباد سے آکر آباد اور مصروف کار ہو گئے ہیں۔ وہ سب ہندوستانی کہلاتے ہیں۔ اور ساریاں بنتے ہیں۔ مال کی نکاسی اچھی ہو جاتی ہے۔ اسوجہ سے خوش حال ہیں۔ مگر تعلیم کی طرف سے غافل + انکے علاوہ وہ سب مسلمان

پریشان حال اور تباہ روزگار ہیں۔ خاصکر شرفار کی جماعت بہت خستہ حال ہے۔ بس ایک عبدالقادر صاحب صدیقی وکیل جن کا میں مہمان ہوں واحد بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی اس شہر کے ہیں۔ باقی بس +

بوہرہ تاجراں کی حالت بہت اچھی ہے۔ عمدہ عمارتیں۔ پر رونق دکانیں۔ بڑے کاروبار تعلیم کا مذاق۔ سب ہی کچھ انمیں ہے۔ کئی نوجوان گراجویٹ ہیں۔ بہت سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ۱۹۱۱ء سے ایک مدرسہ حکیمیہ کارونیشن ہائی اسکول" اسی جماعت نے قائم کیا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ کی عمارت مدرسہ اور بورڈنگ کی مکمل و تیار ہے۔ اسٹاف نہایت اچھا۔ تعلیم بہت خوب۔ صرف ڈیرہ سو بورڈر ہیں۔ مسٹر حبیب اللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ خان بہادر فخرالدین صاحب۔ اور عمران علی صاحب وغیرہ اس مدرسہ کے سرگرم کارکن اور ملا صاحب سے مخالفت ہونے کے باوجود بڑی ہمت و مستعدی سے مدرسہ کو چلا رہے ہیں۔ یہ جماعت دیگر اہل شہر سے الگ رہتی ہے۔ اور انکے مکانات ہی شہر کی پختہ عمارتیں ہیں + محلہ سنوارہ کے سیٹھ عبدالحنّان صاحب نے مجھپر عنایت فرمائی۔ انکے لطف و کرم کا شکر گذار ہوں۔

کھنڈوہ۔ برہان پور سے کھنڈوہ آیا۔ عمر علی صاحب نیجر بشیر مل سے ملاقات ہوئی انھیں کے پاس مل کے احاطہ میں قیام کیا۔ نظیر عباس صاحب ملازم محکمہ کنسرویٹر خاص آدمی ملے۔ بڑے صاحب دل۔ قومی کاموں کے دلدادہ۔ آپکی تحریک سے اس محکمہ کے بہت سے آدمی ترقی اردو کے ممبر بنگئے + کھنڈوہ ضلع نماڑ کا صدر مقام ہے اور ریلوے کا بہت بڑا جنکشن۔ جی۔ آئی۔ پی۔ اور بی بی اینڈ سی۔ ریلوے کی ٹرینیں یہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ ایک ہفتہ کے قریب کھنڈوہ میں رہکر بھلسہ کو چلا آیا۔ بھلسہ میں مرض طاعون پھیلا تھا۔ برادران عزیز مع بال بچوں کے شہر سے چار کوس دور موضع دھنوورہ کو چلے گئے تھے۔ میں بھی وہیں گیا۔ ایک ہفتہ وہاں رہا۔ اسکے بعد ۸۔ مئی کو دہلی میں پہنچا۔

اپنے کرم فرما مسٹر رفیع باڑی کے صاحبزادہ تقی سلمہ اللہ کی بسم اللہ اور محمد یوسف سلمہ کی شادی میں شریک رہکر ۲۳- مئی کو پھر بھلسہ واپس آگیا۔ ماہ رمضان المبارک کو یہیں بسر کرونگا۔

۷- جولائی سنہ ۱۹۲۰ء بھلسہ میں ماہ صیام بخیر و خوبی ختم۔ اور عید کر کے۔ بھوپال و اٹارسی کے راستہ سے پھر جبلپور آگیا ہوں۔ مولوی سید مصباح العثمان صاحب کے یہاں گول بازار میں قیام ہے۔

بالاگھاٹ میں ۱۰- جولائی کو آیا۔ قیام عبدالرحیم خاں صاحب وکیل کے یہاں ہے۔ بالاگھاٹ مختصر سی بستی ہے۔ عبدالرحیم خاں صاحب وکیل نہایت قابل آدمی ہیں انسے ملکر بیحد خوشی ہوئی۔ یہاں ایک اور صاحب سے ملنا ہوا۔ آپکا نام نامی محسن حسین صاحب ہے۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔ بڑی خوبی کے انسان ہیں۔

۱۴- جولائی۔ آج منڈلا میں آیا ہوں۔ سردار خاں صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوں۔ یہاں آپکا دم غنیمت ہے اور بڑے خوبی کے آدمی ہیں۔ ۱۸- جولائی کو بھنی بنجر پہنچا۔ اکبر خاں صاحب مالگذار یہاں کے رئیس ہیں۔ انسے ملا اور انھیں کے یہاں راحت کے ساتھ ٹھہر رہا۔ دوسرے دن سیونی آیا۔ خورشید علی صاحب نے مہمان نوازی فرمائی۔ رستم جی صاحب کلکٹر سے ملاقات کی۔ نہایت خلیق آدمی ہیں۔ سیونی میں مسلمان مالگذاروں کی تعداد کثیر ہے۔ مگر تعلیم و تعلم سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔ انمیں اشاعت علم کی سخت ضرورت ہے ۲۲- جولائی کو پھر جبلپور واپس آگیا۔ ۲۳- کو نرسنگ پور گیا۔ سید مظفر یزداں نے مسافر نوازی فرمائی اور اپنے یہاں ٹھہرایا۔ تقی الحسن صاحب اور خواجہ محمد اکرام صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ ضلاع بہت چھوٹے ہیں۔ یہاں کوئی خاص اور قابل ذکر بات نہیں پائی۔

سہاگ پور۔ ۲۵- جولائی کو یہاں آیا۔ غریب نوازی ظہیر السعید صاحب کا حصہ تھا۔ یہ قصبہ بہت خوبصورت اور آباد ہے۔ کپڑے پر چھپائی کا کام یہاں بکثرت ہوتا ہے اور اسی کی منڈی ہے۔ یہاں سے ۲۶- کو جبلپور واپس گیا۔ سی۔ پی کے صوبہ میں جبلپور بہت

بڑا اور اچھا شہر ہے۔ فوجی چھاونی اور بڑا ضلع ہونیکی وجہ سے خوب آباد ہے۔ آب وہوابھی عمدہ ہے۔

کٹنی۔ ضلع جبلپور میں ریلوے جنکشن اور اچھا قصبہ ہے۔ چونے اور سیمنٹ کے کارخانے یہاں جاری ہیں۔ بازار اچھا بنا ہے۔ اسٹیشن سے نزدیک ہے۔ سرا اور دھرم شالہ بھی اسٹیشن کے پاس ہے۔

ساگر۔ کٹنی سے ساگر آیا۔ شہر کی آبادی نشیب وفراز پر دور تک پھیلی ہے۔ عمدہ بازار ہے اسکی رونق ہے۔ اور تالاب یہاں کا نہایت عمدہ ہے۔ ساگر سے ۱۶۔ اگست کو براہ راست بھلسہ واپس آیا۔ بقرعید یہاں کرکے گوالیار جانے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ۔

گوالیار۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۲۰ء کو گوالیار آیا اور لشکر ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل کی عمارت بہت اچھی۔ عمدہ اور خوش فضا موقع پر واقع۔ مگر کھانا بدمزہ اور انتظام خراب۔ کچھ بھی آرام نہیں ملا۔ مجھکو زیادہ قیام نہیں کرنا تھا۔ دوسرے ہی دن سیپری کو چلا گیا۔

سیپری۔ موجودہ مہاراج بہادر نے یہ اپنا گرمائی مقام بنایا ہے۔ یہاں بھی ہوٹل ہے۔ میں اُسی میں ٹھہرا ہوں۔ بڑی آسایش مل رہی ہے۔ انتظام معقول ہے۔ سیپری ایک جنگل تھا۔ والی ملک کی نظر توجہ نے جنگل میں منگل رچا دیا ہے۔ ایک سے ایک عمدہ عمارتیں بنگلے ہیں۔ تالاب بن رہے ہیں۔ "چاند پاڑہ" تالاب قابل دید تیار ہو رہا ہے۔ آثار ایسے ہیں کہ آیندہ یہی مقام دار الریاست ہو جائے گا۔

۶۔ ستمبر کو شہر گوالیار کی سیر کرنے آیا۔ ایک زمانہ میں جب یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی یہ شہر خوب آباد اور بارونق تھا۔ مسلمانوں کی تعداد کثیر یہاں تھی۔ اب بھی ہیں۔ لیکن تباہ حال۔ جاگیریں۔ جایدادیں اکثر تلف ہوگئیں جو باقی ہیں چراغ سحری ہیں۔

مقبرہ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری پر حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کی۔ دیگر مزارات اور قبریں اسکے گرد بکثرت ہیں۔ سادہ پتھر کی عالیشان عمارت ہے۔ اور سنگ تراشان گوالیا

کی کاریگری کا بہت اچھا نمونہ - اتنی عظیم الشان عمارت کم دیکھنے میں آیگی۔ نقاشی اور جالی کا کام بیش کیا گیا ہے۔ مقبرہ کے پاس ہی ہندوستان کے نامور مشہور سرتان سین کی قبر ہے۔ اسپر ۱۲ دروں کی سنگی چھتری بنی ہے۔ اور املی کا درخت لگا ہے۔

جامع مسجد گوالیار معتمد خاں کی تعمیر کردہ عہد عالمگیر میں بنی ہے۔ نہایت خوبصورت عمارت ہے۔ پہلے داخلہ کے دروازہ پر یہ قطعہ لکھا ہے۔

در زمانِ شاہ عالمگیر عادل دیں پناہ — کز فروغ عدلِ او عالم پذیرفتہ ضیا
معتمد خاں یافت چوں توفیق حق با جود و دیں — ساخت ایں مسجد مقدس را ز صدق و ل بنا
حاصل اینجا و ایں حمام وہم ایں حجرہ ہا — وقف شد بر خدمت مسجد پئے نان و نوا
خواہد از شاہاں و از حکام عادل روزگار — تا نہ آلایند دست از حاصلش بہر خدا
باد دائم یارب ایں مسجد برائے اہل دہر — تا بود گیتی و مہر و ماہ و ہم ارض و سما

مسجد کے دروں میں سے بیچ کے در پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

در زمانِ شاہ عالمگیر آں کہ — بردہ فیض از لطف عامش ہر فریق
آں شہنشاہے کہ پیشِ جودِ او — بحر در آب حیا باشد غریق
معتمد خاں مصدر نورِ یقیں — شد ز فضل حق چو توفیقش رفیق
کرد برپا مسجدے عالی اساس — رو طلب کن وصفش از فکرِ دقیق
سال تاریخ بنائش خواستم — پیر دانش گفت کالبیت العتیق

مسجد آباد ہے۔ اندر محراب میں سب سنگ مرمر لگا ہے۔ جسپر سنگ موسی کی پچی کاری سے آیۃ الکرسی تحریر ہے۔ مسجد کے چھ در ہیں۔ ایک بڑا در بیچ میں اور اسکے دونوں بازوؤں میں دو دو در ہیں۔ گنبھٹی ہوئی عمارت باداسی پتھر کی ہے۔ فرش سنگ سرخ کا ہے۔ حال میں مہاراجہ صاحب بہادر گوالیار نے اسکی مرمت کے لیے دس ہزار روپیہ عطا فرمایا ہے۔ حمام جو مسجد کے متعلق تھا اب اسپر میونسپلٹی قابض ہے صرف چند دکانیں مسجد کے مصرف

میں رکھی گئی ہیں۔

گوالیار میں انجمن اسلام عرصہ سے قائم ہے۔ مگر کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ دو مدرسہ بھی جاری ہیں۔ گوالیار کا عشرہ محرم دیکھکر میں پھر بھیلسہ واپس آگیا۔ اور دو ہی چار دن رہا ہونگا کہ دفتر سے بمبئی کے صوبہ میں دورہ اور کام کرنے کا حکم آیا۔ میں پہلے اورنگ آباد صدر دفتر میں گیا۔ اور وہاں سے سیدھا سورت بھیجا گیا۔ سورت میں نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب سے سفارشی خطوط حاصل کئے اور دورہ شروع کر دیا ہے۔

راج کوٹ۔ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو پہنچا۔ یہ علاقہ کاٹھیاواڑ میں ہے اور یہاں مسلم ایجوکیشنل کانفرس کاٹھیاواڑ کا اجلاس تھا۔ میں نے اُردو رزولیوشن پیش کیا اور نظم پڑھی۔ راجکوٹ سے دھوراجی گیا۔

دھوراجی مسلمانوں کی بستی اور زیادہ تر تجارت پیشہ میمن لوگوں کی جائے سکونت ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی تیس ہزار ہے۔ ۳۰ مسجدیں۔ ایک کتب خانہ دو شفاخانے۔ اور گیارہ مدرسے مسلمانوں کے یہاں قائم ہیں۔ سب سے اچھا مدرسہ رونق الاسلام ہے۔ اسکے اول مدرس مولوی محمد اسمعیل صاحب ہیں۔ جامع مسجد انگریزی طرز تعمیر پر بنی ہے اور اچھی عمارت ہے + مسلم کتب خانہ کے سکریٹری سیٹھ قاسم جی نور محمد صاحب ہیں عربی فارسی اور اُردو کی ۱۶۹ اور گجراتی کی ۴۵۲ کتابیں اسمیں ہیں۔ سات اُردو اخبارات اور رسالے اور ۱۴ گجراتی اخبار اور رسائل آتے ہیں۔ یہ کتب خانہ ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا ہے + یتیم خانہ میں ۴۴ یتامیٰ ہیں۔ اردو۔ قرآن شریف۔ گجراتی۔ اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ قاسم جان محمد صاحب اسکے سکریٹری ہیں + زنانہ اسپتال کا انتظام بہت عمدہ ہے۔ مسجدیں آباد۔ اور جامع مسجد میں جماعت سے نماز کی شان قابل دید ہوتی ہے۔ قصبۂ دھوراجی فصیل سے محصور ہے۔ شہر پناہ کے باہر کئی ہوٹل ہیں جنمیں گیارہ بارہ بجے رات تک خوب مجمع رہتا ہے + مدرسہ رونق الاسلام میں اُردو

زبان خاص توجہ سے پڑھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے مدرسہ میں بہت عمدہ تعلیم و تربیت ہے۔ اسکے سالانہ جلسہ میں شرکت کا موقع ملا۔ میں نے تقریر بھی کی۔ لڑکیوں کا پڑھنا سنکر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس مدرسہ کی عمارت بنوانے کا سامان ہو رہا ہے۔ نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاندار عمارت ہوگی۔ مسلمانان دھوراجی کاروبار تجارت کے وجہ سے اچھی حالت میں ہیں۔ کئی کروڑپتی اور بہترے لکھپتی ہیں۔ دولت کو نیک کام میں خرچ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں مگر اچھے طریقہ اور صحیح مصرف کو نہیں جانتے۔ ورنہ سلیقہ سے کام لیتے تو ان لوگوں کی حالت ہر لحاظ سے قابل رشک ہو جاتی۔ خداوند کریم نیک راہ دکھائے اور شاد و آباد رکھے۔

اُپلیٹا۔ ۲۶۔ اکتوبر کو دھوراجی سے یہاں آیا۔ اس قصبہ میں پانچہزار میمن آباد ہیں۔ دھوراجی کی سی حالت تو نہیں۔ پھر بھی غنیمت ہے۔ دو مدرسے قائم ہیں۔ اور ایک زنانہ مدرسہ بھی ہے۔ انتظام سب کا ناقص ہے مدرس قابل نہیں اور مہتمم صاحبان خود تعلیم سے ناآشنا۔ چنانچہ زنانہ مدرسہ میں ۳۶۵ مندرج رجسٹر ناموں میں سے صرف سوا دو سو حاضری کی اوسط ہے۔ اور ۹ مدرس اردو۔ گجراتی۔ اور قرآن پڑھانے کے لئے ہیں۔ مگر دستکاری یا سلائی کا کام بالکل نہیں سکھایا جاتا + محمڈن اینگلو ورناکیولر اسکول ہیں۔ ۸۰ طلبہ ہیں۔ اوسط حاضری ۱۲۲ ہے + جامع مسجد دو منزلہ انگریزی وضع کی عمارت مگر خوشنما ہے۔ صفائی کا خیال کم کیا جاتا ہے۔ آبادی معقول ہے۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ دھوراجی میں تو کسی قدر پردہ ہونے لگا ہے لیکن اُپلیٹا میں تہذیب و تمیزداری کی بہت کمی ہے۔ یہاں بھی چھ سات مسجدیں ہیں۔ اور مانگنے کھانے والے واعظوں اور مولویوں کا دورہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ سیوان چھپرہ کا ایک نا تعلیم یافتہ مومن پیری کے رنگ میں جلوہ گر ہے + ایک کتب خانہ گجراتی کتابوں کا ایک سال سے یہاں بھی قائم ہے۔ اسمیں ۲۷۹ کتابیں ہیں اور ۱۵-

اخبار و رسائل ہر قسم کے آتے ہیں۔ انگریزی اور اردو کی طرف یہاں کسی کو توجہ نہیں۔ اور عدم تعلیم کی وجہ سے در بار رسی بھی کسی کو حاصل نہیں یہ قصبہ ریاست گونڈل میں واقع ہے۔ اور ریاست کا ایک پٹہ دار (چپراسی) ان لوگوں کو فرشتۂ موت کا ساتھی معلوم ہوتا ہے۔ اطوار وحشت و جہالت سے بھرے ہیں۔

راناواو۔ ریاست پوربندر۔ یہاں کے میمن بھائی افریقہ میں کاروبار کرتے اور اکثر لکھ پتی ہیں۔ عادات اطوار جہالت آمیز۔ کوتاہی نظر ایسی کہ خود اپنے آپکو بڑا آدمی سمجھتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم بڑے آدمی نہیں؟ نفی میں جواب دیا جائے تو سخت ناخوش ہو جاتے ہیں۔ مستورات پردہ سے آزاد ہیں۔ ایک مدرسہ ہے جسکی عمارت دو سال ہوئے پچیس ہزار روپیہ کی لاگت میں بنی ہے۔ پتھر کی عمارت اور نہایت خوش وضع ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے دونوں ایک ہی عمارت میں پڑھتے ہیں۔ گو جماعتیں علیحدہ ہیں کچھ نام کو اردو۔ ورنہ گجراتی۔ انگریزی۔ قرآن۔ او حساب کی تعلیم دیجاتی ہے۔ لڑکے ۱۰۷- اور لڑکیاں ۹۴ پڑھتی ہیں۔ اوسط حاضری ۹۰ سے زاید نہیں۔ ۱۳- مدرس ہیں۔ کام ایک جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ خرچ چار سو روپیہ ماہوار ہے۔ دو سو روپیہ ریاست پوربندر سے ملتا ہے۔ باقی چندہ عام سے پورا ہوتا ہے۔ بنیاد اس مدرسہ کی کمزور ہے۔ مدرس ایک بھی لائق نہیں۔ انتظام ناقص۔ منتظم جماعت خود تعلیمی کام سے ناواقف اور غیر تعلیم یافتہ۔ حاجی قاسم صاحب نے یہاں ایک سرائے بنوادی ہے۔ مسافروں کے لیئے پڑ رہنے کی جگہ ہے۔ آرام کہاں۔ کاٹھیاواڑ میں آرام ملنا مشکل ہے۔

پوربندر۔ راناوا سے پانچ کوس پر ہے۔ سڑک سخت۔ موٹریں چلتی ہیں۔ مگر جنگ کا خراب شدہ مال۔ لوگ سستے دام پر خرید کر کام کرنا اور پیسہ کمانا چاہتے ہیں۔ مسافر کو زحمت ہوتی ہے۔ دو کوس جاکر موٹر ٹوٹ گئی اور ایسی ٹوٹی کہ پھر نہ بن سکے۔ میرے پاس اسباب زیادہ۔ قدرت خدا سے ایک بیل گاڑی مل گئی۔ اسباب اوپر لادا اور خود پیادہ

چل نکلا۔ تین کوس یوں ہی قطع کئے۔ اور پوربندر میں آکر مولوی سید برہان الدین صاحب احمد آبادی کے پاس گرلز اسکول کے کوارٹر میں قیام کیا۔ سید برہان الدین صاحب نہایت قابل۔ متواضع اور منتظم آدمی ہیں۔ آپ کی کوشش اور محنت سے میمنوں کے تمام مدارس میں یہاں کا مدرسہ فرد اور قابل ذکر ہے۔ عمارت نہایت شاندار بنی ہے مردانہ مدرسہ کے ساتھ زنانہ مدرسہ اور کتب خانہ کی عمارتوں کو ملا لیا جائے تو سب ایک لاکھ روپیہ سے کم لاگت کی تعمیر نہوگی۔ اور بہت پُرشکوہ عمارت ہے + یہ عمارت سنہ ۱۸۸۳ء میں بنی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء تک مدرسہ اچھی حالت میں چلتا رہا۔ اسکے بعد ٹرسٹی آمدنی خود کھانے لگی اور خانہ جنگی شروع کردی۔ سات سال اسی مخمصہ میں مدرسہ کی حالت تباہ رہی پوربندر کے سابق رئیس فوت ہوگئے تو یہاں ایجنسی قائم ہوئی۔ میجر ایف۔ ڈی۔ سی۔ منکاف ایڈمنسٹریٹر ہوکر آئے۔ انھوں نے مدرسہ کی حالت دیکھی۔ زندہ قوم کے فرد سے یہ تباہ حال نہ دیکھا گیا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں انھوں نے اسکا انتظام اپنی نگرانی میں لے لیا۔ دو ہزار روپیہ ماہوار آمدنی کی جایداد وقف مدرسہ کے لئے افریقہ میں واقع ہے۔ اتنی کثیر آمدنی پر مدرسہ کا خراب رہنا سخت قابل افسوس امر تھا۔ سید برہان الدین صاحب اسی زمانہ سے اسکے ہیڈ ماسٹر ہوئے ہیں۔ انتظام ابتک ریاست ہی کے ہاتھ میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدرسہ اچھی طرح چلتا ہے۔

مسلمانان کاٹھیاواڑ کو تعلیم سے بیزاری ہے۔ چوتھے درجہ تک معمولی نوشت وخواند سیکھ لینا انکے نزدیک کمال علم ہے۔ ۴۸۳ لڑکے اور ۲۲۰ لڑکیاں اس مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ لڑکیوں کا نصاب تعلیم صرف تین سال کا ہے + کتب خانہ میں ۱۰۸۱ عربی۔ فارسی اور اردو کی۔ ۱۶۳۴ گجراتی کی۔ اور ۱۷۱ انگریزی کی کتابیں ہیں۔ روزانہ اخبار انگریزی ۲۔ گجراتی ۴۔ اردو ایک + ہفتہ وار انگریزی ایک۔ گجراتی سات۔ اردو ایک اور ماہوار رسائل میں انگریزی ایک اردو ایک اور گجراتی کے چار رسالے آتے ہیں +

پور بندر میں بوہرے۔ خوجے۔ اور میمن زیادہ تر آباد ہیں۔ انمیں خوجوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ سب سر آغا خاں کے پیرو ہیں۔ اور کاشتکاری پیشہ ہیں۔ بوہرے اور میمن افریقہ میں تجارت کیا کرتے ہیں اور خوب کماتے ہیں۔ مشائخ اور مولوی صاحبان کے بڑے معتقد ہیں اور ان حضرات نے بھی انکو اپنا کھلونا بنا رکھا ہے۔

منگرول۔ پور بندر سے اسٹیمر پر براہ دریا منگرول آیا۔ دریائی سفر میں بڑی تکلیف ہوئی۔ ۱۰۔ نومبر کو یہاں پہنچا۔ ٹھہرنے کی کوئی جگہہ نہیں ملتی تھی۔ انجمن اسلامیہ کا پتا ملا۔ وہاں گیا۔ محمد نظام الحق صاحب عباسی سپرنٹنڈنٹ دفتر انجمن نے کمال عنایت و اخلاق سے اپنے یہاں جگہ دی۔ اور بآرام ٹھہرا ہوں۔ دوسرے دن نواب صاحب سے ملنے گیا۔ بڑے لطف کے ساتھ پیش آئے اور کرم فرمایا۔ اپنا مہمان بنایا۔ شاہی ڈاک بنگلہ میں جگہ ملی۔ بہت راحت سے ہوں۔ شیخ نظام الحق صاحب عباسی احمد آباد کے شرفا میں سے ہیں۔ انھوں نے منگرول کے تمام تاریخی مقامات مجھکو دکھلائے۔ سب سے پہلے برکات کی زیارت کی۔

حضرت سید سکندر ابن مسعود مشہور بہ مخدوم جہانیاں۔ مزار آپکا شہر سے باہر ہے ۶۷۵ھ میں وارد منگرول ہوئے اور انفاس قدسیہ کی برکت سے یہ سرزمین اسلام کے نور سے منور ہوئی۔ بہت سے بندگان خدا دین توحید میں داخل ہوئے۔ ان بزرگ کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ مندرجہ ذیل تحائف چلے آتے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا۔

جبّۂ نبویہ صلعم۔ ایک غلاف کے اندر اور سیکڑوں رومالوں میں لپٹا ہوا رکھا ہے تاریخی سند تو ہے نہیں۔ مگر بتایا جاتا ہے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبّہ ہے + خود حضرت پیر جہانیاںؒ کی کلاہ۔ انگوٹھی۔ اور تسبیح۔ پیر چراغ دہلیؒ کا۔ پائجامہ۔ راجو شاہ قتاں کی لنگی۔ اور حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانیؒ کا مصلے۔ قران شریف بخط کوفی۔ مکا دہی پر لکھا ہوا قران شریف۔ ان دونوں مصاحف میں تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ تہ یہ

معلوم ہوتا ہے کہ کس نے لکھا۔

منگرول میں دو مسجدیں قابل ذکر دیکھیں۔ (۱) جامع مسجد۔ اندر کی چوڑائی ۲۵ قدم لنبائی ۱۲۷ قدم ہے۔ اور ستون ۱۲۴ ہیں۔ باہر کا صحن ۱۴۰ قدم طویل اور ۹۸ قدم عریض ہے۔ صحن میں کُنڈ اور باؤلی موجود ہے+ اور اسکے ہر چہار جانب ایک درجہ کی عمارت ستونوں پر قائم ہے۔ مسجد میں کتبہ نہیں ہے۔ لیکن منگرول کے ریکارڈ روم سے یہ پتا ملا کہ یہ مسجد ۷۸۵ھ میں بعہد فیروزشاہ۔ آعزّ الدین آرام شاہ صوبہ دار کی کوشش سے تیار ہوئی ہے۔ یہ کیفیت طاہر عثمان جعفری نے لکھی ہے+ (۲) خاص شہر میں ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ جو غالباً پہلے مندر تھا۔ اسی ریکارڈ روم میں ایک کتبہ حسب ذیل ملا جو منگرول کے دوبارہ فتح ہونے کا ہے۔

بعد از حمد ایزد برحق و درود نامحدود رسول مطلق مشہود اہل شہود باد کہ بعد فتح مخدوم سید سکندر در قلعہ قصبہ منگلور مدت بشد مشعل اسلام روشن بود۔ رفتہ رفتہ در تصرف کفار دکن رفت۔ تا مدّت دوازدہ سال اطوار ظلم چناں ساری بودند کہ اکثر جمہور سکنہ رو بفرار نہادند۔ الحمد للہ کہ بتائید آسمانی در ۱۱۶۰ھ یازدہ صد و شصت سنہ ہجری نبوی ہمیں حقیقی اکابران قصبہ منگلور باسم ملک شہاب الدین و شیخ فخر الدین و بعض اخوان ایشاں بتاریخ بست وسوم رمضان المبارک روز یکشنبہ بوقت ظہر فتح کردہ بنائے اسلام برپا نمودند" بقلم حافظ شیخ موسیٰ"

یہاں کا دربار گڑھ قدیم ہے۔ گو اب وہ رہائش کے قابل نہیں سمجھا گیا ہے۔ شیخ صاحب منگرول زیادہ تر رانی باغ میں شہر کے باہر رہتے ہیں۔

شیخ جہانگیر میاں صاحب۔ ۱۹ جون ۱۹۰۸ء کو اپنے برادر کلاں کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئے۔ اسوقت ۶۰ سال کی عمر ہے۔ نہایت سادہ مزاج۔ رئیسانہ تکلف سے بالکل بری۔ منتظم۔ صاحب عزم۔ اور بہت سی اعلیٰ صفات انسانیہ سے متصف ہیں۔

آپکی مسند نشینی سے قبل ریاست زیر بار قرض تھی۔ آپنے وہ قرض ادا کر دیا۔ ایک ہائی اسکول اور ایک شفاخانہ قائم کیا۔ تعلیم سے بڑی دلچسپی ہے۔ نہایت وہبدار اور بیحد خلیق و ملنسار ہیں۔ اس بے تکلفی سے ملنے والا رئیس کم دیکھا۔ لوگ اُن پر رئیسانہ فیاضی میں حصہ نہ لینے کا باندھنو باندھتے ہیں۔ مگر اصل یہ ہے کہ اُن کی ذات والا بخل و اسراف دونوں عیوب سے پاک ہے۔ منتظم اور کفایت شعار ضرور ہیں۔ اور یہ نہایت اچھی بات ہے۔ ماشاء اللہ چار صاحب زادے اور پانچ لڑکیاں۔ نُو اولاد ہیں۔ دو نونہال ہونہار فرزند ولایت میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ایک رئیس کی بیدار دلی کا اور کیا ثبوت ہو گا۔ وسائل آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے قانوناً شراب خواری کو روک دیا ہے۔ منگرول ایک چھوٹا سا بندر ہے۔ اور ریاست کوئی بڑی ریاست نہیں مگر خوبی انتظام سے آراستہ ہے۔

پوربندر ساحل سمندر پر واقع ہے۔ شریف سیدزادگان کی آبادی کثیر ہے مگر سب جاہل اور نا اہل۔ کوئی آثار ترقی اُن میں نہیں نظر آتے۔ مسلمانوں کی مالی اور اخلاقی دونوں حالتیں بگڑی ہوئی ہیں۔ ہندو بہت ترقی کر رہے ہیں۔ دولت کے سرچشمہ یعنی تجارت پر قابض ہیں۔ عالیشان عمارتیں بنوائی ہیں اور خوشحالی سے ہم دوش ہیں۔

جوناگڈھ۔ ۱۴۔ نومبر کو یہاں آیا۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا۔ قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی سے ملنے گیا۔ اور بعد ملاقات ڈاک بنگلہ سے اسباب لا کر اُن کے مکان پر رکھدیا۔ اور خود وستبلی کو چلا گیا۔

وستبلی میں ۲۵۔ ستمبر ۱۹۱۹ء سے ایک مدرسہ کھلا ہے۔ اسکی عمارت دو لاکھ روپیہ سے کم کی نہیں۔ بیس کمرے بڑے شاندار بنے ہیں۔ ۲۲۔ مدرس ہیں۔ گجراتی۔ اردو۔ قرآن۔ انگریزی وغیرہ کی معمولی تعلیم دیجاتی ہے۔ سیٹھ حاجی عبد الشکور عبد الغنی اور محمد ولی محمد ناگوری کے فرم کی خیرات سے چل رہا ہے۔ مگر خرچ کے مقابلہ میں تعلیم کچھ

بھی نہیں - ایک ہزار روپیہ ماہوار مدرسین کی تنخواہ ہے - پچاس روپیہ ماہوار شیرینی طلبہ کے لیے - اور ڈھائی سو روپیہ ماہوار وظائف کے واسطے ملتے ہیں - محض ایک ہی فرم یہ خرچ دے رہا ہے - اور اسکے علاوہ آپ ہی غرم اپنی طرف سے یہاں ایک زنانہ مدرسہ اور ایک اسپتال کی شاندار عمارتیں بھی بنوا رہا ہے - مدرسہ میں پانسو دس طلبہ ہیں حاضری کا اوسط ۳۰۰ رہتا ہے - مسٹر عبد الغنی عثمان عطر والا - اسکے ہیڈ ماسٹر ہیں - آپ نہایت قابل اور منتظم ہیں - اور اصل یہ ہے کہ یہ مدرسہ شوکت اسلام انہیں کے دم سے چل رہا ہے - مدرسہ میں ایک لائبریری بھی ہے - اس لائبریری میں دو اردو - آٹھ گجراتی - اور تین انگریزی اخبار آتے ہیں - عربی و فارسی کی ۲۰۰ گجراتی کی دو سو اور انگریزی کی - اکیسو پچپن کتابیں ہیں - ایک قدیم اور خوبصورت جامع مسجد یہاں دیکھی - کتبہ گجراتی میں ہے - معلوم ہوا کہ مندر سے مسجد بنی ہے - یہ مسجد سمبت ۱۴۰۲ میں ماگھ سدی تیرس کو بنی اور بانی کا نام تیرہ مل ہے - یہاں ایک مختصر سی لائبریری اور بھی ہے -

۱۷ - نومبر کو ونستلی سے جوناگڈھ واپس آیا - اور اپنے رہنے کے لیے مسجد چتیا خانہ کا ایک مکان کرایہ پر لیا اور کھانا پکانے کے واسطے ایک خادمہ ملازم رکھ لی - جوناگڈھ خطہ کاٹھیاوار میں سب سے بڑی مسلمانوں کی ریاست ہے - مگر اس وقت یہاں تمام اعلیٰ عہدہ دار ہندو ہیں - اگر ایک مسلمان عہدہ دار ہیں بھی تو ان کا اثر اور اقتدار کیا - اور ہوتا کیونکر نہ اسکی قابلیت اور نہ اس طرف توجہ - ایگزیکٹو سکریٹری "مسٹر ہلنڈن" انگریز ہیں - ریاست میں آکر انکی یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے خط کا جواب تک نہیں دیا - یورپ کی تہذیب کا خیال نہ فرمایا - نواب صاحب بہادر نوجوان و ناتجربہ کار - قانونی حد بلوغ کو بھی نہیں پہنچے - ایڈمنسٹرز ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک مطلق ہے - اور رئیس کو و نیا اور ریاست کے کاموں سے بیخبر

بنا رکھا ہے۔ نہ تعلیم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ اور نہ آئین حکمرانی کی تربیت دی جاتی ہے۔ نواب صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری محمد بھائی صاحب رئیس کے ہم عمر۔ اور مصاحب بھی ہیں۔ نہ آپ اردو جانتے ہیں اور نہ سکریٹری صاحب کو اردو سے آشنائی۔ میرا کام یہاں کیا بن سکتا تھا، اردو کا ایک برائے نام مدرسہ مہابت مدرسہ قائم ہے اسمیں اردو زبان کی معراج ترقی انجمن حمایت الاسلام لاہور کی چوتھی کتاب ہے۔ گویا چوتھی جماعت تک اردو کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ میری آمد سے چار ماہ قبل یہاں ایک اہم واقعہ یہ ہوا ہے کہ بہاؤالدین کالج جوناگڈھ میں ہندوستان۔ گجرات اور سندھ کے ایکسو سے زائد مسلمان طلبہ وظیفہ یاب اور تعلیم حاصل کر رہے تھے چند سندھی مسلمان طلبہ تعطیل میں اپنے وطن کو گئے اور وہاں محض تماشائیوں کے طور پر خلافت کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ سندھ کی پولیس نے ایجنٹ ریاست کو اس بات کی اطلاع دی۔ اور ایجنٹ نے ریاست کو مطلع کیا۔ ایجنٹ کی تحریر آتے ہی بلا کسی تحقیق و تامل کے تمام مسلمان وظیفہ خوار طلبہ خارج از ریاست کر دیئے گئے۔ اب الفضل خدا ایک مسلمان طالب العلم بھی اس کالج میں نہیں رہا۔ صرف ہندو طلبہ دولت تعلیم لوٹ رہے ہیں۔ کالج کی عمارت میں دیوان صاحب اور سکریٹریٹ کے دفاتر ہیں۔ رئیس کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو کسی معشوق کی جفا کاری ہے۔ پھر بھی رئیس سمجھدار یا اسکے صلاح اندیش مسلمان عہدہ دار یا عمائد ہوتے اور رئیس کو نیک مشورہ دیتے تو اتنا صریح ظلم کبھی نہ ہونے پاتا کہ خطاکار اور بے گناہ دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا گیا!!

نواب صاحب کی بے خبری۔ نوجوانی کے مشاغل۔ بےفکری۔ شکار اور تھیٹر سے دلچسپی۔ اور اس سونے پر غیر تعلیم یافتہ اور پست فطرت مصاحبوں کا سہاگہ۔ کیونکر تعلیم اور تعلیم یافتہ سے محبت و موانست پیدا ہونے دیگا۔ اور اس حالت کا انجام کیا ہوگا۔ خدائے پاک بہتری کی صورت نکالے اور انجام بخیر کرے۔

جوناگڈھ میں کالج کے علاوہ چھ سات گجراتی کے مدارس۔ ایک انگلش مڈل اور ایک ہائی اسکول۔ اور پانچ چھ زنانہ مدارس گجراتی کے ہیں۔ مگر مسلمان لڑکیوں کے واسطے نہ کوئی مدرسہ ہے اور نہ انکی تعلیم کی کوئی فکر + میمن برادری اپنی ضرورت کے مطابق اپنی تعلیم میں خود ہی کوشاں ہے۔ اور ریاست سے کوئی مدد نہیں لیتی۔ اور یہاں اسی برادری کے مسلمان اچھی حالت میں ہیں۔ ورنہ اور تمام مسلمانوں کی جماعتیں عوام مسلمانان لکھنؤ کی ساتھی ہیں۔ افلاس نے خود غرضی "طمع" اور گداگری کی رذیل عادتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یا محنت و مزدوری سے پیٹ پال لیتے ہیں۔ اخلاق اور قومی احساس کا کیا ذکر + قاضی صاحبان۔ شرفار اور دیگر جاگیرداران کے طبقہ میں بیشتر بدحالی۔ افیونی ہیں۔ فضول خرچی اور بے سلیقگی کی وجہ سے دریائے قرض میں مستغرق ہو چکے ہیں تعلیم و تربیت کسی قسم کی نہیں۔ دو چار معمولی پڑھے لکھے مل گئے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ خدا ہی رحم فرمائے۔

ریلوے اسٹیشن سے شہر میں جانے کا دروازہ اتنا شاندار بنا ہے کہ شہر کی عمارتوں کے عظیم الشان اور خوشنما ترین ہونیکی توقع دلاتا ہے۔ لیکن شہر میں پہنچکر خاک ہی اڑتی نظر آتی ہے۔ چوک قدیم طرز کا ہے۔ تنگ اور کاواک۔ رئیس کے محلات چوک ہی میں ہیں اور وہ سب تقریباً خالی پڑے ہیں + جامع مسجد بیشک شاندار ہے۔ صاف اور عمدہ بنی ہے۔ جامع مسجد سے متصل دو خوبصورت مقبروں کی عمارتیں بہاؤ الدین اور رسول خاں جی کے مرقدوں پر بنی ہیں + یہاں کوئی خاص صنعت و حرفت بھی نہیں + چیتا خانہ کی مسجد بھی خوبصورت اور اچھے منظر پر واقع ہے + شہر سے باہر پہاڑی پر قلعۂ گرنار۔ ہندؤں کا نہایت متبرک مقام ہے۔ اس قلعہ کے اندر ایک شاندار مسجد بنی تھی جو اب منہدم ہو گئی ہے۔ اسی قلعہ میں جدید واٹر ورکس کا خزانہ بنا ہے۔

جوناگڈھ میں ایک صاحب بھی ایسے نہیں ملے جن سے مل کر دل خوش ہوا۔ ایک

اختر صاحب کا دم کچھ غنیمت تھا۔ مگر جس پیمانہ کے علم دوست اور قابل آدمیوں کا ملنا مجھے مرغوب ہے وہ بات کہاں + اتفاق سے ایک عرب سیاح سید حسن صاحب کئی مل گئے۔ ان سے کچھ دل بہلتا تھا۔ اور انھیں کے ہمراہ وراول اور پٹن کا سفر کیا۔

وراول میں سیٹھ احمد عبداللطیف جوہری کے مدرسہ تقویت الاسلام میں مقیم ہوا۔ یہ مدرسہ سیٹھ احمد صاحب کے والد حاجی عبداللطیف بن علی اسحٰق جوہری نے سنہ ۱۳۰۲ھ میں قائم کیا۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کی عمارت مدرسہ اور اسکے متعلقات کے لئے بنوائی۔ ۱۴ مکانات اخراجات مدرسہ کے لئے وقف ہیں جن سے آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اصل غرض بنائے مدرسہ کی علوم عربیہ و دینیہ کی اشاعت تھی۔ مگر اس تعلیم کا یہاں کسکو شوق ہے۔ مجبوراً وہی کاٹھیاواڑ کی عام تعلیم یہاں بھی رکھی ہے۔ قرآن شریف۔ اردو۔ فارسی۔ گجراتی۔ اور حساب وغیرہ پڑھایا جاتا ہے۔ اسوقت خرچ سالانہ چار ہزار روپیہ ہے۔ طلبہ کو کتابیں بھی دیجاتی ہیں + تین سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ کتب خانہ میں مطبوعہ عربی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔ کل ۴۴۹ کتابیں ہیں۔ جامع مسجد کی عمارت قدیم اور اسکی بھی اصلیت مندر کہی جاتی ہے۔ شاید یہ صحیح ہو۔ کتبہ پڑھا نہیں گیا۔

پٹن۔ یہ اہم تاریخی مقام ہے یہاں کی جامع مسجد بتکدہ "سومنات" کے ملبہ سے بنی ہے۔ اور زبان حال سے کہہ رہی ہے:۔

بہیں کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ    کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

اسکے سنگی ستونوں اور اسکی پتھر کی جالیوں میں صدہا مورتیوں کی مسخ کردہ تصویریں موجود ہیں۔ اور بتا رہی ہیں کہ بت خانہ سومنات کی یادگار ہیں۔ تمام پتھروں پر ایسی باریک اور نادر نقاشی ہے کہ پتھر کو موم بنا دیا ہے۔ اتنا لطیف کام ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سب مندر کا سامان ہے۔ اور اسمیں ۵۸ ستون ہیں۔ اکثر ستونوں

پر تصویریں بنی ہیں۔ انکی صورت ضرور بگاڑ دیگئی ہے لیکن فن کی یادگار کہاں ہٹ سکتی ہے، اندرونِ مسجد ۵۳ قدم طول اور ۲۱ قدم عرض ہے اسی سے اسکی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

صنم خانہ سومنات۔ کو بھی دیکھا۔ ابتک چار درجوں کے کھنڈر کھڑے ہیں۔ چھتیں تو سبکی گر گئی ہیں۔ اور دیواریں کہیں کہیں شکست ہوئی ہیں۔ عمارت کے اندرونی حصہ میں جو دیوار منہدم ہوئی ہے اُسے پھر بنادیا جاتا ہے۔ بیس ستون بھی قائم ہیں۔ سمندر کے کنارہ پر واقع ہے۔ مندر کیسا تھا۔ اسکا حال تاریخ بتائیگی۔ اسوقت جو حالت دیکھی وہ عرض کر دیگئی۔ یہاں مندر ہی کے ملبہ سے سلطان محمود غزنوی ایک مختصر مسجد بنواگئے تھے۔ مسجد چند سال قبل تک قائم تھی ۱۳۳۸ھ کے رمضان میں کاٹھیاواڑ ایک شدید طوفان آب کا آماجگاہ بنا۔ اسی طوفان میں یہ مسجد بھی پیوند زمین ہوگئی مشرق کی سمت مندر کے ترویتی دروازہ سے باہر نکلنے پر ایک کُنڈ ملتا ہے۔ اسمیں جاتری اشنان کیا کرتے تھے۔ اب اسپر عبدو میاں اور مجھو میاں۔ دو مسلمان بزرگوں کے مزار بنے ہیں۔ یہ کُنڈ ایک پہاڑ کی گھاٹی تک چلا گیا ہے۔ گھاٹی کے اندر پہاڑ کو کاٹ کر چھوٹے چھوٹے غار بنائے گئے ہیں۔ اسمیں جوگیوں کا بسیرا رہتا تھا۔ فتح سومنات کے بعد مسلمان فقیروں کا مسکن بنا ہوگا۔ غالباً مذکورہ بالا دونوں بزرگ انھیں غاروں کے ساکنین میں سے تھے۔ اب انکے مزار ایک دوسرے سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہاں عہد قدیم میں بہت سی عمارتیں بنی تھیں اب انکے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ گنج شہیداں بہت بڑا ہے۔

اس جگہ سے دو فرلانگ آگے بڑھکر تین ندیوں کا سنگم ہے۔ ہرن۔ کپیلا۔ اور سرسوتی تین ندیاں سمندر سے الگ الگ نکلی اور اس سنگم پر آکے باہم مل گئی ہیں۔ ہندو اس سنگم کی بہت عظمت کرتے اور یہاں اشنان کے لئے آتے ہیں۔

وراول دروازہ سے باہر آکر شہیدوں کی قبریں کئی مربع میل تک بنی ہیں۔ ہزاروں قبریں ہونگی۔ ان میں سے جس قبر کے متعلق عوام کو کچھ عقیدت ہو گئی ہے وہاں ایک مجاور قابض ہو گیا ہے۔ دوسی کا مزار۔ ایک زیارت گاہ ہے۔ عام روایت کے رو سے یہ اُس ضعیفہ کا مزار ہے جس نے سلطان محمود غزنوی کو سومنات کی فتح پر آمادہ کیا۔ قصہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندو مندر سومنات پر مسلمانوں کی قربانی کرتے تھے۔ ایک مسلمان عورت جو تیلی کی بی بی اور ضعیفہ و بیوہ تھی۔ اسکے کئی بچے اسی طرح قربان کر دیئے گئے بڑھیا غزنی پہنچی اور سلطان محمود سے فریاد کی۔ سلطان محمود حملہ آور ہوئے۔ یہ تاریخ کی روایت تو ہے نہیں۔ عوام کی وہم پرستی ہے۔ جعفر اور مظفر۔ ایک چار دیواری کے اندر ایک ہی جگہ دو مزار بنے ہیں۔ یہاں بھی مجاور صاحب موجود ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ قلعہ سومنات کے فاتح تھے۔ ان اطراف میں سب سے بزرگ جگہ اور عام زیارتگاہ حاجی صاحب منگلوری کا مزار ہے۔ اسکو عوام نے قبلہ حاجات بنا رکھا ہے۔ یہاں دو کتبے ملے۔ ایک پڑھا نہیں گیا۔ اور دوسرا حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا۔ بنا کردہ این نقش بر پیل پایے روضۂ متبرکۂ زائر الحرمین الشریفین بندگی حضرت بابا حاجی محمود منگلوری قدس سرہ بندہ کمینہ عبداللہ خاں بن عالی خاں بابی۔ فی الثانی عشر من شہر المحرم الحرام سنۃ ثلث و ... الف من ہجرۃ النبویۃ۔

وراول اچھا بندرگاہ ہے۔ یہاں بصرہ اور افریقہ وغیرہ سے بادبانی جہازات بکثرت آتے ہیں۔ جزیرہ حبش کے بہت سے عرب یہاں ملے۔ وہ عربی و فارسی بخوبی بولتے ہیں۔

باتھوا۔ وراول سے جوناگڈھ واپس آکر۔ باتھوا میں آیا۔ یہاں سیمن بھائیوں

کی آبادی زیادہ ہے۔ جو افریقہ وغیرہ بیرونی ممالک میں تجارت کرتے ہیں۔ ایک مدرسہ بیس ہزار روپیہ کی عمارت کا ہے۔ مسجد بھی اچھی ہے۔ مدرسہ میں دوسو لڑکے پڑھتے ہیں۔ لڑکیوں کا خاص مدرسہ کوئی نہیں۔ یتیم خانہ حال میں بنا ہے۔ ۲۸ یتیم اسمیں ہیں۔ کلب کے ممبر اسکا اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں میں سلیمان ابراہیم صاحب کا مہمان رہا۔

مانا وادر۔ باتھوا سے موٹر پر مانا وادر آیا۔ یہ تین لاکھ روپیہ سالانہ محاصل کی مختصر سی مسلمان ریاست ہے۔ بیگم صاحبہ والیہ ریاست ہیں۔ مسٹر جمیل الدین صاحب غوثی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ریونیو کمشنر نے نہایت لطف فرمایا۔ ان سے ملکر بہت مسرت ہوئی۔ اور جونا گڈھ واپس گیا۔ راجکوٹ آیا۔ میمن بورڈنگ ہوس میں مقیم ہوا۔ اس بورڈنگ میں ۱۲ مسلمان طلبہ رہتے ہیں۔ وہ مختلف سرکاری اسکولوں میں انگریزی و گجراتی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بورڈنگ میں انکو اردو اور قران شریف پڑھایا جاتا ہے۔ فی کس ۵ ماہوار فیس طعام وغیرہ ہے۔ بورڈنگ کی ظاہری حالت بلحاظ انتظام اچھی ہے۔ تربیت کی کمی ہے۔ عمارت عمدہ ہے۔ سول اسٹیشن راجکوٹ کا بہت خوشنما ہے۔ وہاں میمن لوگوں کا ایک مدرسہ ہے۔ سکریٹری اُسکے منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر ہیں۔ تعلیم معمولی ہوتی ہے۔ ایک یتیم خانہ قائم ہے۔ اسکے مہتمم ایک بغدادی شاہ صاحب اور سکریٹری منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر ہیں اس یتیم خانہ میں صحیح اسلامی تعلیم دیجاتی ہے۔ بہت اچھا کام ہو رہا ہے۔ اگرچہ بغیر مستقل آمدنی کی وجہ سے اسکے استحکام میں تردد ہے۔ ان تمام کاموں کے روح رواں سیٹھ نور محمد صاحب ہیں۔ اور منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر کاٹھیاواڑ میں ایک سچے ہمدرد قوم آدمی ہیں انکی ہمت قومی سود و بہبود پر ہمیشہ مبذول رہتی ہے۔ راجکوٹ ریاستہائے کاٹھیاواڑ کی ایجنسی۔ راج کمار کالج کا مقام۔ اور اسٹیٹ ریلوے کا جنکشن ہے

جام نگر۔ ۲۰۔ دسمبر کو راجکوٹ سے جام نگر آیا۔ منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر

کی عنایت سے جام صاحب بہادر کا مہمان بنا۔ سیٹھ عبدالکریم درویش رنگونی۔ اور کریم خاں صاحب کی محبتوں نے اپنا بندۂ کرم بنا لیا۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ جام نگر میں تیس چالیس مسجدیں ہیں۔ مگر اُن میں سے عالیشان مسجدیں سب مسلمان طوائفوں کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ سابق جام صاحب نے اُن طوائفوں کو اپنے محل میں داخل کر لیا تھا دو مسجدیں بالکل نئی ہیں۔ رتن بائی کی مسجد سنہ ۱۲۹۴ھ میں اور فاطمہ بائی کی مسجد سنہ ۱۳۰۱ھ میں بنی ہے۔ عمارت عمدہ۔ منارے شاندار۔ کرسی بلند۔ اور خوب آراستہ ہیں + چوک میں قدیم جامع مسجد ہے۔ دھن بائی طوائف نے اسکی از سر نو مرمت کی ہے۔ یہ بھی جام صاحب کی مدخولہ تھی۔ اسکے متعلق ایک مکتب بھی ہے۔ عمارت اسکی وسیع ہے۔ بہت سی دکانیں اسکے نیچے بنی ہیں اور وہ سب مسجد کی ہیں۔ تاریخ مسجد معظم حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا سنہ ۱۰۸۱ھ

بعہدِ شاہ اورنگ زیب غازی — کہ عالمگیر شد نامش زدرگاہ
بصاحب بیگی اندر مُلک سورٹھ — فرستادہ امیرے صاحبِ جاہ
براہ شرع قطب الدین محمد — ظفر بادا قرین و فتح ہمراہ
چو ملکِ جام و بھالا فتح کردہ — بنا فرمود ہر جا مسجد و چاہ
مرتب شد چو مسجد گفت ہاتف — بنا شد مسجدے چوں کعبۃ اللہ

شہر ذی الحجہ سنہ ۱۰۸۱ھ باہتمام ممریز خاں چوہان

جمال مدرسہ جام نگر سنہ ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا۔ پچاس ہزار روپیہ کی عمارت جماعت میمناں کی طرف سے بنی۔ مڈل کی جماعت تک انگریزی تعلیم ہے۔ ستر لڑکے زیر تعلیم ہیں + مسلمان طلبہ کو منجانب جمال اسکالرشپ فنڈ عہ سے صہ ماہوار تک وظائف ملتے ہیں۔ تعلیم مفت ہے۔ چوتھے پرائمری درجہ تک گجراتی۔ اور معمولی اردو

اور قرآن کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ کل طلبہ ۳۲۰ ہیں اور مدرس تین ۳ + لڑکیوں کا مدرسہ الگ ہے۔ اسمیں ۲۴۰ طالبات ہیں۔ قرآن کریم۔ اردو۔ اور گجراتی تیسری جماعت تک پڑھائی جاتی ہے + ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ اسکا خرچ ہے اور یہ کل خرچ جمال برادر صاحب دیتے رہتے ہیں + لائبریری نام کے لئے ہے۔ ہر قسم کی کل ۵۷ کتابیں ایک شکستہ الماری میں رکھی ہیں۔ بلیرڈ روم ہے۔ اور تھوڑی دیر ہنسی مذاق کا لطف رہتا ہے۔

کاٹھیاوار میں جامنگر نہایت خوبصورت شہر ہے۔ آبادی نصف مسلمانوں کی ہے۔ انمیں میمن۔ شیعہ اور سنی۔ بورے۔ خوجے۔ و دیگر جماعتیں شامل ہیں۔ ملا طاہر سیف الدین صاحب کے اجداد کا قدیم اور پہلا مکان اسی شہر میں ہے۔ یہ نہایت وسیع حویلی ہے اور ابھی موجود ہے + جمال برادر (مرحوم) رنگوں کے نامور تاجر یہین کے رہنے والے ہیں۔ اور ملا داؤد مدنی وکیل بھی یہیں کے نامور باشندے ہیں۔

جام نگر سے اس سفر کو ختم کرتا ہوا اورنگ آباد چلا آیا۔ اور وہاں سے بھلسہ کو گیا ایک ماہ بھلسہ میں گھر پر قیام رہا۔ یہاں مدرسہ اسلامیہ چل رہا ہے۔ مگر اسکے لئے مستقل امداد بہم کرنے کی فکر ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کے آغاز میں بھوپال کے دربار سے اعانت حاصل کرنے کی خواہش بھوپال سے لیگئی۔ وسط مارچ میں ۱۶ تاریخ کو سرکار عالیہ والیہ بھوپال کے حضور میں درخواست امداد پیش کی اور نتیجہ کارساز حقیقی کے سپرد کرکے ۱۷ مارچ کو اُجین چلا آیا

اُجین۔ ہندوؤں کا قدیم شہر۔ ملک مالوہ کا مرکزی مقام۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں حاکم نشین جگہ رہکر اب مہاراج گوالیار کے زیرنگیں ہے۔ اسمیں بہت سی مسلمانوں کی یادگاریں پائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی بھی معتد بہ ہے۔ میں یہاں آکر محمد تقی صاحب وکیل کا مہمان ہوا۔ آپ اسلامی درد دل میں رکھتے ہیں۔ جامع مسجد اُجین کی از سر نو مرمت کی ہے۔ اور اس کام میں بڑی زحمت اٹھائی ہے۔ سنہ ۱۳۳۵ھ میں اسکو

مکمل کرکے بالکل نئی بنادیا۔ جزاہ اللہ۔

یہاں ایک قدیم بے نیو کی مسجد ہے جالت ابتر سنہ ۱۰۰۶ھ کی تعمیر غیر آباد ہے + شہر کے باہر ندی کے کنارہ پر امیر شکیب کی مسجد واقع ہے۔ یہ اجین کے صوبہ دار تھے۔ کتبہ پڑھ نہ سکا + اسی مسجد کے پاس ایک ٹوٹا ہوا مقبرہ دیکھا۔ بیگم کا مقبرہ مشہور ہے۔ اسپر قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔ اچھی طرح نہیں پڑھا گیا جس قدر بخوبی پڑھا وہ حسب ذیل ہے:۔

معدنِ فضل و کرم مختار خاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (نہیں پڑھ سکا)
آں سہی سروِ ریاضِ مرتضیٰ ۔ آں گلِ بستانِ خیر المرسلینؐ
آسماں قدرے کہ مہر دولتش ۔ کرد روشن سر بسر روئے زمیں
ریخت چوں فردوس رنگِ روضۂ ۔ گلشنِ بے مثل بر روئے زمیں
ہر گلش رشکِ بہارِ جنت است ۔ بلبلانش در ترنم ہم قریں
در طراوت رشکِ گلزارِ اِرم ۔ از صفا آرام گاہِ حورِ عیں
می تراود از زبانِ ہر گیاہ ۔ ذکرِ طبتم فادخلوہا خالدیں
شد رقم تاریخش از کلکِ سخن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (نہیں پڑھ سکا)

اب یہ بالکل شکستہ ہے چند سال میں پیوندِ خاک ہوجائیگا + اجین سے تین کوس پر ایک مقام "کالاڈیہ" ہے۔ یہاں ندی کے اندر نہایت عالیشان عمدہ پتھر کی عمارت بنی ہے۔ ندی کو جابجا کاٹ کر حوض بنائے ہیں۔ ایک سے دوسرے حوض میں پانی جاتا رہتا ہے۔ بانی اور تاریخ تعمیر کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ دو مقامات پر الگ الگ دو تاریخی قطعہ درج ہیں جنکی نقل کرتا ہوں۔ صحیح طور سے پڑھے نہیں گئے + اسکے علاوہ ندی کے بالکل کنارہ پر بلندی کے اوپر ایک شاندار محل نہایت وسیع بنا ہے۔ اسکی حال میں راج دربار کی طرف سے پوری مرمت اور درستی ہوئی ہے۔ بجلی کی روشنی کا سامان اسمیں کیا گیا ہے۔ یہ راج محل بنالیا گیا ہے + مذکورہ تاریخی کتبے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "بتاریخ ۱۸ الٰہی موافق ۱۰۰۸ھ کہ حضرت خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ملک دکن و خاندیش را تفویض نمودہ مراجعت فرمودہ (بگڑا ہے) بمجرد فتح خاندیش و دکن چوں کرد شاہ عازم (بگڑا ہوا ہے) روسکہ مجبور شد یک شب درینجا قیام کردہ عازم لاہور شد"

(۲) یہ رباعی کندہ ہے:-

بحکم شاہ جہان ساخت این دو عشرتگاہ — حسن بعہد جہانگیر شاہ اکبر شاہ
بہشت روے زمیں یافت عقل تاریخش — کہ سروران جہاں راست منزل دلخواہ

یہ نہایت پرلطف مقام ہے۔ اُجین مالوہ کی منڈی ہے۔ آبادی بڑھتی جاتی ہے بستی کی رونق رو بہ ترقی ہے۔ مسلمانوں میں بوہرے بہت زیادہ آباد اور مالدار ہیں۔ دیگر مسلمان نہایت خراب حالت میں ہیں۔ نہ مسلمانوں کا کوئی مدرسہ ہے۔ نہ انکو تعلیم کا ذوق۔ بالکل اس سے بیگانہ ہیں۔ اخلاق پست۔ افلاس غالب اور عیوب جہالت سے بھرپور۔ باہر کے چند مسلمان جو بسلسلہ ملازمت یہاں رہتے ہیں اُنکے اخلاق و اطوار بھی اکثر پست اور اس قابل نہیں کہ اپنے درماندہ بھائیوں کی دستگیری کریں۔ افسوس

احمد نگر دکن - ۱۸۔ اگست ۱۹۲۲ء کو احمد نگر دکن میں آنا ہوا۔ اسٹیشن کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا ہے۔ دوسرے دن بخار آگیا۔ ڈاکٹر ماتھر صاحب معالج ہیں۔ کئی دن بعد طبیعت صاف ہوئی۔ دل بہلانے کے لئے آثار قدیمہ کی زیارت کو گیا۔ اورنگ زیب کا مغسل۔ صلابت خاں کا محل۔ ٹوٹا ہوا قلعہ۔ قصر بہشت۔ اور فرحت باغ۔ شاہی زمانہ کی عمارتیں دیکھیں۔ کتبہ کہیں نہیں پایا۔ شہر کے اندر دو چھوٹے چھوٹے مسجد۔ سرجیش سوائی خاں عرف عزیز الملک کا روضہ۔ اُنکی مسجد۔ اور محل۔ دیکھا اب اس محل میں منصفی کی عدالت ہے۔ چنگیز خاں کا محل صاحب جج کی کچہری ہے۔ کتبہ پایا مگر اسقدر مسخ کہ پڑھا نہیں جاسکا۔

اورنگ زیب کی ساختہ جامع مسجد تین درجہ کی عمارت ہے ہر درجہ میں چار چار ستون ہیں۔ دیوار کے ستون اسکے علاوہ ہیں۔ ہر ایک ستون کے مابین دس قدم کا فصل ہے اور تینوں درجوں کا مجموعی عرض ایکسو قدم ہے۔ خالص پتھر کی عمارت ہے۔ احمد نگر میں بھی واٹر ورکس کا پرانا سسٹم موجود تھا۔ مگر اس سال سے اسکو بند کر دیا گیا ہے+

فرہاد خاں کا محل اور اسکی مسجد دیکھی۔ مسجد میں حسب ذیل کتبہ تاریخ ہے:۔

در عہد شاہ عادل و کامل نظام شاہ　　فرہاد خاں کہ ہست ز جاں چاکرے کہیں

بانی مسجدے شد و از فیض لطف شاہ　　اتمام داد بہر عبادات مومنیں

ثابت چو بود در رہ دین نبی و آل　　تاریخ ایں بنا بطلب از ثبات دیں

۹۶۷ ہجری

فرہاد خاں کی قبر اسی مسجد کے احاطہ میں ہے۔ اور اطراف مسجد کے حجروں میں مسلمانوں نے اب یتیم خانہ قائم کر رکھا ہے۔ دس یتیم اس میں ہیں+

دودھیا مسجد۔ کی عمارت میں ہندوؤں کا کتب خانہ ہے۔ پچاس سال ہوئے یہاں کے ایک قاضی صاحب نے یہ کتب خانہ قائم کیا تھا اور ہندوؤں کو بخش دیا۔ اُن کے قبضہ میں ہے

سنہری مسجد۔ سول ہسپتال کے احاطہ میں آگئی۔ اب اسکو دو منزلہ عمارت بنوا کر اسسٹنٹ سرجن کے رہنے کا مکان بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح احمد نگر کی چھاؤنی میں کئی مسجدیں اور خانقاہیں ضروریات فوج کی عمارتوں میں تبدیل ہو گئی ہیں+

فاعتبروا یا اولی الابصار

# تمت بالخیر

# ذکر خیر البشرؐ

عاشق رسول حاجی منظہر علیم انصاری ردولوی مرحوم کے مجموعۂ ذکر میلاد شریف وفضائل وشمائل ومعجزات وتعلیمات حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کا سامان ہو رہا ہے۔ لیکن چونکہ کتاب ضخیم اور بڑی ہے اس لئے ایک ہی جلد میں شائع کرنا دیر طلب ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ مختلف حصص الگ الگ رسالہ کی شکل میں شائع کئے جائیں۔ اسلئے حسب ذیل طریقہ اختیار کیا جاتا ہے:-

(۱) ہر ایک حصہ "ذکر خیر البشر" کے عنوان سے ایک رسالہ کے طور پر چھپوایا جائے۔ اور اس رسالہ کا خاص نام اس پر درج ہو۔

(۲) ہر سال ایسے چار رسالے نکل جایا کریں۔ جنکی قیمت فی رسالہ ایک روپیہ ہو۔

(۳) مجموعی سالانہ چندہ مع محصول ڈاک وغیرہ صرف تین روپیہ جو پیشگی آنا چاہیے۔

(۴) دو سو مستقل معاونین کی رقم اعانت آجانے پر انشاءاللہ رسالہ کی اشاعت شروع کر دیجائے گی۔

(۵) ہر رسالہ دو ماہ کے بعد اور تین ماہ کے اندر شائع ہوتا رہے گا۔

(۶) رقم اعانت نقد پیشگی آنا ضروری ہے۔ قیمت طلب پارسل ارسال نہ ہوگا۔ اور نہ صرف درخواست یا اجازت پر اعتماد ہو سکتا ہے۔

(۷) دو سو معاونین جو پیشگی نقد قیمت عطا کریں گے اُن کو شکریہ کے طور پر اسی تین روپیہ میں جملہ رسائل جنکی تعداد چھ یا سات ہے پیش ہونگے۔ دو سو کے بعد کوئی خریداری کا نمبر اس رعایت سے مستفید نہ ہو سکے گا۔

درخواستیں آخر جون ۱۹۲۵ء تک آجائیں۔

المعلن

محمد حلیم انصاری امام مسلمان بورڈنگ ہاؤس۔ یونیورسٹی
الہ آباد

# اکسیر بواسیر

## خونی

ہو یا

## بادی

اس اکسیر سے پورا نفع ہو رہا ہے۔ تجارت منظور نہیں اطلاع کی غرض نفع رسانی خلق ہے۔ انشاءاللہ سات ورنہ چودہ خوراک کامل نفع کے لئے کافی ہیں۔ شکایت پھر کبھی عود نہیں کرتی۔ سات خوراک کی قیمت مع محصول ڈاک وغیرہ ایک روپیہ ہے قیمت پیشگی آنا چاہیے ورنہ تعمیل حکم غیر ممکن ہے۔ قیمت طلب پارسل نہ ارسال ہوگا۔

المشتہر

محمد حلیم انصاری

امام مسلمان بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی

الہ آباد